ٹائیٹل بار اوّل

حصہ دوم

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا

اِزالۂ اَوْہام

فِیْہِ بَأْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

الحمد والمنت کہ بماہ مبارک ذی الحجہ ۱۳۰۸ھ کتاب جامع

معارف قرآنی و شارح اسرار کلام ربانی از تالیفات

مرسل یزدانی و ماموررحمانی جناب میرزا غلام احمد

صاحب قادیانی

مطبع ریاض ہند امرتسر میں باہتمام شیخ نور احمد مالک مطبع مطبوع گردید

تعداد جلد ۷۰۰

قیمت فی جلد عمہ
۸ر

اعلان

واضح ہو کہ اس رسالہ ازالہ اوہام میں ان تمام سوالات کا جواب ہے کہ جو اکثر لوگ کوتہ اندیشی کے رو سے حضرت مسیح کی حیات ممات کے متعلق کیا کرتے ہیں اور کچھ شک نہیں کہ جو شخص اس کتاب کو اول سے آخر تک خوب غور سے پڑھے گا اس کا کوئی شبہ باقی نہیں رہے گا سو اس پر یہ فرض ہے کہ اگر خدا تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ سے اس کو ہدایت بخشے اور اس کے سینہ کو کھول دیوے تو وہ اپنی معلومات سے اوروں کو بھی فیض پہنچاوے۔ ہر یک جو اس کتاب کی ہدایت کو اپنے پورے اخلاص سے قبول کرے اُس پر یہ بھی لازم ہو گا کہ اس کی عام اشاعت کے لئے کوشش فرماوے اور اس کتاب کے شائع ہونے کے بعد منکروں کے لئے انسب و اولیٰ طریق یہی ہے کہ زبانی مباحثات کا دروازہ بند رکھ کر اس کتاب کے مطالب کو غور سے پڑھیں پھر اگر ہدایت نصیب نہ ہو تو اس کی دلائل کو رد کر کے دکھلاویں اور ہماری آخری نصیحت اُن کے حق میں یہی ہے کہ اللہ جلَّ شَانُہٗ سے ڈریں۔ ولمقت اللّٰہ اکبر من مقتھم. والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ.

الـــــــمـــــــعـــــــلـــــــن

میرزا غلام احمد قادیانی از لودہانہ محلّہ اقبال گنج

یعنی قرآن کے ساتھ ہم نے زمین مردہ کو زندہ کیا۔ ایسا ہی حشر اجساد بھی ہوگا۔ پھر فرماتا ہے ﴿۴۲۵﴾
اِنَّا نَحۡنُ نُحۡیِ الۡمَوۡتٰی وَنَکۡتُبُ مَا قَدَّمُوۡا وَاٰثَارَھُمۡ [1] یعنی ہم قرآن کے ساتھ مردوں کو زندہ کررہے ہیں اور پھر فرماتا ہے اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ یُحۡیِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِھَا [2] یعنی اے لوگو جان لو کہ زمین مرگئی تھی اور خدا اب نئے سرے اس کو زندہ کررہا ہے۔ غرض جا بجا قرآن شریف کو نمونہ قیامت ٹھہرایا گیا ہے بلکہ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت میں ہی ہوں جیسا کہ فرمایا ہے **وانا الحاشر الذی یحشر الناس علٰی قدمی** یعنی میں ہی قیامت ہوں میرے قدموں پر لوگ اُٹھائے جاتے ہیں یعنی میرے آنے سے لوگ زندہ ہورہے ہیں۔ مَیں قبروں سے انہیں اُٹھا رہا ہوں اور میرے قدموں پر زندہ ہونے والے جمع ہوتے جاتے ہیں۔ اور درحقیقت جب ہم ایک منصفانہ نگاہ سے عرب کی آبادیوں پر نظر ڈالیں کہ اپنی روحانی حالت کی رُو سے وہ کیسے قبرستان کے حکم میں ہوگئے تھے اور کس درجہ تک سچائی اور خدا ترسی کی رُوح اُن کے اندر سے نکل گئی تھی اور کیسے وہ طرح طرح کی خرابیوں کی وجہ سے جو اُن کے اخلاق اور اعمال اور عقائد پر اثر کرگئی تھیں سڑگل گئے تھے تو بلا اختیار ہمارے اندر سے یہ شہادت نکلتی ہے کہ اُن کا زندہ کرنا جسمانی طور پر مُردوں کے جی اُٹھنے سے بمراتب عجیب تر ہے جس کی عظمت نے بے شمار عقلمندوں کی نگاہوں کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ ﴿۴۲۶﴾

اب خلاصہ کلام یہ کہ آیت موصوفہ بالا کے حقیقی معنے یہ ہیں جو ہم نے ذکر کئے ہیں یعنی خدائے تعالیٰ جسمانی طور پر مُردوں کے جی اُٹھنے پر روحانی طور پر مردوں کا جی اُٹھنا بطور بدیہی نشان کے پیش کرتا ہے جو درحقیقت دلوں پر نہایت مؤثر ہوا اور بے شمار کفّار اس نشان کے قائل ہوگئے اور ہوتے جاتے ہیں۔ اور ایک جماعت محققین کی بھی یہی معنے آیت موصوفہ بالا کے لیتی ہے۔ چنانچہ تفسیر معالم میں زیر تفسیر اس آیت کے

[1] یٰسٓ: ۱۳ [2] الحدید: ۱۸

یہ معنے لکھے ہیں جیسا کہ تفسیر کی عبارت یہ ہے وقال الحسن وجماعة وانّه یعنی وان القراٰن لعلم للسّاعة یعلمکم قیامها ویخبر کم باحوالها و اهوالها فلا تمترن بها یعنی فلا تشکن فیها بعد القران یعنی حسن اور ایک جماعت نے اس آیت کے یہی معنے کئے ہیں کہ قرآن قیامت کے لئے نشان ہے اور زبان قال اور حالؔ سے خبر دے رہا ہے کہ قیامت اور اُس کے حالات اور اس کے ہولناک نشان واقع ہونیوالے ہیں سو بعد اس کے کہ قرآن قیامت کے آنے پر اپنے اعجازی بیانات اور تاثیرات احیاء موتی سے دلیل محکم قائم کر رہا ہے تم شک مت کرو۔ ﴿۴۲۷﴾

(۱۳) سوال۔ الہام جس کی بناء پر حلقہ اجماع اُمت سے خروج اختیار کیا گیا ہے خود بے اصل اور بے حقیقت اور بے سود چیز ہے جس کا ضرر اس کے نفع سے بڑھ کر ہے۔

امّا الجواب۔ پس واضح ہو کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ اجماع کو پیشگوئیوں سے کچھ علاقہ نہیں۔ اجماع اُن امور پر ہوتا ہے جن کی حقیقت بخوبی سمجھی گئی اور دیکھی گئی اور دریافت کی گئی اور شارع علیہ السلام نے اُن کے تمام جزئیات سمجھا دئے دکھا دئے سکھلا دئے جیسے صوم وصلوٰۃ و زکوٰۃ وحج وعقائد توحید وثواب وعقاب۔ مگر یہ دنیوی پیشگوئیاں تو ابھی مخفی امور ہیں جن کی شارح علیہ السلام نے اگر کچھ شرح بھی بیان کی تو ایسی کہ جو استعارہ کی طرف توجہ دلاتی ہے۔ مثلاً کیا ان احادیث پر اجماع ثابت ہوسکتا ہے کہ مسیح آکر جنگلوںؔ میں خنزیروں کا شکار کھیلتا پھرے گا اور دجّال خانہ کعبہ کا طواف کرے گا اور ابن مریم بیماروں کی طرح دو آدمیوں کے کاندھے پر ہاتھ دھر کے فرض طواف کعبہ بجالائے گا۔ کیا معلوم نہیں کہ جو لوگ ان حدیثوں کی شرح کرنے والے گذرے ہیں وہ کیسے بے ٹھکانہ اپنی اپنی کمین[۱] ہانک رہے ہیں۔ اگر کوئی بات اجماع کے طور پر تصفیہ یافتہ ہوتی تو کیوں وہ لوگ مختلف خیالات کو ظاہر کرتے کیا کفر کا خوف نہیں تھا؟ ﴿۴۲۸﴾

اب رہی یہ بات کہ الہام بے اصل اور بے سود اور بے حقیقت چیز ہے جس کا ضرر اس کے نفع سے بڑھ کر ہے۔ سو جاننا چاہیئے کہ ایسی باتیں وہی شخص کرے گا جس نے کبھی

[۱] ایڈیشن اول کے متن میں صحیح لفظ پڑھا نہیں جارہا۔ غالباً ’’تکیں‘‘ ہے۔

اس شراب طہور کا مزہ نہیں چکھا اور نہ یہ خواہش رکھتا ہے کہ سچا ایمان اس کو حاصل ہو۔ بلکہ رسم اور عادت پر خوش ہے اور کبھی نظر اس طرف اُٹھا کر نہیں دیکھتا کہ مجھے خداوند کریم پر یقین کہاں تک حاصل ہے اور میری معرفت کا درجہ کس حد تک ہے اور مجھے کیا کرنا چاہئے کہ تا میری اندرونی کمزوریاں دور ہوں اور میرے اخلاق اور اعمال اور ارادوں میں ایک زندہ تبدیلی پیدا ہو جائے۔ اور مجھے وہ عشق اور محبت حاصل ہو جائے ﴿۴۲۹﴾ جسکی وجہ سے میں باآسانی سفرِ آخرت کر سکوں اور مجھ میں ایک نہایت عمدہ قابل ترقی مادہ پیدا ہو جائے۔

بے شک یہ بات سب کے فہم میں آسکتی ہے کہ انسان اپنی اس غافلانہ زندگی میں جو ہر دم تحت الثریٰ کی طرف کھینچ رہی ہے اور علاوہ اس کے تعلقات زن وفرزند اور ننگ وناموس کے بوجھل اور بھاری پتھر کی طرح ہر لحظہ نیچے کی طرف لے جارہے ہیں ایک بالائی طاقت کا ضرور محتاج ہے جو اس کو سچی بینائی اور سچا کشف بخش کر خدائے تعالیٰ کے جمال باکمال کا مشتاق بنا دیوے۔ سو جاننا چاہیئے کہ وہ بالائی طاقت **الہام ربّانی** ہے جو عین دُکھ کے وقت میں سرور پہنچاتا ہے اور مصائب کے ٹیلوں اور پہاڑوں کے نیچے بڑے آرام اور لذّت کے ساتھ کھڑا کر دیتا ہے۔ وہ دقیق در دقیق وجود جس نے عقلی طاقتوں کو خیرہ کر رکھا ہے اور تمام حکیموں کی عقل اور دانش کو سکتہ میں ڈال دیا ہے وہ الہام ہی کے ذریعہ سے کچھ اپنا پتہ دیتا ہے اور **انا الموجود** کہہ کر سالکوں کے دلوں کو تسلّی بخشتا ہے اور سکینت نازل کرتا ہے اور انتہائی وصول کی ٹھنڈی ہوا سے جان پژمردہ کو ﴿۴۳۰﴾ تازگی بخشتا ہے۔ یہ بات تو سچ ہے کہ قرآن کریم ہدایت دینے کے لئے کافی ہے مگر قرآن کریم جس کو ہدایت کے چشمہ تک پہنچاتا ہے اُس میں پہلی علامت یہی پیدا ہو جاتی ہے کہ مکالمہ طیّبہ الٰہیہ اس سے شروع ہو جاتا ہے جس سے نہایت درجہ کی انکشافی معرفت اور چشم دید برکت ونورانیت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ عرفان حاصل ہونا شروع ہو جاتا ہے

جو مجرّد تقلیدی اٹکلوں یا عقلی ڈھکوسلوں سے ہرگز مل نہیں سکتا۔ کیونکہ تقلیدی علوم محدود و مشتبہ ہیں اور عقلی خیالات ناقص و ناتمام ہیں اور ہمیں ضرور حاجت ہے کہ براہ راست اپنے عرفان کی توسیع کریں۔ کیونکہ جس قدر ہمارا عرفان ہوگا اُسی قدر ہم میں ولولہ وشوق جوش مارے گا۔ کیا ہمیں باوجود ناقص عرفان کے کامل ولولہ وشوق کی کچھ توقع ہے؟ نہیں کچھ بھی نہیں۔ سو حیرت اور تعجب ہے کہ وہ لوگ کیسے بدفہم ہیں جو ایسے ذریعہ کاملہ وصولِ حق سے اپنے تئیں مستغنی سمجھتے ہیں جس سے روحانی زندگی وابستہ ہے۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ روحانی علوم اور روحانی معارف صرف بذریعہ الہامات و مکاشفات ہی ملتے ہیں اور جب تک ہم وہ درجہ روشنیؔ کا نہ پالیں تب تک ہماری انسانیت کسی حقیقی معرفت یا حقیقی ﴿۴۳۱﴾ کمال سے بہرہ یاب نہیں ہوسکتی۔ صرف کوّے کی طرح یا بھیڑی کی مانند ایک نجاست کو ہم حلوہ سمجھتے رہیں گے اور ہم میں ایمانی فراست بھی نہیں آئے گی۔ صرف لومڑی کی طرح داؤپیچ بہت یاد ہوں گے۔

ہم ایک بڑے بھاری مطلب کے لئے جو یقینی معرفت ہے پیدا کئے گئے ہیں اور وہی معرفت ہماری نجات کا مدار بھی ہے جو ہر یک خبیث اور مغشوش طریق سے ہمیں آزادی بخش کر ایک پاک اور شفاف دریا کے کنارے پر ہمارا منہ رکھ دیتی ہے اور وہ صرف **بذریعہ الہام** الٰہی ہمیں ملتی ہے۔ جب ہم اپنے نفس سے بکلّی فنا ہو کر دردمند دل کے ساتھ لایُدرک وجود میں ایک گہرا غوطہ مارتے ہیں تو ہماری بشریت الوہیت کے دریا میں پڑنے سے عندالعود کچھ آثار و انوار اس عالم کے ساتھ لے آتی ہے۔ سو جس چیز کو اس دنیا کے لوگ بنظرِ حقارت دیکھتے ہیں۔ درحقیقت وہی ایک چیز ہے جو مدت کے جدا شدہ کو ایک دم میں اپنے محبوب سے ملاتی ہے وہی ہے جس سے عشاق الٰہی تسلّی پاتے ہیں اور طرح طرح کی نفسانی قیدوں سے بیک بار اپنا پَیر باہر نکالؔ لیتے ہیں جب تک وہ سچی روشنی دلوں پر نازل نہ ہو ہرگز ممکن ہی نہیں کہ کوئی دل منوّر ﴿۴۳۲﴾ ہوسکے۔ غرض انسانی عقل کی ناقابلیت اور رسمی علوم کی محدودیّت ضرورتِ الہام پر

شہادت دے رہی ہے جس قدر دنیا میں عقلمند ہیں یا ایسے زاہد جن کے دل درحقیقت اس پاک سلسلے سے بے نصیب ہیں اُن کے چال چلن اور ان کا اخلاقی انقباض اور اُن کے سفلی خیالات اور ان کی سب شرمناک کارستانیاں اس میرے بیان پر شاہد ہیں کہ وہ بغیر اس چشمہ طیبہ کے کس قدر قابل کراہت کثافتوں میں مبتلا ہیں اور جس طرح گندے کنوئیں کے پانی کے ایک قطرہ سے اس کی تمام کثافت ثابت ہوجاتی ہے۔ اسی طرح اُن کے گندے خیالات اپنے بُرے نمونہ سے پہچانے جاتے ہیں۔

اگرچہ ایسے لوگوں کی فلاسفی عام خیالات میں ہل چل مچانے والی ہو مگر چونکہ سچی روشنی اس کے ساتھ نہیں اس لئے وہ جلد اور بہت جلد اپنی ظلمت دکھا دیتی ہے اور باوجود تمام لاف وگزاف ہمہ دانی کے ایسے لوگوں کی اندرونی حالت ہاتھ پھیلا پھیلا کر اپنی مفلسی ظاہر کرتی رہتی ہے اور بسا اوقات روحانی تشفّی کے نہ ملنے کی وجہ سے ایسے فلاسفروں اور حکیموں اور مولویوں ﴿۴۳۳﴾ اور فاضلوں سے ایسی حرکتیں صادر ہوجاتی ہیں جن سے صاف شہادت ملتی ہے کہ وہ تسلّی بخش چشمہ سے کیسے اور کس قدر دُور و مہجور ہیں اور کیونکر حقیقی خوشحالی کے نہ پانے کے سبب سے ایک عذاب الیم یا یوں کہو کہ ایک درد اور جلن اور بے چینی میں دن رات مبتلا ہیں۔

اس جگہ بعض دلوں میں بالطبع یہ اعتراض پیدا ہوگا کہ اکثر لوگ الہام کا دعویٰ کرتے ہیں بلکہ فقرات الہامیہ سُناتے بھی رہتے ہیں لیکن اُن کی معرفت میں کچھ بھی ترقی نظر نہیں آتی اور معمولی بشریت سے اُن کی عرفانی حالت کا درجہ بڑھا ہوا معلوم نہیں دیتا بلکہ وہی موٹی سمجھ اور سطحی خیالات اور فطرتی تاریکی اور پستی اُن میں دکھائی دیتی ہے اور اُن کے اخلاقی یا ذہنی یا روحانی قویٰ میں کوئی امر عام عادت سے بڑھ کر نظر نہیں آتا۔ پھر کیونکر ایسے لوگوں کو ہم مُلہم سمجھیں اور اس چشمۂ فیض کا ہم کلام مان لیویں۔ جس کے قرب اور شرف مکالمت سے خارق عادت تبدیلی پیدا ہوجانا ضروری ہے۔ کم سے کم اس قدر تبدیلی کہ بعض باتیں

اُس مُلہم میں ایسی ہوں کہ دوسروں میں پائی نہ جائیں۔

سو جاننا چاہیئے کہ درحقیقت ایسے لوگ واقعی طور پر ملہم نہیں ہوتے بلکہ ایک قسم کے ابتلاء میں ﴿۴۳۴﴾
مبتلا ہوتے ہیں جس کو وہ اپنی نادانی سے الہام سمجھ لیتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ کا حقیقی اور واقعی طور پر مکالمہ کچھ تھوڑی سی بات نہیں۔ جس طرح تم دیکھتے ہو کہ جب ایک تاریکی میں بیٹھے ہوئے آدمی کے لئے ناگہانی طور پر آفتاب کی طرف کھڑکی کھل جائے تو کیسی یکدفعہ اس کی حالت بدل جاتی ہے اور کیوں کر آسمانی روشنی اس کے حواس پر کام کر کے ایک تبدیل شدہ زندگی اس کے لئے پیدا کر دیتی ہے اور کیوں کر تاریکی سے جو بالطبع افسردگی کی موجب ہے باہر نکل کر ایک سرُور و ذوق اس کے دل میں اور ایک روشنائی اس کی آنکھوں میں اور ایک استقامت اس کی حالت میں پیدا ہو جاتی ہے۔ سو یہی حالت اُس کھڑکی کی ہے جو آسمان کی طرف سے کھلتی ہے اور بہت ہی کم لوگ ہیں جو واقعی اور حقیقی طور پر اُس کو پاتے ہیں اور تم انہیں خارق عادت علامتوں سے شناخت کرو گے۔

(۱۴) سوال۔ قرآن شریف سے اگرچہ مسیح کی موت ثابت ہوتی ہے مگر اس موت کا
کوئی وقت خاص تو ثابت نہیں ہوتا۔ پس تعارض حدیث اور قرآن کا دور کرنے کے لئے ﴿۴۳۵﴾
بجز اس کے اَور کیا راہ ہے کہ اس موت کا زمانہ وہ قرار دیا جائے کہ جب پھر حضرت مسیح نازل ہوں گے۔

امّا الجواب۔ پس واضح ہو کہ قرآن شریف کی نصوص بیّنہ اسی بات پر بصراحت دلالت کر رہی ہیں کہ مسیح اپنے اُسی زمانہ میں فوت ہو گیا ہے جس زمانہ میں وہ بنی اسرائیل کے مفسد فرقوں کی اصلاح کے لئے آیا تھا جیسا کہ اللہ جلَّ شَانُہٗ فرماتا ہے یٰعِیۡسٰۤی اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ وَمُطَهِّرُکَ مِنَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَجَاعِلُ الَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡکَ فَوۡقَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ۔[1] اب اس جگہ ظاہر ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اِنّی مُتَوَفِّیک پہلے لکھا ہے اور رَافِعُکَ بعد اس کے بیان فرمایا ہے

[1] اٰل عمران: ۵۶

جس سے ثابت ہوا کہ وفات پہلے ہوئی اور رفع بعد از وفات ہوا۔ اور پھر اَور ثبوت یہ ہے کہ اس پیشگوئی میں اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے کہ میں تیری وفات کے بعد تیرے متبعین کو تیرے مخالفوں پر جو یہودی ہیں قیامت کے دن تک غالب رکھوں گا۔ اب ظاہر ہے اور تمام عیسائی اور مسلمان اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ یہ پیشگوئی حضرت مسیح کے بعد اسلام کے ظہور تک بخوبی پوری ہوگئی کیونکہ خدائے تعالیٰ نے یہودیوں کو اُن ﴿۴۳۶﴾ لوگوں کی رعیّت اور ماتحت کر دیا جو عیسائی یا مسلمان ہیں اور آج تک صدہا برسوں سے وہ ماتحت چلے آتے ہیں یہ تو نہیں کہ حضرت مسیح کے نزول کے بعد پھر ماتحت ہوں گے۔ ایسے معنے تو بہ بداہت فاسد ہیں۔

دیکھنا چاہیئے کہ قرآن شریف میں یہ بھی آیت ہے جو حضرت مسیح کی زبان سے اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے وَاَوۡصٰنِیۡ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَا دُمۡتُ حَیًّا وَّ بَرًّۢا بِوَالِدَتِیۡ [1] یعنی حضرت مسیح فرماتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے مجھے فرمایا ہے نماز پڑھتا رہ اور زکوٰۃ دیتا رہ اور اپنی والدہ پر احسان کرتا رہ جب تک تو زندہ ہے۔ اب ظاہر ہے کہ ان تمام تکلیفات شرعیہ کا آسمان پر بجالانا محال ہے۔ اور جو شخص مسیح کی نسبت یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ وہ زندہ مع جسدہ آسمان کی طرف اٹھایا گیا اس کو اس آیت موصوفہ بالا کے منشاء کے موافق یہ بھی ماننا پڑے گا کہ تمام احکام شرعی جو انجیل اور توریت کی رُو سے انسان پر واجب العمل ہوتے ہیں وہ حضرت مسیح پر اب بھی واجب ہیں حالانکہ یہ تکلیف مالا یطاق ہے۔ عجیب بات ہے کہ ایک طرف تو خدا تعالیٰ یہ حکم دیوے کہ اے عیسیٰ جب تک تو زندہ ہے تیرے پر واجب ہے کہ تو اپنی والدہ کی خدمت کرتا رہے اور پھر آپ ہی اس کے ﴿۴۳۷﴾ زندہ ہونے کی حالت میں ہی اس کو والدہ سے جدا کر دیوے اور تا بحیات زکوٰۃ کا حکم دیوے اور پھر زندہ ہونے کی حالت میں ہی ایسی جگہ پہنچا دے جس جگہ نہ وہ آپ زکوٰۃ دے سکتے ہیں اور نہ زکوٰۃ کے لئے کسی دوسرے کو نصیحت کر سکتے ہیں اور صلوٰۃ کے لئے

[1] مریم: ۳۲، ۳۳

تا کید کرے اور جماعت مومنین سے دور پھینک دیوے جن کی رفاقت صلوٰۃ کی تکمیل کے لئے ضروری تھی۔ کیا ایسے اُٹھائے جانے سے بجز بہت سے نقصان عمل اور ضائع ہونے حقوق عباد اور فوت ہونے خدمت امر معروف اور نہی منکر کے کچھ اَور بھی فائدہ ہوا؟ اگر یہی اٹھارہ سو اکانوے برس زمین پر زندہ رہتے تو اُن کی ذات جامع البرکات سے کیا کیا نفع خلق اللہ کو پہنچتا لیکن اُن کے اُوپر تشریف لے جانے سے بجز اس کے اور کونسا نتیجہ نکلا کہ اُن کی اُمت بگڑ گئی اور وہ خدمات نبوت کے بجالانے سے بکلّی محروم رہ گئے۔

پھر جب ہم اس آیت پر بھی نظر ڈالیں کہ جو اللہ جلّشانہ، قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ کوئی جسم کسی بشر کا ہم نے ایسا نہیں بنایا کہ بغیر روٹی کے زندہ رہ سکے تو ﴿۴۳۸﴾ ہمارے مخالفوں کے عقیدہ کے موافق یہ بھی لازم آتا ہے کہ وہ آسمان پر روٹی بھی کھاتے ہوں پاخانہ بھی پھرتے ہوں اور ضروریات بشریّت جیسے کپڑے اور برتن اور کھانے کی چیزیں سب موجود ہوں۔ مگر کیا یہ سب کچھ قرآن اور حدیث سے ثابت ہو جائے گا؟ ہرگز نہیں۔ آخر ہمارے مخالف یہی جواب دیں گے کہ جس طرز سے وہ آسمان پر زندگی بسر کرتے ہیں وہ انسان کی معمولی زندگی سے نرالی ہے اور وہ انسانی حاجتیں جو زمین پر زندہ انسانوں میں پائی جاتی ہیں وہ سب اُن سے دور کر دی گئی ہیں اور اُن کا جسم اب ایک ایسا جسم ہے کہ نہ خوراک کا محتاج ہے اور نہ پوشاک کا اور نہ پاخانہ کی حاجت انہیں ہوتی ہے اور نہ پیشاب کی۔ اور نہ زمین کے جسموں کی طرح اُن کے جسم پر زمانہ اثر کرتا ہے اور نہ وہ اب مکلّف احکام شرعیہ ہیں۔ تو اس کا یہ جواب ہے کہ خدائے تعالیٰ تو صاف فرماتا ہے کہ ان تمام خاکی جسموں کے لئے جب تک زندہ ہیں۔ یہ تمام لوازم غیر منفک ہیں جیسا کہ اس نے فرمایا وَمَا جَعَلْنٰھُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ[1]۔ ظاہر ہے کہ اس آیت میں جُز کے ذکر سے کُل مراد ہے یعنی

[1] الانبیاء: ۹

گو اُتنا ہی ذکر فرمایا کہ کسی نبی کا جسم ایسا نہیں بنایا گیا جو بغیر طعام کے رہ سکے۔ مگر اس کے ضمن میں کُل وہ لوازم ونتائج جو طعام کو لگے ہوئے ہیں سب اشارۃ النص کے طور پر فرما دئے۔ سو اگر مسیح ابن مریم اسی جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر گیا ہے تو ضرور ہے کہ طعام کھاتا ہو اور پاخانہ اور پیشاب کی ضروری حاجتیں سب اس کی دامنگیر ہوں کیونکہ کلام الٰہی میں کذب جائز نہیں۔ اور اگر یہ کہو کہ دراصل بات یہ ہے کہ مسیح اس جسم کے ساتھ آسمان پر نہیں گیا بلکہ یہ جسم تو زمین میں دفن کیا گیا اور ایک اَور نورانی جسم مسیح کو مِلا جو کھانے پینے سے پاک تھا اس جسم کے ساتھ اُٹھایا گیا تو حضرت **یہی تو موت** ہے جس کا آخر آپ نے اقرار کرلیا۔ ہمارا بھی تو یہی مذہب ہے کہ مقدس لوگوں کو موت کے بعد ایک **نورانی جسم** ملتا ہے اور وہی نور جو وہ ساتھ رکھتے ہیں جسم کی طرح اُنکے لئے ہو جاتا ہے سو وہ اس کے ساتھ آسمان کی طرف اُٹھائے جاتے ہیں اسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے اِلَیۡہِ یَصۡعَدُ الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ وَ الۡعَمَلُ الصَّالِحُ یَرۡفَعُہٗ [1] یعنی پاک روحیں جو نورانی الوجود ہیں خدائے تعالیٰ کی طرف صعود کرتی ہیں اور عمل صالح اُن کا رفع کرتا ہے یعنی جس قدر عمل صالح ہو اُسی قدر روح کا رفع ہوتا ہے۔ ﴿۴۳۹﴾ ﴿۴۴۰﴾

اس جگہ خدائے تعالیٰ نے روح کا نام **کلمہ** رکھا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ درحقیقت تمام ارواح کلمات اللہ ہی ہیں جو ایک لایُدرک بھید کے طور پر جس کی تہ تک انسان کی عقل نہیں پہنچ سکتی روحیں بن گئی ہیں۔ اسی بناء پر اس آیت کا مضمون بھی ہے وَکَلِمَتُہٗ ۚ اَلۡقٰہَاۤ اِلٰی مَرۡیَمَ [2]۔ اور چونکہ یہ سِرّ ربوبیت ہے اس لئے کسی کی مجال نہیں کہ اس سے بڑھ کر کچھ بول سکے کہ کلمات اللہ ہی بحکم و باذن ربّی لباس روح کا پہن لیتے ہیں اور ان میں وہ تمام طاقتیں اور قوتیں اور خاصیتیں پیدا ہو جاتی ہیں جو روحوں میں پائی جاتی ہیں اور پھر چونکہ ارواح طیّبہ **فنا فی اللہ** ہونے کی حالت میں

[1] فاطر: ۱۱ [2] النساء: ۱۷۲

اپنے تمام قویٰ چھوڑ دیتی ہیں اور اطاعت الٰہی میں فانی ہو جاتی ہیں تو گویا پھر وُہ روح کی حالت سے باہر آ کر کلمۃ اللہ ہی بن جاتی ہیں جیسا کہ ابتدا میں وہ کلمۃ اللہ تھیں۔ سو کلمۃ اللہ کے نام سے ان پاک روحوں کو یاد کرنا اُن کے اعلیٰ درجہ کے کمال کی طرف اشارہ ہے سو انہیں نور کا لباس ملتا ہے اور اعمال صالحہ کی طاقت سے اُن کا خدائے تعالیٰ کی طرف رفع ہوتا ہے۔

﴿۴۴۱﴾ اور ہمارے ظاہر بین علماء اپنے محدود خیالات کی وجہ سے کلماتِ طیّبہ سے مراد محض عقائد یا اذکار و اشغال رکھتے ہیں اور اعمال صالحہ سے مراد بھی اذکار و خیرات وغیرہ ہیں۔ تو گویا وہ اس تاویل سے علّت اور معلول کو ایک کر دیتے ہیں۔ اگرچہ کلمات طیّبہ بھی خدائے تعالیٰ کی طرف ہی رجوع کرتے ہیں لیکن عارفوں کے لئے یہ بطنی معنے ہیں جن پر قرآن کریم کے دقیق اشارات مشتمل ہیں۔

(۱۵) سوال۔ مسیح ابن مریم نے تو بہت سے معجزات سے اپنے منجانب اللہ ہونے کا ثبوت دیا تھا آپ نے کیا ثبوت دیا۔ کیا کوئی مُردہ زندہ کر دیا یا کوئی مادرزاد اندھا آپ سے اچھا ہوا۔ اگر ہم فرض بھی کر لیں کہ آپ مثیل مسیح ہیں تو ہمیں آپ کے وجود سے کیا فائدہ ہوا؟

امّا الجواب۔ پس واضح ہو کہ انجیل کو پڑھ کر دیکھ لو کہ یہی اعتراض ہمیشہ مسیح پر رہا کہ اس نے کوئی معجزہ تو دکھایا ہی نہیں یہ کیسا مسیح ہے۔ کیونکہ ایسا مردہ تو کوئی زندہ نہ ہوا کہ وہ بولتا اور اُس جہان کا سب حال سُناتا اور اپنے وارثوں کو نصیحت کرتا کہ میں تو دوزخ میں سے آیا ہوں تم جلد ایمان لے آؤ۔ اگر مسیح صاف طور پر یہودیوں کے باپ دادے زندہ کر کے دکھا دیتا اور اُن سے گواہی دلواتا تو بھلا کس کو انکار کی مجال تھی غرض ﴿۴۴۲﴾ پیغمبروں نے نشان تو دکھائے مگر پھر بھی بے ایمانوں سے مخفی رہے۔ ایسا ہی یہ عاجز بھی خالی نہیں آیا بلکہ مُردوں کے زندہ ہونے کے لئے بہت سا آبِ حیات خدائے تعالیٰ نے اس عاجز کو بھی دیا ہے بے شک جو شخص اس میں سے پئے گا زندہ ہو جائے گا۔ بلاشبہ میں اقرار کرتا ہوں کہ اگر میرے کلام سے مردے زندہ نہ ہوں اور

اندھے آنکھیں نہ کھولیں اور مجذوم صاف نہ ہوں تو میں خدائے تعالیٰ کی طرف سے نہیں آیا کیونکہ خدائے تعالیٰ نے آپ اپنے پاک کلام میں میری طرف اشارہ کر کے فرمایا ہے نبی ناصری کے نمونہ پر اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ بندگانِ خدا کو بہت صاف کر رہا ہے اس سے زیادہ کہ کبھی جسمانی بیماریوں کو صاف کیا گیا ہو۔

یقیناً سمجھو کہ روحانی حیات کا تخم ایک رائی کے بیج کی طرح بویا گیا مگر قریب ہے ہاں بہت قریب ہے کہ ایک بڑا درخت ہو کر نظر آئے گا۔ جسمانی خیالات کا انسان جسمانی باتوں کو پسند کرتا ہے اور اُن کو بڑی چیز سمجھتا ہے مگر جس کو کچھ ﴿۴۴۳﴾
روحانیت کا حصہ دیا گیا ہے وہ روحانی زندگی کا طالب ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے راستباز بندے دنیا میں اس لئے نہیں آتے کہ لوگوں کو تماشے دکھلائیں بلکہ اصل مطلب اُن کا جذب الی اللہ ہوتا ہے اور آخر کار وہ اسی قوت قدسیہ کی وجہ سے شناخت کئے جاتے ہیں۔ وہ نور جو اُن کے اندر قوتِ جذب رکھتا ہے اگرچہ کوئی شخص امتحان کے طور سے اس کو دیکھ نہیں سکتا بلکہ ٹھوکر کھاتا ہے۔ مگر وہ نور آپ ہی ایک ایسی جماعت کو اپنی طرف کھینچ کر جو کھینچے جانے کے لائق ہے اپنا خارق عادت اثر ظاہر کر دیتا ہے۔

(۱) خدائے تعالیٰ کے خالص دوستوں کی یہ علامتیں ہیں کہ ایک خالص محبت انکو عطا کی جاتی ہے جس کا اندازہ کرنا اس جہان کے لوگوں کا کام نہیں۔

(۲) اُن کے دلوں پر ایک خوف بھی ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ دقائق اطاعت کی رعایت رکھتے ہیں ایسا نہ ہو کہ یارِ قدیم آزردہ ہو جائے۔

(۳) ان کو خارق عادت استقامت دی جاتی ہے کہ اپنے وقت پر دیکھنے ﴿۴۴۴﴾
والوں کو حیران کر دیتی ہے۔

(۴) جب اُن کو کوئی بہت ستاتا ہے اور باز نہیں آتا تو اُن کے لئے غضب اس ذات قوی کا جو اُن کا متولّی ہے یکدفعہ بھڑکتا ہے۔

(۵) جب اُن سے کوئی بہت دوستی کرتا ہے اور سچی وفاداری اور اخلاص کے ساتھ اُن کی راہ میں فدا ہو جاتا ہے تو خدائے تعالیٰ اس کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور اس پر ایک خاص رحمت نازل کرتا ہے۔

(۶) اُن کی دعائیں بہ نسبت اَوروں کے بہت زیادہ قبول ہوتی ہیں یہاں تک کہ وہ شمار نہیں کر سکتے کہ کس قدر قبول ہوئیں۔

(۷) اُن پر اکثر اسرار غیب ظاہر کئے جاتے ہیں اور وہ باتیں جو ابھی ظہور میں نہیں آئیں اُن پر کھولی جاتی ہیں اگرچہ اَور مومنوں کو بھی سچی خوابیں اور سچے مکاشفات معلوم ہوجاتے ہیں مگر یہ لوگ تمام دنیا سے نمبر اوّل پر ہوتے ہیں۔

(۸) خدائے تعالیٰ خاص طور پر اُن کا متولّی ہو جاتا ہے اور جس طرح اپنے بچوں کی کوئی پرورش کرتا ہے اس سے بھی زیادہ نگاہِ رحمت اُن پر رکھتا ہے۔

(۹) جب اُن پر کوئی بڑی مصیبت کا وقت آتا ہے تو اُس وقت دو طور میں سے ایک طور کا ان سے معاملہ ہوتا ہے یا خارق عادت طور پر اس مصیبت سے رہائی دی جاتی ہے اور یا ایک ایسا صبر جمیل عطا کیا جاتا ہے جس میں لذّت اور سرور اور ذوق ہو۔ ﴿۴۴۵﴾

(۱۰) اُن کی اخلاقی حالت ایک ایسے اعلیٰ درجہ کی کی جاتی ہے جو تکبّر اور نخوت اور کمینگی اور خود پسندی اور ریاکاری اور حسد اور بُخل اور تنگدلی سب دور کی جاتی ہے اور انشراح صدر اور بشاشت عطا کی جاتی ہے۔

(۱۱) اُن کی توکّل نہایت اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے اور اس کے ثمرات ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔

(۱۲) اِن کو ان اعمال صالحہ کے بجالانے کی قوت دی جاتی ہے جو دوسرے اُن میں کمزور ہوتے ہیں۔

(۱۳) اُن میں ہمدردی خلق اللہ کا مادہ بہت بڑھایا جاتا ہے اور بغیر توقع کسی اجر اور

بغیر خیال کسی ثواب کے انتہائی درجہ کا جوش اُن میں خلق اللہ کی بھلائی کے لئے ہوتا ہے اور خود بھی نہیں سمجھ سکتے کہ اس قدر جوش کس غرض سے ہے کیونکہ یہ امر فطرتی ہوتا ہے۔ ﴿۴۴۶﴾

(۱۴) خدائے تعالیٰ کے ساتھ ان لوگوں کو نہایت کامل وفاداری کا تعلق ہوتا ہے اور ایک عجیب مستی جانفشانی کی اُن کے اندر ہوتی ہے اور اُن کی روح کو خدائے تعالیٰ کی روح کے ساتھ وفاداری کا ایک راز ہوتا ہے جس کو کوئی بیان نہیں کر سکا۔ اس لئے حضرت احدیت میں اُن کا ایک مرتبہ ہوتا ہے جس کو خلقت نہیں پہچانتی وہ چیز جو خاص طور پر اُن میں زیادہ ہے اور جو سر چشمہ تمام برکات کا ہے اور جس کی وجہ سے یہ ڈوبتے ہوئے پھر نکل آتے ہیں اور موت تک پہنچ کر پھر زندہ ہو جاتے ہیں اور ذلتیں اُٹھا کر پھر تاجِ عزت دکھا دیتے ہیں اور مہجور اور اکیلے ہو کر پھر ناگہاں ایک جماعت کے ساتھ نظر آتے ہیں وہ یہی راز وفاداری ہے جس کے رشتہ محکم کو نہ تلواریں قطع کر سکتی ہیں اور نہ دنیا کا کوئی بلوہ اور خوف اور مفسدہ اس کو ڈھیلا کر سکتا ہے۔ **السّلام علیھم من اللّٰہ وملآئکتہٖ ومن الصلحاء اجمعین۔**

(۱۵) پندرہویں علامت ان کی علم قرآن کریم ہے۔ قرآن کریم کے معارف اور حقائق ولطائف جس قدر ان لوگوں کو دئے جاتے ہیں دوسرے لوگوں کو ہرگز نہیں دئے جاتے۔ یہ لوگ وہی مطھّرون ہیں جن کے حق میں اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ [1] ﴿۴۴۷﴾

(۱۶) ان کی تقریر وتحریر میں اللہ جلّ شَانُهٗ ایک تاثیر رکھ دیتا ہے جو علماء ظاہری کی تحریروں وتقریروں سے نرالی ہوتی ہے اور اس میں ایک ہیبت اور عظمت پائی جاتی ہے اور بشرطیکہ حجاب نہ ہو دلوں کو پکڑ لیتی ہے۔

(۱۷) اُن میں ایک ہیبت بھی ہوتی ہے جو خدائے تعالیٰ کی ہیبت سے رنگین ہوتی ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ ایک خاص طور پر اُن کے ساتھ ہوتا ہے اور اُن کے چہروں پر

[1] الواقعة: ۸۰

عشق الٰہی کا ایک نور ہوتا ہے جو شخص اس کو دیکھ لے اُس پر نار جہنم حرام کی جاتی ہے۔ اُن سے ذنب اور خطا بھی صادر ہو سکتا ہے مگر اُن کے دلوں میں ایک آگ ہوتی ہے جو ذنب اور خطا کو بھسم کر دیتی ہے اور ان کی خطا ٹھہرنے والی چیز نہیں بلکہ اس چیز کی مانند ہے جو ایک تیز چلنے والے پانی میں بہتی ہوئی چلی جاتی ہے۔ سو اُن کا نکتہ چین ہمیشہ ٹھوکر کھاتا ہے۔

(۱۸) خدائے تعالیٰ اُن کو ضائع نہیں کرتا اور ذلّت اور خواری کی مار اُن پر نہیں مارتا کیونکہ وہ اس کے عزیز اور اس کے ہاتھ کے پودے ہیں۔ ان کو اس لئے بلندی سے نہیں گراتا کہ تا ہلاک کرے بلکہ اس لئے گراتا ہے کہ تا اُن کا خارق عادت طور پر بچ جانا دکھاوے۔ اُن کو اس لئے آگ میں دھکا نہیں دیتا تا اُن کو جلا کر خاکستر کر دیوے بلکہ اس لئے دھکا دیتا ہے تا لوگ دیکھ لیویں کہ پہلے تو آگ تھی مگر اب کیسا خوشنما گلزار ہے۔ ﴿۴۴۸﴾

(۱۹) ان کو موت نہیں دیتا جب تک وہ کام پورا نہ ہو جائے جس کے لئے وہ بھیجے گئے ہیں اور جب تک پاک دلوں میں اُن کی قبولیت نہ پھیل جائے تب تک البتہ سفرِ آخرت ان کو پیش نہیں آتا۔

(۲۰) اُن کے آثار خیر باقی رکھے جاتے ہیں اور خدائے تعالیٰ کئی پشتوں تک اُن کی اولاد اور ان کے جانی دوستوں کی اولاد پر خاص طور پر نظرِ رحمت رکھتا ہے اور ان کا نام دنیا سے نہیں مٹاتا۔

یہ آثار اولیاء الرحمٰن ہیں اور ہر یک قسم ان میں سے اپنے وقت پر جب ظاہر ہوتی ہے تو بھاری کرامت کی طرح جلوہ دکھاتی ہے۔ مگر اس کا ظاہر کرنا خدائے تعالیٰ کے ہی اختیار میں ہوتا ہے۔

اب یہ عاجز بحکم وَاَمَّا بِنِعۡمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثۡ [1] اس بات کے اظہار میں کچھ مضائقہ نہیں

[1] الضحیٰ: ۱۲

دیکھتا کہ خداوند کریم و رحیم نے محض فضل و کرم سے اِن تمام امور سے اس عاجز کو حصہ وافرہ
دیا ہے اور اس ناکارہ کو خالی ہاتھ نہیں بھیجا اور نہ بغیر نشانوں کے مامور کیا۔ بلکہ یہ تمام نشان ﴿۴۴۹﴾
دئے ہیں جو ظاہر ہو رہے ہیں اور ہوں گے اور خدائے تعالیٰ جب تک کھلے طور پر حجت قائم
نہ کرلے تب تک ان نشانوں کو ظاہر کرتا جائے گا۔ اور یہ جو کہا کہ تمہارے وجود سے ہمیں کیا
فائدہ؟ تو اس کے جواب میں یاد رکھنا چاہیئے کہ جو شخص مامور ہو کر آسمان سے آتا ہے اس
کے وجود سے علیٰ حسب مراتب سب کو بلکہ تمام دنیا کو فائدہ ہوتا ہے اور درحقیقت وہ ایک
روحانی آفتاب نکلتا ہے جس کی کم وبیش دُور دُور تک روشنی پہنچتی ہے۔ اور جیسی آفتاب کی
مختلف تاثیریں حیوانات و نباتات و جمادات اور ہر یک قسم کے جسم پر پڑ رہی ہیں اور بہت
کم لوگ ہیں جو اُن تاثیروں پر باستیفا علم رکھتے ہیں۔ اسی طرح وہ شخص جو مامور ہو کر آتا
ہے تمام طبائع اور اطراف اکناف عالم پر اس کی تاثیریں پڑتی ہیں اور جبھی سے کہ اس کا پُر
رحمت تعیّن آسمان پر ظاہر ہوتا ہے آفتاب کی کرنوں کی طرح فرشتے آسمان سے نازل
ہونے شروع ہوتے ہیں اور دنیا کے دُور دُور کناروں تک جو لوگ راستبازی کی استعداد
رکھتے ہیں ان کو سچائی کی طرف قدم اٹھانے کی قوت دیتے ہیں اور پھر خود بخود نیک نہاد لوگوں
کی طبیعتیں سچ کی طرف مائل ہوتی جاتی ہیں۔ سو یہ سب اُس ربّانی آدمی کی صداقت کے ﴿۴۵۰﴾
نشان ہوتے ہیں۔ جس کے عہد ظہور میں آسمانی قوتیں تیز کی جاتی ہیں۔ سچی وحی کا خدائے
تعالیٰ نے یہی نشان دیا ہے کہ جب وہ نازل ہوتی ہے تو ملائک بھی اس کے ساتھ ضرور
اُترتے ہیں اور دُنیا دن بدن راستی کی طرف پلٹا کھاتی جاتی ہے۔ سو یہ عام علامت اُس
مامور کی ہے جو خدائے تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے اور خاص علامتیں وہ ہیں جو ابھی ہم ذکر
کر چکے ہیں۔

(۱۶) سوال۔ انجیل میں لکھا ہے کہ مسیح جلال کے ساتھ دُنیا میں آئے گا اور دُنیا اس کو
قبول کرلے گی۔ لیکن اس جگہ جلالی ظہور کی کوئی علامت نہیں اور نہ دُنیا نے قبول کیا ہے؟

امّا الجواب۔ یہ ذکر جو انجیل متی باب پچیس ۲۵ آیت ۳۱ سے ۴۶ تک ہے۔ جو ابن آدم اپنے جلال سے آوے گا اور سب پاک فرشتے اس کے ساتھ ہوں گے یہ درحقیقت اس دنیا سے متعلق نہیں بلکہ اس قسم کا آنا اس دنیا کے قطع سلسلہ کے بعد ہے جو حشر اجساد کے بعد وقوع میں آویگا۔ جب ہر یک مقدّس نبی اپنے جلال میں ظہور کرے گا اور اپنی اُمت کے راستبازوں کو خوشخبری دے گا اور نافرمانوں کو ملزم کرے گا لیکن انہی آیات میں مسیح ﴿۴۵۱﴾ نے بتلا دیا کہ میرا آنا غریبی کی حالت میں بھی ہوگا جیسا کہ اسی انجیل کی چونتیسویں آیت میں لکھا ہے۔ اے میرے باپ کے مبارک لوگو! اس بادشاہت کو جو دنیا کی بنیاد ڈالنے سے تمہارے لئے طیار کی گئی میراث میں لو۔ کیونکہ میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا کھلایا میں پیاسا تھا تم نے مجھے پانی پلایا میں پردیسی تھا تم نے مجھے اپنے گھر میں اُتارا ننگا تھا تم نے مجھے کپڑا پہنایا۔ بیمار تھا تم نے میری عیادت کی۔ قید میں تھا تم میرے پاس آئے۔ راستباز اُسے جواب میں کہیں گے۔ اے خداوند کب ہم نے تجھے بھوکا دیکھا اور کھانا کھلایا یا پیاسا اور پانی پلایا۔ کب ہم نے تجھے پردیسی دیکھا اور اپنے گھر میں اُتارا یا ننگا تھا اور کپڑا پہنایا۔ ہم کب تجھے بیمار اور قید میں دیکھ کر تجھ پاس آئے۔ تب بادشاہ اُن سے جواب میں کہے گا میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ جب تم نے میرے ان سب سے چھوٹے بھائیوں میں سے ایک کے ساتھ کیا تو میرے ساتھ کیا۔ تب وہ بائیں طرف والوں سے بھی کہے گا۔ اے ملعونو! میرے سامنے سے اس ہمیشہ کی آگ میں جاؤ جو شیطان اور اس کے فرشتوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ کیونکہ میں بھوکا تھا پر تم نے مجھے ﴿۴۵۲﴾ کھانے کو نہ دیا۔ پیاسا تھا تم نے مجھے پانی نہ پلایا۔ پردیسی تھا تم نے مجھے اپنے گھر میں نہ اُتارا۔ ننگا تھا تم نے مجھے کپڑا نہ پہنایا۔ بیمار اور قید میں تھا تم نے میری خبر نہ لی۔ تب وے بھی جواب میں اُسے کہیں گے اے خداوند کب ہم نے تجھے بھوکا یا پیاسا یا پردیسی یا ننگا یا بیمار یا قیدی دیکھا اور تیری خدمت نہ کی۔ تب وہ انہیں جواب میں کہے گا میں تم سے

سچ کہتا ہوں کہ جب تم نے میرے ان سب چھوٹے بھائیوں میں سے ایک کے ساتھ نہ کیا تو میرے ساتھ بھی نہ کیا۔ اور وہ ہمیشہ کے عذاب میں جائیں گے پر راستباز ہمیشہ کی زندگی میں۔

اب غور کرنا چاہیئے کہ ان تمام آیات سے ظاہر ہے کہ مسیح نے اپنے بعض مثیلوں کا ذکر کر کے اُن کا دنیا میں آنا اور تکلیف اٹھانا گویا اپنا آنا اور تکلیف اُٹھانا قرار دیا ہے اور چھوٹے بھائیوں سے مراد بجُز اُن کے اَور کون لوگ ہو سکتے ہیں جو کسی قدر مسیح کے منصب اور مسیح کی طبیعت اور مسیح کے درجہ سے حصّہ لیں اور اس کے نام پر مامور ہو کر آویں۔ عیسائی تو نہیں کہہ سکتے کہ ہم مسیح کے بھائی ہیں۔ اور کچھ شک نہیں کہ محدّث نبی کا چھوٹا بھائی ہوتا ہے اور تمام انبیاء عِلاّتی بھائی کہلاتے ہیں۔ اور یہ نہایت لطیف ﴿۴۵۳﴾ اشارہ ہے جو مسیح نے اُن کا آنا اپنا آنا قرار دیا ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ آنا اس عاجز کا نسبتی طور پر جلالی آنا بھی ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے توحید کی اشاعت کے لئے یہ بڑی بڑی کامیابیوں کی تمہید ہے۔ اور جلالی آنے سے مراد اگر طریق سیاست رکھا جاوے تو یہ درست نہیں۔ یہ بات انصاف سے بعید ہے کہ کوئی شخص غافلوں کے جگانے کے لئے مامور ہو کر آوے اور آتے ہی زدوکوب اور قتل اور سفک دماء سے کام لیوے جب تک پورے طور سے اتمام حجت نہ ہو خدائے تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نازل نہیں کرتا۔ غرض مسیح کا جلالی طور پر آنا جن معنوں سے عیسائی بیان کرتے ہیں وہ اس دنیا سے متعلق نہیں۔ اس دنیا میں جو مسیح کے آنے کا وعدہ ہے اس وعدہ کو ایسے جلالی طور سے کچھ علاقہ نہیں۔ عیسائیوں نے بات کو کہیں کا کہیں ملا دیا ہے اور حق الامر کو اپنے پر مشتبہ کر دیا ہے۔ چنانچہ متی کی آیات مذکورہ بالا تو صاف بیان کر رہی ہیں کہ یہ جلالی طور کا آنا اُس وقت ہوگا کہ جب حشر اجساد کے بعد ہر یک کا حساب ہوگا کیونکہ بجُز حشر اجساد کے کامل طور پر شریروں اور راستبازوں کی جماعتیں جو فوت

ہو چکی ہیں کیونکر ایک جگہ اکٹھی ہو سکتی ہیں۔ لیکن برخلاف اس مضمون کے جو متی کے پچیس ۲۵
باب آیات مذکورہ بالا سے ظاہر ہوتا ہے متی کے چوبیسویں باب سے اسی دنیا میں مسیح کا آنا بھی ﴿۴۵۴﴾
سمجھا جاتا ہے اور دونوں قسم کے بیانات میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ آخرت میں جو حشر
اجساد کے بعد آئے گا وہ خود مسیح ہے لیکن دنیا میں مسیح کے نام پر آنیوالا مثیل مسیح ہے جو اس کا
چھوٹا بھائی اور اُسی کے قول کے مطابق اس کے وجود میں داخل ہے۔ دنیا میں آنے کی نسبت
مسیح نے صاف کہہ دیا کہ پھر مجھے نہیں دیکھو گے پس وہ کیوں کر دنیا میں آ سکتا ہے حالانکہ وہ خود
کہہ گیا ہے کہ پھر مجھے نہیں دیکھو گے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ دنیا کے قبول کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ اُسی وقت قبول
کر لیوے۔ دنیا ہمیشہ آہستہ آہستہ مانتی ہے۔ اُن لوگوں کا ہونا بھی تو ضروری ہے کہ جو ایمان
نہیں لائیں گے مگر مسیح کے دم کی ہوا سے مریں گے۔ دم کی ہوا سے مرنا حجت قاطعہ سے مرنا
ہے۔ انجیلوں میں بھی تو لکھا ہے کہ مسیح کے نزول کے وقت بعض پکڑے جائیں گے اور بعض
چھوڑے جائیں گے یعنی بعض پر عذاب نازل کرنے کے لئے حجت قائم ہو جائے گی۔ گویا وہ
پکڑے گئے اور بعض نجات پانے کے لئے استحقاق حاصل کر لیں گے گویا نجات پا گئے۔

(۱۷) سوال۔ اِس وقت مثیلِ مسیح کے آنے کی کیا ضرورت تھی؟

امّا الجواب۔ اِس وقت مثیل مسیح کی سخت ضرورت تھی اور نیز اُن ملائک کی جو زندہ ﴿۴۵۵﴾
کرنے کے لئے اُترا کرتے ہیں سخت حاجت تھی کیونکہ روحانی موت اور غفلت ایک
عالم پر طاری ہو گئی ہے اور اللہ جلَّ شَانُہٗ کی محبت ٹھنڈی ہو گئی اور سخت دلی اور دنیا پرستی
پھیل گئی اور وہ تمام وجوہ پیدا ہو گئے جن کی وجہ سے توریت کی تائید میں مسیح ابن مریم دنیا
میں آیا تھا۔ اور دجّال نے بھی بڑے زور کے ساتھ خروج کیا اور حضرت آدم کی پیدائش
کے حساب سے الف ششم کا آخری حصہ آ گیا جو بموجب آیت اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ

كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ[1] چھٹے دن کے قائم مقام ہے۔ سو ضرور تھا کہ اس چھٹے دن میں آدم پیدا ہوتا جو اپنی روحانی پیدائش کی رُو سے مثیل مسیح ہے اس لئے خدائے تعالیٰ نے اس عاجز کو مثیل مسیح اور نیز آدم الف ششم کر کے بھیجا جیسا کہ اُس نے فرمایا جو براہین میں چھپ چکا ہے اور وہ یہ ہے **اردت ان استخلف فخلقت اٰدم** یعنی میں نے ارادہ کیا جو اپنا خلیفہ پیدا کروں سو میں نے آدم کو پیدا کیا۔ پھر دوسری جگہ فرماتا ہے **خلق اٰدم فاکرمہ** یعنی آدم کو پیدا کیا پھر اس کو عزت بخشی اور جیسا کہ آدم کو تحقیر کی نظر سے دیکھا گیا اور مفسد قرار دیا ﴿۴۵۶﴾ گیا۔ یہی صورت اس جگہ بھی پیش آئی۔ اور چونکہ آدم اور مسیح میں باہم مماثلت ہے اس لئے اس عاجز کا نام آدم بھی رکھا گیا اور مسیح بھی۔

(۱۸) سوال۔ ابن صیّاد کو اگر مسیح دجّال قرار دیا گیا ہے تو اس سے مسلم کی دمشق والی حدیث کو کیا نقصان پہنچتا ہے کیونکہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن صیّاد گم ہو گیا اور قیامت کے قریب پھر ظاہر ہوگا۔

امّا الجواب۔ ابن صیّاد کا گم ہونا روایت صحیح سے ہرگز ثابت نہیں۔ لیکن اس کا ایمان لانا اور مرنا ثابت ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں اور مدینہ میں فوت ہونا اس کا بپایہ ثبوت پہنچ چکا ہے۔ علاوہ اس کے فرض محال کے طور پر اگر وہ مفقود الخبر بھی ہو تو کیا اِس سے اُس کا اب تک زندہ رہنا ثابت ہو جائے گا؟ کیا اب آپ کو وہ صحیح حدیثیں بھی بھول گئیں کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانہ سے سو برس تک کوئی انسان زمین پر زندہ نہیں رہے گا۔

یہ بات یاد رہے کہ شیعہ لوگ امام محمد مہدی کی نسبت بھی یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ زندہ ہونے کی حالت میں ہی ایک غار میں چھپ گئے اور مفقود ہیں اور قریب قیامت ظاہر ہوں گے اور سنّت جماعت کے لوگ اُن کے اس خیال کو باطل تصور کرتے ہیں اور یہ ﴿۴۵۷﴾

[1] الحج : ۴۸

حدیثیں پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سو برس کے بعد کوئی شخص زمین پر زندہ نہیں رہ سکتا۔ سو سُنّت جماعت کا یہ مذہب ہے کہ امام محمد مہدی فوت ہو گئے ہیں اور آخری زمانہ میں انہیں کے نام پر ایک اور امام پیدا ہوگا۔ لیکن محققین کے نزدیک مہدی کا آنا کوئی یقینی امر نہیں ہے۔

اس جگہ مجھے غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت اس مسئلہ میں شیعہ اور سنّت جماعت میں جو اختلاف ہے اُس میں کسی تاریخی غلطی کو دخل نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ شیعہ کی روایات کی بعض سادات کرام کے کشفِ لطیف پر بنیاد معلوم ہوتی ہے چونکہ ائمہ اثنا عشر نہایت درجہ کے مقدّس اور راستباز اور اُن لوگوں میں سے تھے جن پر کشف صحیح کے دروازے کھولے جاتے ہیں اس لئے ممکن اور بالکل قرین قیاس ہے جو بعض اکابر ائمہ نے خدائے تعالیٰ سے الہام پا کر اس مسئلہ کو اُسی طرز اور ایسے رنگ سے بیان کیا ہو جیسا کہ ملاکی کی کتاب میں ملاکی نبی نے ایلیاہ نبی کے دوبارہ آنے کا حال بیان کیا تھا اور جیسا کہ مسیح کے دوبارہ آنے کا شور مچا ہوا ہے اور درحقیقت مراد صاحبِ کشف کی یہ ہوگی کہ کسی زمانہ میں اس امام کے ہمرنگ ایک ﴿۴۵۸﴾
اَور امام آئے گا جو اس کا ہمنام اور ہم قوت اور ہم خاصیت ہوگا گویا وہی آئے گا۔ پھر یہ لطیف نکتہ جب جسمانی خیالات کے لوگوں میں پھیلا تو اُن لوگوں نے موافق اپنی موٹی سمجھ کے سچ مچ یہی اعتقاد کر لیا ہو گا کہ وہ امام صدہا برس سے کسی غار میں چھپا ہوا ہے اور آخری زمانہ میں باہر نکل آئے گا۔ مگر ظاہر ہے کہ ایسا خیال صحیح نہیں ہے۔ یہ عام محاورہ کی بات ہے کہ جب کوئی شخص کسی کا ہمرنگ اور ہم خاصیت ہو کر آتا ہے تو کہتے ہیں کہ گویا وہی آ گیا متصوّفین بھی اِن باتوں کے عام طور پر قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ بعض اولیاء گذشتہ کی روحیں اُن کے بعد میں آنے والے ولیوں میں سماتی رہی ہیں اور اس قول سے اُنکا مطلب یہ ہے کہ بعض ولی بعض اولیاء کی قوت اور طبع لیکر آتے ہیں گویا وہی ہوتے ہیں۔

(۱۹) سوال۔ اگر مسیح ابن مریم درحقیقت فوت ہوگیا ہے تو پھر کیا یہ بات جو تیرہ سو برس سے آج تک مشہور چلی آتی ہے کہ مسیح زندہ آسمان کی طرف اُٹھایا گیا آج غلط ثابت ہوگئی؟

امّا الجواب۔ پس واضح ہو کہ یہ بالکل افتراء ہے کہ تیرہ سو برس سے بالاجماع یہی مانا گیا ہے کہ مسیح جسم کے ساتھ زندہ آسمان پر اٹھایا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر سلف اور خلف کا کسی ایک بات پر اجماع ہوتا تو تفسیروں کے لکھنے والے متفرق قولوں کو نہ لکھتے لیکن کونسی ایسی تفسیر ہے جو اس بارہ میں اقوال متفرقہ سے خالی ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ مسیح نیند کی حالت میں اُٹھایا گیا اور کبھی کہتے ہیں کہ وہ مرگیا اور اس کی روح اٹھائی گئی اور کبھی قرآن شریف کی غلطی نکالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آیت اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ [1] میں دراصل مُتَوَفِّیکَ بعد میں ہونا چاہیئے اور رَافِعُکَ اِلَیَّ اس سے پہلے۔ اب ظاہر ہے کہ اگر اُن کا اجماع ایک خاص شق پر ہوتا تو اپنی تفسیروں میں مختلف اقوال کیوں جمع کرتے۔ اور جب ایک خاص بات پر یقین ہی نہیں تو پھر اجماع کہاں۔ اور یہ اعتراض کہ تیرہ سو برس کے بعد یہ بات تمہیں کو معلوم ہوئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ درحقیقت یہ قول نیا تو نہیں پہلے راوی اس کے تو ابن عباس ہی تھے لیکن اب خدائے تعالیٰ نے اس عاجز پر اس قول کی حقیقت ظاہر کردی اور دوسرے اقوال کا بطلان ثابت کردیا تا قولی طور پر اپنے ایک عاجز بندہ کی اس طرح پر ایک کرامت دکھاوے اور تا عقلمند لوگ سمجھ جاویں کہ یہ رہبری خاص خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ کیونکہ اگر یہ معمولی فہم اور عقل کا کام ہوتا تو دوسرے لوگ بھی اس صداقت کو مع اِس کے اُن سب دلائل کے جو اِن رسالوں میں درج ہو چکے ہیں بیان کرسکتے۔ ﴿۴۵۹﴾

اب یہ تمام سوالات ختم ہوئے اور ان سوالات سے بجز اس کے کہ صداقت اور بھی ظاہر ہو اور چمکے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکا۔ اس رسالہ کے ناظرین جو اول سے آخر تک اس رسالہ کو پڑھیں گے بخوبی یقین کرلیں گے کہ ہمارے مخالفین کے ہاتھ میں ﴿۴۶۰﴾

[1] ال عمران:۵۶

بجز اوہام کے اَور کچھ بھی نہیں اور وہ ہر طرف سے شکست کھا کر بار بار یہ وہم پیش کرتے ہیں کہ **ابن مریم** کا اُترنا کتابوں میں لکھا ہوا ہے اور ہماری اس بات کو سمجھ نہیں سکتے کہ کیا خدائے تعالیٰ باعتبار بعض صفات خاصہ کے کسی دوسرے کا نام ابن مریم نہیں رکھ سکتا۔ تعجب کہ آپ تو ہمیشہ اپنی اولاد کے پیغمبروں کے نام رکھتے ہیں بلکہ ایک ایک نام میں دو دو پیغمبروں کے نام ہوتے ہیں جیسے محمد یعقوب، محمد ابراہیم، محمد مسیح، محمد عیسیٰ، محمد اسمٰعیل، احمد ہارون۔ لیکن اگر خدائے تعالیٰ کسی اپنے بندہ کو اِن ناموں میں سے کسی نام کے ساتھ پکارے یا ان نبیوں کے ناموں اور کُنیتوں میں سے کوئی نام یا کنیت کسی اپنے مامور کو عطا کرے تو یہ کفر سمجھتے ہیں گویا جو کام انہیں کرنا جائز ہے وہ خدائے تعالیٰ کو کرنا جائز نہیں۔ نہیں دیکھتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرما گئے ہیں کہ اس اُمت میں مثیل انبیاء بنی اسرائیل آئیں گے تو کیا ضروری نہ تھا کہ وہ مثیل ﴿۴۶۱﴾
دنیا میں آتے۔ پھر اگر خدائے تعالیٰ نے مثیل مسیح ہونے کی وجہ سے کسی کا نام **ابن مریم** رکھ دیا تو کیا برا کیا۔ اور قرینہ ظاہر ہے کہ فوت شدہ تو دوبارہ دنیا میں نہیں آسکتا اور نہ خدائے تعالیٰ انبیاء پر دو موتیں وارد کرتا ہے اور اس کا حکم بھی ہے کہ جو شخص اس دنیا سے گیا وہ گیا۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے فَيُمْسِكُ الَّتِىْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ [1] یعنی جس پر موت وارد کی گئی وہ پھر کبھی دنیا میں آنہیں سکتا۔ اور پھر فرمایا لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى [2]۔ یعنی بہشتیوں پر دوسری موت نہیں آئے گی۔ ایک موت جو آچکی سو آچکی۔ اب جو لوگ کہتے ہیں کہ مسیح جو مر گیا کیا خدائے تعالیٰ قادر نہیں کہ اس کو پھر زندہ کر کے بھیجے گویا اُن کے نزدیک مسیح بہشتی نہیں جو اس کے لئے دو موتیں تجویز کرتے ہیں۔ حضرات اپنی بات کی ضد کے لئے مسیح کو بار بار کیوں مارنا چاہتے ہو اس کا کونسا گناہ ہے جو اس پر دو موتیں آویں اور پھر ان دو موتوں کا حدیث اور قرآن کی رُو سے ثبوت کیا ہے۔ کچھ پیش تو کرو۔ اور اگر اب بھی ہمارے مخالف الرائے مولوی صاحبان ماننے میں نہیں آتے تو ہم انہیں مخطی

[1] الزمر:۴۳ [2] الدخان:۵۷

ہونے کی وجہ سے مباہلہ کے لئے نہیں بُلاتے کیونکہ اگر اختلافات باہمی کی وجہ سے مسلمانوں کا باہم مباہلہ جائز ہو تو اس کا نتیجہ یہ ہو کہ مسلمانوں پر عذاب نازل ہونا شروع ہو جائے اور بجز کسی خاص فرد کے جو بکلّی خطا سے خالی ہو تمام مسلمان نیست و نابود کئے جائیں۔ سو {۴۶۲} خدائے تعالیٰ کا یہ ارادہ نہیں اس لئے صرف اختلافات کی بناء پر مباہلہ بھی جائز نہیں۔ ہاں اگر ہمارے مخالف اپنے تئیں سچ پر سمجھتے ہیں اور اس بات پر سچ مچ یقینی طور پر ایمان رکھتے ہیں کہ درحقیقت وہی مسیح ابن مریم آسمان سے نازل ہوگا جس پر انجیل نازل ہوئی تھی تو اس فیصلہ کے لئے ایک یہ بھی عمدہ طریق ہے کہ وہ ایک جماعت کثیر جمع ہو کر خوب تضرّع اور عاجزی سے اپنے مسیح موہوم کے اُترنے کے لئے دعا کریں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ جماعت صادقین کی دعا قبول ہو جاتی ہے بالخصوص ایسے صادق کہ جن میں ملہم بھی ہوں۔ پس اگر وہ سچے ہیں تو ضرور مسیح اُتر آئے گا اور وہ دعا بھی ضرور کریں گے اور اگر وہ حق پر نہیں اور یاد رہے کہ وہ ہرگز حق پر نہیں ہیں تو دعا بھی ہرگز نہیں کریں گے کیونکہ وہ دلوں میں یقین رکھتے ہیں کہ دعا قبول نہیں ہوگی۔ ہاں ہماری اس درخواست کو کچّے بہانوں سے ٹال دیں گے تا ایسا نہ ہو کہ رُسوائی اُٹھانی پڑے۔ اور اگر کوئی کہے کہ اہل حق کی دعا اہل باطل کے مقابل پر قبول ہونی ضروری نہیں ورنہ لازم آتا ہے کہ ہندؤں کے مقابل پر مسلمانوں کی دعا قیامت کے بارہ میں قبول ہو کر ابھی قیامت آجائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مقرر ہو چکا ہے کہ قیامت سات ہزار برس {۴۶۳} گذرنے سے پہلے واقع نہیں ہو سکتی۔ اور ضرور ہے کہ خدا اُسے روکے رہے جب تک وہ ساری علامتیں کامل طور پر ظاہر نہ ہو جائیں جو حدیثوں میں لکھی گئی ہیں۔ لیکن مسیح کے ظہور کا وقت تو یہی ہے۔ جس کی نسبت اُس مولوی مرحوم نے بھی شہادت دی ہے جس کا مجدّد ہونا مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی تصدیق کر چکے ہیں اور وہ تمام علامتیں بھی پیدا ہو گئی ہیں جن کا مسیح کے وقت پیدا ہونا ضروری تھا۔ جیسا کہ اسی رسالہ میں ہم نے ثابت کر دیا ہے۔ پھر اگر اب بھی

مسیح کے اُترنے کے لئے دعا منظور نہ ہو تو صاف ثابت ہوگا کہ وہ دعا تحصیل حاصل میں داخل ہے اسی وجہ سے منظور نہیں ہوئی۔

ہمارے دوست مولوی! ابوسعید **محمد حسین** صاحب اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں کہ میں عقلی طور پر اس امر (**وفاتِ مسیح**) کو ثابت کر دکھاؤں گا مگر کچھ معلوم نہیں ہوا کہ مولوی صاحب کی عقلی طور سے کیا مراد ہے۔ کیا **بیلون** میں آسمان کی طرف چڑھ کر ناظرین کو کوئی تماشہ دکھانا چاہتے ہیں۔ حضرت مولوی صاحب کو لازم ہے کہ عقلی طور کا نام نہ لیں تا نئے فلسفہ والے ان کے گردنہ ہو جائیں بلکہ یہ کہا کریں کہ جو شخص عقل کا نام لے وہ کافر ہے۔ اگر کوئی دن ایسے ہی اعتقاد کے ساتھ گذارہ کرنا ہے تو بجز تکفیر کے اور کوئی کارآمد حربہ نہیں۔ لیکن ہمارا تو اس بات پر ایمان ہے کہ خدائے تعالیٰ نے انسان کے وجود میں عقل کو بھی بیکار پیدا نہیں کیا اور اگر مسلمانوں کے دو فریق میں سے جو کسی جُزئی مسئلہ پر جھگڑتے ہیں اور باہم اختلاف رکھتے ہیں ایک فریق ایسا ہے کہ علاوہ دلائل شرعی اور نصوص قرآن اور حدیث کے عقل کو بھی اپنے ساتھ رکھتا ہے تو بلاشبہ وہی فریق سچا ہے کیونکہ اس کی تائید دعویٰ کے لئے گواہ بہت ہیں۔ سو اب دیکھنا چاہیئے کہ مسیح کی وفات کے بارے میں کیسے قرآن کریم اور حدیث اور عقل اور تجربہ ہمارا مؤید ہو رہا ہے۔ لیکن ہمارے مخالفین کو اِن تمام شواہد میں سے کوئی مدد نہیں دیتا۔ قرآن کریم کے سامنے جاتے ہیں تو قرآن کریم کہتا ہے کہ چل دُور ہو۔ میرے خزانہ حکمت میں تیرے خیال کے لئے کوئی مؤید بات نہیں۔ پھر وہاں سے محروم ہو کر حدیثوں کی طرف آتے ہیں تو حدیثیں کہتی ہیں کہ اے سرکش قوم یکجائی نظر سے ہمیں دیکھ اور مومن ببعض اور کافر ببعض نہ ہو۔ تا تجھے معلوم ہو کہ میں قرآن کریم کے مخالف نہیں۔ پھر حدیثوں سے نومید ہو کر سلف وخلف کے اقوال متفرقہ کی طرف آتے ہیں تو اُن کو کسی ایک خاص شق پر قائم نہیں دیکھتے بلکہ تفسیروں کو رطب و یابس کا ذخیرہ پاتے ہیں اور جب دیکھنا چاہتے ہیں کہ مبسوط تفسیروں میں

﴿۴۶۴﴾ ﴿۴۶۵﴾

اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ کے کیا معنے نکلتے ہیں تو پہلے بسم اللہ کر کے ابن عباس سے یہی حدیث نکلتی ہے کہ حضرت مسیح فوت ہو چکے ہیں۔ پھر قرآن اور حدیث سے قطع امید کر کے عقل کی طرف دوڑتے ہیں تو عقل ایک روشن دلیل کا طمانچہ مار کر دوسری طرف مُنہ پھیر دیتی ہے اور پھر کانشنس اور نور قلب کی طرف آتے ہیں تو وہ اپنے نزدیک آنے سے دھکّے دیتا ہے۔ پس اس سے زیادہ محرومی کیا ہوگی کہ کوئی اِن لوگوں کو قبول نہیں کرتا اور کسی جگہ اپنے مورچے باندھ نہیں سکتے۔

بعض چالاکی سے قرآن شریف کے کھلے کھلے ثبوت پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ **توفّی** کا لفظ لغت کی کتابوں میں کئی معنوں پر آیا ہے حالانکہ اپنے دلوں میں خوب جانتے ہیں کہ جن لفظوں کو قرآن شریف اصطلاحی طور پر بعض معانی کے لئے خاص کر لیتا ہے اور اپنے متواتر بیان سے بخوبی سمجھا دیتا ہے کہ فلاں معنے کے لئے اُس نے فلاں لفظ خاص کر رکھا ہے ﴿۴۶۶﴾ اس معنی سے اس لفظ کو صرف اس خیال سے پھیرنا کہ کسی لغت کی کتاب میں اس کے اَور معنے بھی آئے ہیں صریح الحاد ہے۔ مثلاً کتب لغت میں اندھیری رات کا نام بھی کافر ہے مگر تمام قرآن شریف میں کافر کا لفظ صرف کافرِ دین یا کافر نعمت پر بولا گیا ہے۔ اب اگر کوئی شخص کفر کا لفظ الفاظ مروّجہ فرقان سے پھیر کر اندھیری رات اس سے مراد لے اور یہ ثبوت دے کہ لغت کی کتابوں میں یہ معنے بھی لکھے ہیں تو سچ کہو کہ اُس کا یہ مُلحدانہ طریق ہے یا نہیں؟ اسی طرح کتب لغت میں صوم کا لفظ صرف روزہ میں محدود نہیں بلکہ عیسائیوں کے گرجا کا نام بھی صوم ہے اور شتر مرغ کے سرگین کو بھی صوم کہتے ہیں۔ لیکن قرآن شریف کی اصطلاح میں صوم صرف روزہ کا نام ہے۔ اور اسی طرح صلوٰۃ کے لفظ کے معنے بھی لغت میں کئی ہیں مگر قرآن شریف کی اصطلاح میں صرف نماز اَور درود اور دعا کا نام ہے۔ یہ بات سمجھنے والے جانتے ہیں کہ ہر یک فن ایک اصطلاح کا محتاج ہوتا ہے اور اہل اس فن کے حاجات کے موافق بعض الفاظ کو متعدد معنوں سے

مجرّد کر کے کسی ایک معنی سے مخصوص کر لیتے ہیں۔ مثلاً طبابت کے فن کو دیکھئے کہ بعض الفاظ جو کئی معنے رکھتے تھے صرف ایک معنے میں اصطلاحی طور پر محصور ومحدود رکھے گئے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ کوئی علم بغیر اصطلاحی الفاظ کے چل ہی نہیں سکتا۔ پس جو شخص الحاد کا ارادہ نہیں رکھتا اس کے لئے سیدھی راہ یہی ہے کہ قرآن شریف کے معنے اس کے مروّجہ اور مصطلحہ الفاظ کے لحاظ سے کرے ورنہ تفسیر بالرائے ہوگی۔ ﴿۴۶۷﴾

اگر یہ کہا جائے کہ اگر تَوَفّی کے معنے الفاظ مروّجہ قرآن میں عام طور پر قبض روح ہی ہے تو پھر مفسّروں نے اس کے برخلاف اقوال کیوں لکھے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ موت کے معنے بھی تو وہ برابر لکھتے چلے آئے ہیں۔ اگر ایک قوم کا ان معنوں پر اجماع نہ ہوتا تو کیوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے آج تک جو تیرہ سو برس گذر گئے یہ معنے تفسیروں میں درج ہوتے چلے آئے۔ سو اِن معنوں کا مسلسل طور پر درج ہوتے چلے آنا صریح اس بات پر دلیل ہے کہ صحابہ کے وقت سے آج تک ان معنوں پر اجماع چلا آیا ہے۔ رہی یہ بات کہ پھر دوسرے معنے انہیں تفسیروں میں کیوں لکھے گئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ بعض لوگوں کی غلط رائے ہے اور اس رائے کی غلطی ثابت کرنے کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ رائے سراسر قرآن شریف کے منشاء کے برخلاف ہے اور نیز یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اُن میں سے بعض وہ لوگ بھی ہیں جو خیال کرتے ہیں جو حضرت عیسیٰ تین گھنٹہ یا سات گھنٹہ یا تین دن تک مُردہ رہے اور پھر آسمان کی طرف زندہ کر کے اُٹھائے گئے۔ اور اس رائے پر ﴿۴۶۸﴾ ادنیٰ نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جنہوں نے ابتداء میں یہ رائے قائم کی ہے اُن کا یہ منشاء ہوگا کہ جیسا کہ بعض حدیثوں میں آیا ہے اور مولوی عبدالحق صاحب دہلوی نے بھی اس بارے میں اپنی کتابوں میں بہت کچھ لکھا ہے اور متصوّفین بھی اس کے قائل ہیں کہ جب کوئی مقدّس اور راستباز بندہ فوت ہو جائے تو پھر وہ زندہ کیا جاتا ہے۔ اور قدرت حق سے ایک قسم کا اس کو جسم نورانی عطا ہوتا ہے اور وہ اس جسم کے ساتھ آسمان پر

حسب اپنے مرتبہ کے رہائش اختیار کرتا ہے سو کیوں مسیح کے اُٹھائے جانے کا ایک نرالا مسئلہ بناویں۔ ہم قبول کرتے ہیں کہ وہ ایک نورانی جسم کے ساتھ آسمان کی طرف اٹھایا گیا جیسا کہ اَور نبی اُٹھائے گئے۔ اس کو نورانی جسم دیا گیا تبھی تو وہ کھانے اور پینے اور پاخانہ اور پیشاب کرنے کا محتاج نہ ہؤا۔ اگر یہ کثیف اور خاکی جسم ہوتا تو آسمان پر اس کے لئے ایک باورچی خانہ اور ایک پاخانہ بھی چاہیئے تھا کیونکہ اس خاکی جسد کے لئے خدائے تعالیٰ نے یہ تمام ضروری امور ٹھہرائے ہیں جیسا کہ قرآن شریف کی آیات بیّنات سے ظاہر ہے۔

اے حضرات مولوی صاحبان جبکہ عام طور پر قرآن شریف سے مسیح کی وفات ثابت ہوتی ﴿۴۶۹﴾
ہے اور ابتداء سے آج تک بعض اقوال صحابہ اور مفسّرین بھی اس کو مارتے ہی چلے آئے ہیں تو اب آپ لوگ ناحق کی ضد کیوں کرتے ہیں **کہیں عیسائیوں کے خدا کو مرنے بھی تو دو۔** کب تک اس کو حیّ لایموت کہتے جاؤ گے کچھ انتہاء بھی ہے پھر اگر آپ محض ضد کی راہ سے یہ کہیں کہ مسیح ابن مریم فوت تو ضرور ہو گیا تھا مگر اُسی خاکی جسم میں اُس کی روح آ گئی۔ تو کیا اس کا کوئی ثبوت بھی ہے۔ ماسوا اس کے اس صورت میں دو موتیں اس کے لئے تجویز کرو گے۔ یہ کہاں لکھا ہے اور کس کی ہدایت ہے کہ خدائے تعالیٰ **موتت اُولیٰ** پر کفایت نہ کرے اور سارے جہان کے لئے ایک موت اور مسیح ناکردہ گناہ پر دو موتوں کی تکلیف نازل ہو۔ کیا کوئی حدیث ہے یا قرآن شریف کی آیت ہے جو اِن دو موتوں کے بارے میں آپ کے پاس ہے۔ یوں تو آپ حضرت مسیح کی لاش کو بڑی عزت کے ساتھ دفن کرنا چاہتے ہیں جبکہ کہتے ہیں کہ حضرت سیّدنا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں دفن کئے جائیں گے لیکن یہ خیال نہیں کرتے کہ یہ دوسری
موت اُنؔ کے لئے کس سخت گناہ کا پاداش ہوگی۔ اور واضح رہے کہ آنحضرت صلی اللہ ﴿۴۷۰﴾
علیہ وسلم کی قبر میں اُن کا آخری زمانہ میں دفن ہونا یہ اس بات کی فرع ہے کہ پہلے اُن کا اسی جسم خاکی کے ساتھ زندہ اُٹھایا جانا ثابت ہو۔ ورنہ فرض کے طور پر اگر اس حدیث کو جو

نصوص بیّنہ کے مخالف صریح پڑی ہوئی ہے صحیح بھی مان لیں اور اس کے معنے کو ظاہر پر ہی حمل کریں تو ممکن ہے کہ کوئی مثیل مسیح ایسا بھی ہو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ کے پاس مدفون ہو۔ کیونکہ اس حدیث کی رو سے کہ جو **علماء امّتی کا نبیاء بنی اسرائیل** ہے مثیلوں کی کمی نہیں اور ایسا ہی یہ آیت کریمہ بھی مثیلوں کی طرف اشارہ کر رہی ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ [1] اور نیز قرائن قویہ کی وجہ سے بفرض صحت اس کو ایک استعارہ تسلیم کر کے یہ معنے بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ ایک اشارہ معیّت اور اتحاد کی طرف ہے۔ مثلاً جو دشمن ہو اس کے لئے انسان کہتا ہے کہ اس کی قبر بھی میرے نزدیک نہ ہو۔ لیکن دوست کے لئے قبر کا بھی ساتھ چاہتا ہے اور مکاشفات میں اکثر ایسے امور دیکھے جاتے ہیں۔ ایک مدّت کی بات ہے جو اس عاجز نے خواب میں دیکھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارکہ پر میں کھڑا ہوں اور کئی لوگ مر گئے ہیں یا ﴿۴۷۱﴾ مقتول ہیں ان کو لوگ دفن کرنا چاہتے ہیں۔ اسی عرصہ میں روضہ کے اندر سے ایک آدمی نکلا اور اس کے ہاتھ میں ایک سرکنڈہ تھا اور وہ اس سرکنڈہ کو زمین پر مارتا تھا اور ہر یک کو کہتا تھا کہ تیری اس جگہ قبر ہوگی۔ تب وہ یہی کام کرتا کرتا میرے نزدیک آیا اور مجھ کو دکھلا کر اور میرے سامنے کھڑا ہو کر روضۂ شریفہ کے پاس کی زمین پر اس نے اپنا سرکنڈہ مارا اور کہا کہ تیری اس جگہ قبر ہوگی۔ تب آنکھ کھل گئی اور میں نے اجتہاد سے اس کی یہ تاویل کی کہ یہ معیّت معادی کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ جو شخص فوت ہونے کے بعد روحانی طور پر کسی مقدّس کے قریب ہو جائے تو گویا اس کی قبر اس مقدس کی قبر کے قریب ہوگئی۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَحْكَمُ

---

[1] الفاتحۃ:۶،۷

نوؔر افشاں مطبوعہ ۲۳؍اپریل کا اعتراض

پرچہ نور افشان میں مسیح کے صعود کی نسبت یہ دلیل پیش کی گئی ہے کہ مسیح کے صعود کی نسبت گیارہ شاگرد بچشم دید گواہ موجود ہیں جنہوں نے اُسے آسمان کو جہاں تک حد نظر ہے جاتے دیکھا۔ چنانچہ معترض صاحب نے اپنے دعوے کی تائید میں رسولوں کے اعمال باب اوّل کی یہ آیتیں پیش کی ہیں۔ «۴۷۲»

(۳) اُن پر (یعنی اپنے گیارہ شاگردوں پر) اُس نے (یعنی مسیح نے) اپنے مرنے کے پیچھے آپ کو بہت سی قوی دلیلوں سے زندہ ثابت کیا کہ وہ چالیس دن تک انہیں نظر آتا رہا اور خدا کی بادشاہت کی باتیں کہتا رہا۔ اور اُن کے ساتھ ایک جا ہو کے حکم دیا کہ یروشلم سے باہر نہ جاؤ... اوؔر وہ یہ کہہ کے اُن کے دیکھتے ہوئے اُوپر اُٹھایا گیا اور بدلی نے اُن کی نظروں سے چھپا لیا۔ اور اس کے جاتے ہوئے جب وے آسمان کی طرف تک رہے تھے دیکھو دو مرد سفید پوشاک پہنے ہوئے اُن کے پاس کھڑے تھے (۱۱) اور کہنے لگے اے جلیلی مردو تم کیوں کھڑے آسمان کی طرف دیکھتے ہو یہی یسوع جو تمہارے پاس سے آسمان پر اُٹھایا گیا ہے اُسی طرح جس طرح تم نے اسے آسمان کو جاتے دیکھا پھر آوے گا۔ «۴۷۳»

اب پادری صاحب صرف اس عبارت پر خوش ہو کر سمجھ بیٹھے ہیں کہ درحقیقت اِسی جسم خاکی کے ساتھ مسیح اپنے مرنے کے بعد آسمان کی طرف اُٹھایا گیا۔ لیکن انہیں معلوم ہے کہ یہ بیان لوقا کا ہے جس نے نہ مسیح کو دیکھا اور نہ اُس کے شاگردوں سے کچھ سُنا۔ پھر ایسے شخص کا بیان کیوں کر قابل اعتبار ہوسکتا ہے جو شہادت رویت نہیں اور نہ کسی دیکھنے والے کے نام کا اُس میں حوالہ ہے۔ ماسوا اس کے یہ بیان سراسر غلط فہمی سے بھرا ہوا ہے۔ یہ تو سچ ہے کہ مسیح اپنے وطن گلیل میں جا کر فوت ہوگیا۔ لیکن یہ ہرگز سچ نہیں کہ وہی جسم جو دفن ہو چکا تھا پھر زندہ ہوگیا۔ بلکہ اسی باب کی تیسری آیت ظاہر کر رہی ہے

کہ بعد فوت ہو جانے کے کشفی طور پر مسیح چالیس دن تک اپنے شاگردوں کو نظر آتا رہا۔ اس جگہ کوئی یہ نہ سمجھ لیوے کہ مسیح بوجہ مصلوب ہونے کے فوت ہوا۔ کیونکہ ہم ثابت کر آئے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے صلیب سے مسیح کی جان بچائی تھی بلکہ یہ تیسری آیت باب اول اعمال کی مسیح کی طبعی موت کی نسبت گواہی دے رہی ہے جو گلیل میں اس کو پیش آئی۔ اس موت کے بعد مسیح ﴿۴۷۴﴾ چالیس دن تک کشفی طور پر اپنے شاگردوں کو نظر آتا رہا۔ جو لوگ کشف کی حقیقت کو نہیں سمجھتے وہ ایسے مقامات میں بڑا دھوکہ کھاتے ہیں۔ اِسی وجہ سے حال کے عیسائی بھی جو روحانی روشنی سے بے بہرہ ہیں اس عالم کشف کو درحقیقت عالم جسمانی سمجھ بیٹھے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ مقدّس اور راستباز لوگ مرنے کے بعد پھر زندہ ہو جایا کرتے ہیں اور اکثر صاف باطن اور پُرمحبت لوگوں کو عالمِ کشف میں جو بعینہٖ عالم بیداری ہے نظر آ جایا کرتے ہیں۔ چنانچہ اس بارہ میں خود یہ عاجز صاحبِ تجربہ ہے۔ بارہا عالم بیداری میں بعض مقدّس لوگ نظر آئے ہیں۔ اور بعض مراتب کشف کے ایسے ہیں کہ میں کسی طور سے کہہ نہیں سکتا۔ کہ اُن میں کوئی حصہ غنودگی یا خواب یا غفلت کا ہے بلکہ پورے طور پر بیداری ہوتی ہے اور بیداری میں گذشتہ لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے اور باتیں بھی ہوتی ہیں۔ یہی حال حواریوں کی رویت کا ہے جو انہیں کشفی طور پر مسیح ابن مریم مرنے کے بعد جبکہ وہ جلیل میں جا کر کچھ عرصہ کے بعد فوت ہو گیا چالیس دن برابر نظر آتا رہا اور انہوں نے اس کشفی حالت میں صرف مسیح کو نہیں دیکھا ﴿۴۷۵﴾ بلکہ دو فرشتے بھی دیکھے جو سفید پوشاک پہنے ہوئے کھڑے تھے۔ جس سے اور زیادہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ کشف کا ہی عالم تھا۔ انجیل میں یہ بھی آیا ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے کشفی طور پر حضرت موسیٰ اور حضرت یحیٰ کو بھی خواب میں دیکھا تھا۔ غرض اعلیٰ درجہ کا کشف بعینہٖ عالم بیداری ہوتا ہے اور اگر کسی کو اس کوچہ میں کچھ دخل ہو تو ہم بڑی آسانی سے اس کو تسلیم کرا سکتے ہیں مگر محض بیگانوں اور بے خبروں کے مقابل پر کیا کیا جائے۔

میں کئی بار لکھ چکا ہوں اور پھر بھی لکھتا ہوں کہ اہل کشف کے نزدیک یہ بات ثابت شدہ ہے کہ مقدّس اور راستباز لوگ مرنے کے بعد پھر زندہ ہو جایا کرتے ہیں اور ایک قسم کا انہیں جسم نورانی مل جاتا ہے اور اس جسم کے ساتھ وہ آسمان کی طرف اُٹھائے جاتے ہیں اور بعض احادیث میں آیا ہے کہ بعد موت کے اکثر مدّت مقدس لوگوں کی زمین پر رہنے کی چالیس دن ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کوئی نبی فوت ہونے کے بعد چالیس دن سے زیادہ زمین پر نہیں ٹھہرتا بلکہ اس عرصہ کے اندر اندر آسمان کی طرف اُٹھایا جاتا ہے۔ چنانچہ خود اپنی نسبت آنجنابؐ فرماتے ہیں کہ مجھے ہرگز امید نہیں کہ خدائے تعالیٰ چالیس دن سے زیادہ مجھ کو قبر میں رکھے۔ سو سمجھنا چاہیئے کہ آسمان کی طرف مع الجسد اُٹھایا جانا حضرت مسیح کا جس کی نسبت کیا عیسائی اور کیا مسلمان شور مچا رہے ہیں دراصل یہی معنے رکھتا ہے اور اس بارے میں مسیح کی کچھ بھی خصوصیت نہیں ہر یک مقدس اور کامل راستباز کا رفع اسی طرح ہوتا ہے۔ اور یہ امر اہل کشف کے نزدیک مسلّمات اور مشاہدات میں سے ہے قرآن کریم میں مسیح کے رفع کا ذکر اس کی راستبازی کی تصدیق کے لئے ہے۔ اور مسیح کے شاگردوں کو جو کشفی طور پر اس کا اُٹھایا جانا دکھایا گیا یہ اُن کی تقویتِ ایمان کے لئے تھا۔ کیونکہ اس وقت کے مولویوں اور فقیہوں کی طرح اس وقت کے فقیہوں اور فریسیوں نے بھی حضرت مسیح پر کفر کا فتویٰ لگایا تھا اور قریب تھا کہ وہ لوگ اپنی مکاریوں سے بہت سے شبہات دلوں میں ڈال دیتے لہذا خداوند کریم نے مسیح کے شاگردوں کی کشفی آنکھ کھول دی اور انہوں نے دیکھا کہ وہ خاص مقرّبوں کی طرح آسمان کی طرف اُٹھایا گیا۔ اگر یہ کشف نہ ہوتا تو نامحرم اور بدعقیدہ بیگانہ لوگ بھی اس حالت کو دیکھتے کیونکہ وہ کوئی ایسی جگہ نہیں تھی کہ جہاں دوسروں کی آمد و رفت حرام تھی۔ پس بیگانے لوگ جو آیندروند تھے صرف اسی وجہ سے نہیں دیکھ سکے کہ وہ ایک کشفی امر تھا اور پھر اخیر میں گیارہ آیت میں جو لکھا ہے جو فرشتوں نے جو وہاں کھڑے تھے یہ کہا کہ اے گلیلی مردو! یہی یسوع جو تمہارے پاس سے آسمان پر

﴿۴۷۶﴾

﴿۴۷۷﴾

اُٹھایا گیا ہے اسی طرح جس طرح تم نے اُسے آسمان کو جاتے دیکھا پھر آوے گا یہ ایک لطیف اشارہ اس بات کی طرف ہے جو تم نے عالم کشف میں جو عالم مثال ہے مسیح کو آسمان کی طرف جاتے دیکھا اسی طرح مثالی طور پر اور مثالی وجود کے ساتھ مسیح پھر آوے گا جیسا کہ **ایلیا** آیا اور یاد رہے کہ یہ تاویلات اس حالت میں ہیں کہ ہم ان عبارتوں کو صحیح اور غیر محرف قبول کرلیں۔ لیکن اس کے قبول کرنے میں بڑی دقتیں ہیں۔ جاننے والے خوب جانتے ہیں کہ مسیح کا آسمان کی طرف اُٹھائے جانا انجیل کی کسی الہامی عبارت سے ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا اور جنہوں نے اپنی اٹکل سے بغیر رویت کے کچھ لکھا۔ اُن کے بیانات میں علاوہ اس خرابی کے کہ اُن کا بیان چشم دید نہیں اس قدر تعارض ہے کہ ایک ذرّہ ہم اُن میں سے شہادت کے طور پر نہیں لے سکتے۔

ضرور تھا کہ مسیح دجّال گرجا میں سے ہی نکلے ﴿۴۷۸﴾

ہم بیان کر آئے ہیں کہ مسیح دجّال کی تعیین و تشخیص میں اسلام کے قرن اوّل کے بزرگوں میں اختلاف رہا ہے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم قطعی اور یقینی طور پر ابن صیّاد کو مسیح دجّال سمجھ بیٹھے تھے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رُوبرو قسم کھا کر کہا کہ **الدجّال** یہی ہے یعنی مسیح دجّال۔ کیونکہ **الدجّال** بجز مسیح دجّال کے اور کسی کو نہیں کہا جاتا۔ ایسا ہی ابن عمرؓ نے بھی صریح لفظوں میں کہا کہ مسیح الدجال یہی ہے۔ اور ہم پہلے اس سے تحریر کر چکے ہیں کہ بعض احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن صیّاد مسلمان ہونے کے بعد مدینہ میں فوت ہوگیا اور مسلمانوں نے اس کا جنازہ پڑھا۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ وہ گم ہوگیا مگر قول اوّل ارجح ہے کیونکہ فوت کی خبر میں زیادت علم ہے جو موجب قطع ویقین ہے۔ بہرحال جبکہ مسلم کی حدیث سے ابن صیّاد کا اسلام ثابت ہے اور ارتداد

ثابت نہیں تو خواہ نخواہ ایک مسلمان کے پیچھے پڑنا اور اس کو دجّال دجّال کر کے پکارنا اور پھر ﴿۴۷۹﴾
اس کی نسبت یہ یقین رکھنا کہ وہی ابن صیّاد یہودی الاصل آخری زمانہ میں پھر کفر کا جامہ پہن
کر اور خدائی کا دعویٰ کر کے خروج کرے گا۔ میرے نزدیک بالکل نامناسب اور ایک مسلمان
بھائی کی ناحق کی غیبت اور بدگوئی ہے جو آیت کریمہ لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ
عِلْمٌ[1] کے تحت میں داخل ہے۔ علاوہ اس کے ابن صیّاد سے اس کی کفر کی حالت میں بھی
کوئی ایسا کام فتنہ اور شرارت کا صادر نہیں ہوا۔ جس سے وہ اپنے وقت میں فتنہ انگیزی میں
بے نظیر سمجھا گیا ہو۔ پھر جب اس کے دل میں لا الٰہ الّا اللّٰہ کا نور داخل ہو گیا اور تصدیق
رسالت نبوی سے اس کا سینہ منوّر کیا گیا تو پھر شک کرنے کی کوئی وجہ بھی باقی نہ رہی۔ بے شک
وہ حدیثیں نہایت حیرت انگیز ہیں جن میں یقین کے طور پر بیان کیا گیا ہے کہ مسیح دجّال یہی
شخص ہے۔ اور اب ہم اُن کی کوئی تاویل نہیں کر سکتے بجز اس کے کہ یہ کہیں کہ جو آخری زمانہ
میں دجّال پیدا ہونے کی خبر دی گئی ہے اس دجّال میں بعض صفات ابن صیّاد کی بھی ہوں گی اور
کفر کی حالت میں جو کچھ مکر و فریب کی ابن صیّاد کو مشق تھی۔ اور جو سیرت غفلت اور دلیری
اور دھوکہ دہی اس میں موجود تھی وہی صفتیں اور خصلتیں اس آنے والے دجّال میں بھی ہوں گی ﴿۴۸۰﴾
گویا وہ اس کا مثیل ہوگا اور اس کے کفر کی حالت کا رنگ اس میں پایا جائے گا۔

لیکن گرجا سے نکلنے والا دجّال جس کے بارے میں امام مُسلم نے اپنی صحیح میں **فاطمہ بنت قیس** سے روایت کی ہے اور جس کو نہایت درجہ کا قوی ہیکل اور زنجیروں سے جکڑا ہوا بیان کیا ہے اور اس کے ایک جساسہ کی بھی خبر لکھی ہے۔ اور یہ دجّال وہ ہے جس کو **تمیم داری** نے کسی جزیرہ کے ایک گرجا میں دیکھا کہ خوب مضبوط بندھا ہوا تھا اور اس کے ہاتھ اس کی گردن کی طرف جکڑے ہوئے تھے اس دجّال پر علماء کی بہت نظر ہے کہ درحقیقت یہی دجّال ہے جو آخری زمانہ میں نکلے گا۔ اور یہ تو کسی کا بھی مذہب نہیں

[1] بنی اسرائیل:۳۷

کہ آخری زمانہ میں دجّال تولّد کے طور پر کسی عورت کے پیٹ سے پیدا ہوگا بلکہ بالاتفاق سلف وخلف یہی کہتے آئے ہیں کہ دجّال معہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھا اور پھر آخری زمانہ میں بڑی قوت کے ساتھ خروج کرے گا۔ اور اب تک وہ زندہ کسی جزیرہ میں موجود ہے۔ مگر یہ خیال کہ اب تک وہ زندہ ہے ہرگز صحیح نہیں ہے۔ **مسلم** کی دو حدیثیں مفصلہ ذیل اس خیال کی بکلّی استیصال کرتی ہیں اور وہ یہ ہیں:۔ ﴿۴۸۱﴾

(۱) عن جابر قال سمعت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قبل ان یموت بشھر تسئلونی عن الساعۃ وانما علمھا عنداللّٰہ واقسم باللہ ماعلی الارض من نفس منفوسۃ یاتی علیھا مائۃ سنۃ وھی حیۃ یومئذٍ رواہ مسلم یعنی روایت ہے جابر سے کہ کہا سُنا میں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے تھے مہینہ بھر پہلے اپنی وفات سے جو تکمیل مقاصدِ دین اور اظہار بقایا اسرار کا وقت تھا کہ تم مجھ سے پوچھتے ہو کہ قیامت کب آئے گی اور بجز خدائے تعالیٰ کے کسی کو اس کا علم نہیں اور میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتا ہوں کہ روئے زمین پر کوئی ایسا نفس نہیں جو پیدا ہو گیا ہو اور موجود ہو اور پھر آج سے سو برس اس پر گذرے اور وہ زندہ رہے۔

(۲) پھر دوسری حدیث صحیح مسلم کی یہ ہے **وعن ابی سعید عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لایاتی مائۃ سنۃ وعلی الارض نفس منفوسۃ رواہ مسلم یعنی** ابوسعید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں آویگی سو برس اس حال میں کہ زمین پر کوئی شخص بھی آج کے لوگوں میں سے زندہ موجود ہو۔

اب اِن دونوں حدیثوں کی رو سے جن میں سے ایک میں ہمارے سید ومولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم بھی کھائی ہے اگر ہم تکلفات سے تاویلیں نہ کریں تو صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ جسّاسہ والا دجّال بھی ابن صیّاد کی طرح فوت ہو گیا ہے۔ اسی کی نسبت علماء کا خیال ہے کہ آخری زمانہ میں نکلے گا اور حال یہ ہے کہ اگر اس کو آج تک زندہ فرض کیا جائے ﴿۴۸۲﴾

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حتمی حدیثوں کی تکذیب لازم آتی ہے اور اس حدیث میں دجّال کا یہ قول انی انا المسیح و انی ان یوشک ان یوذن لی فی الخروج جو زیادہ تر اس کے مسیح دجّال ہونے پر دلالت کرتا ہے بظاہر اس شبہ میں ڈالتا ہے کہ آخری زمانہ میں وہ نکلنے والا ہے۔ لیکن بہت آسانی سے یہ شبہ رفع ہوسکتا ہے جبکہ اس طرح پر سمجھ لیں کہ یہ عیسائی دجّال بطور مورث اعلیٰ کے اس دجّال کے لئے ہے جو عیسائی گروہ میں ہی پیدا ہوگا اور گرجا میں سے ہی نکلے گا۔ اور ظاہر ہے کہ وارث اور موروث کا وجود ایک ہی حکم رکھتا ہے اور ممکن ہے کہ اس بیان میں استعارات ہوں اور زنجیروں سے مراد وہ موانع ہوں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عیسائی واعظوں کو روک رہے تھے اور وہ مجبور ہو کر گویا ایک جگہ بند تھے۔ اور یہ اشارہ ہو کہ آخری زمانہ میں بڑی قوت کے ساتھ ان کا خروج ہوگا جیسا کہ آج کل ہے۔ اس جگہ یہ بھی یاد رہے کہ حدیث مذکورہ بالا میں اس دجال نے خدائی کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ فقرہ وانی یوشک ان یوذن لی صاف دلالت کر رہا ہے کہ دجّال کو خدائے تعالیٰ کے وجود کا اقرار ہے۔ اور حدیثوں میں کوئی ایسا لفظ پایا نہیں جاتا جس سے معلوم ہو کہ جساسہ والا دجّال اپنے آخری ظہور کے وقت میں بالجہر خالق السمٰوٰت والارض ہونے کا دعویٰ کرے گا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ تکبّر کی راہ سے خداوند خداوند کہلائے گا جیسے اُن لوگوں کا طریقہ ہوتا ہے جو خدائے تعالیٰ کو بکلّی فراموش کر دیتے ہیں اور اس کی پرستش اور اطاعت سے کچھ غرض نہیں رکھتے اور چاہتے ہیں کہ لوگ ان کو ربّی ربّی کہیں یعنی خداوند خداوند کر کے پکاریں اور ایسی اُن کی اطاعت کریں جیسی خدائے تعالیٰ کی کرنی چاہیئے۔ اور یہی بدمعاشی اور غفلت کا اعلیٰ درجہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی تحقیر دل میں بیٹھ جائے۔ مثلاً ایک ایسا امیر ہے کہ نماز پڑھنے سے منع کرتا ہے کہ واہیات کام ہے اس سے کیا فائدہ۔ اور روزہ پر ٹھٹھا کرتا ہے۔ اور خدائے تعالیٰ کی عظمت کو کچھ بھی چیز نہیں سمجھتا اور اس کی آسمانی تقدیروں کا قائل نہیں بلکہ اپنی تدبیروں اور مکروں کو تمام کامیابیوں کا مدار سمجھتا ہے اور چاہتا ہے کہ لوگ

﴿۴۸۳﴾ ﴿۴۸۴﴾

ایسے اُس کے آگے جھکیں جیسے خدائے تعالیٰ کے آگے جھکنا چاہیئے اور خدائے تعالیٰ کی فرمانبرداری پر چڑ تا ہے اور اس کے احکام کو ذلیل اور خوار سمجھتا ہے اور اپنے احکام کو قابل عزت خیال کرتا ہے اور اپنی اطاعت کو خدائے تعالیٰ کی اطاعت پر مقدّم رکھنا چاہتا ہے وہ حقیقت میں خدائی کا دعویٰ کر رہا ہے۔ اگرچہ قال سے نہیں مگر حال سے ضرور یہ دعویٰ اُس سے صادر ہوتا ہے بلکہ قال سے بھی دعویٰ کرتا ہے کیونکہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کو خداوند خداوند کہیں۔ سو اسی قسم کا دجّال کا دعویٰ معلوم ہوتا ہے۔

اس تمام تقریر سے معلوم ہوا کہ مسیح ابن مریم کے مثیل کی طرح دجال کا بھی مثیل ہی آنے والا ہے یعنی ایسا گروہ جو باعتبار اپنی سیرت و خاصیت کے پہلے دجّال کا ہمرنگ ہو۔ لیکن اس طرز تقریر کے اختیار کرنے میں کہ مثیل مسیح اُترے گا اور مثیل دجّال خروج کرے گا یہ حکمت ہے تا ظاہر کیا جائے کہ دجّال کا آنا بطور بلا وابتلا کے ہوگا اور مسیح کا آنا بطور ایسی نعمت کے جو بارادۂ خاص الٰہی مومنوں کی نصرت کے لئے نازل ہوتی ہے جیسا کہ قرآن شریف میں ہے کہ ﴿۴۸۵﴾ ہم نے تمہارے لئے لوہا اُتارا اور تمہارے لئے مویشی اُتارے یعنی تمہارے فائدہ کے لئے بطور رحمت یہ چیزیں پیدا کیں۔ اور یہ بھی ہے کہ جو چیز زمین سے نکلتی ہے وہ ظلمت اور کثافت رکھتی ہے اور جو اُوپر سے آتی ہے اس کے ساتھ نور و برکت ہوتی ہے اور نیز اُوپر سے آنے والی نیچے والی پر غالب ہوتی ہے۔ غرض جو شخص آسمانی برکتیں اور آسمانی نور ساتھ رکھتا ہے اُس کے آنے کے لئے نزول کا لفظ مناسب حال ہے اور جس کے وجود میں زمینی ظلمت اور خبث اور کدورت بھری ہوئی ہے اس کے ظہور کے لئے خروج کا لفظ مناسبت رکھتا ہے۔ کیونکہ نورانی چیزیں آسمان سے ہی نازل ہوتی ہیں جو ظلمت پر فتح پاتی ہیں۔ اب اس تحقیق سے ظاہر ہو گیا کہ جیسے مثیل مسیح کو مسیح ابن مریم کہا گیا اس امر کو نظر میں رکھ کر کہ اس نے مسیح ابن مریم کی روحانیت کو لیا اور مسیح کے وجود کو باطنی طور پر قائم کیا۔ ایسا ہی وہ دجّال جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فوت ہو چکا ہے اس کی ظل اور مثال نے اِس

آخری زمانہ میں اس کی جگہ لی اور گرجا سے **نکل کر مشارق ومغارب میں پھیل گیا** اس تقریر سے
مثلیت کا محاورہ اور بھی ثابت ہوتا ہے۔ جو دونوں طور کے مسیحوں طیّب وخبیث میں دائر وسائر ﴿۴۸۶﴾
ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ حدیثوں میں تو صرف اتنا لفظ آیا ہے کہ مسیح ابن مریم اُترے گا اور
دجّال خروج کرے گا پھر ان دونوں کے ساتھ مثیل کا لفظ کیوں ملایا جاتا ہے۔ کیا یہ الحاد نہیں
ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بعد اس کے کہ ہم نصوص قطعیہ بیّنہ سے ثابت کر چکے ہیں کہ
حضرت مسیح ابن مریم جن پر انجیل نازل ہوئی تھی وفات پا چکے ہیں اور ایسا ہی دجّال بھی فوت
ہو چکا۔ اور اُن کے زندہ ہونے کا کوئی ذکر قرآن کریم اور احادیث میں موجود نہیں۔ بلکہ آیات
بیّنہ اُن کے دنیا میں واپس آنے سے سخت انکار کرتی ہیں۔ تو اس صورت میں اگر ہم آنے
والے مسیح اور دجّال سے اُن کے مثیل مراد نہ لیں تو اور کیا کریں۔ ہاں اگر حدیثوں میں یہ لفظ
وارد ہوتے کہ وہ مسیح ابن مریم جو فوت ہو چکا ہے جس پر انجیل نازل ہوئی تھی اور وہ دجّال جو
جزیرہ میں مقیّد تھا جس کے ساتھ جساسہ تھے وہی دونوں زندہ ہو کر آخری زمانہ میں آجائیں
گے تو پھر تاویل کی گنجائش نہ ہوتی۔ مگر اب تاویل نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے اور
چونکہ بحکم **علماء امّتی کانبیاء بنی اسرائیل** ابن مریم کے نام پر کوئی آنا چاہیئے تھا
اور آنا بھی وہ چاہیئے تھا جو درحقیقت اُمّتی ہو نہ کہ حقیقی طور پر نبی۔ لہٰذا یہ ضروری تھا کہ
ابن مریم کی جگہ کوئی ایسا اُمّتی ظاہر ہو جو خدائے تعالیٰ کے نزدیک ابن مریم کے رنگ
میں ہے۔ سو خدائے تعالیٰ نے مسیح ابن مریم کا مثیل عین وقت میں بھیج کر اُسی مثیل کی
معرفت مسیح ابن مریم کا فی الواقعہ فوت ہو جانا ظاہر کر دیا اور سب دلائل اس کے کھول ﴿۴۸۷﴾
دئے۔ اگر خدانخواستہ سچ مچ فرقان کریم میں لکھا ہوتا کہ مسیح برخلاف اس سُنّت اللہ کے
جو تمام بنی آدم کے لئے جاری ہے زندہ آسمان کی طرف اُٹھایا گیا اور قیامت کے قریب
تک زندہ ہی رہے گا تو عیسائیوں کو بڑے بڑے سامان بہکانے کے ہاتھ آجاتے۔ سو
بہت ہی خوب ہوا کہ عیسائیوں کا خدا فوت ہو گیا اور یہ حملہ ایک برچھی کے حملہ سے

کم نہیں جو اس عاجز نے خدائے تعالیٰ کی طرف سے مسیح ابن مریم کے رنگ میں ہو کر اِن دجّال سیرت لوگوں پر کیا ہے جن کو پاک چیزیں دی گئی تھیں مگر انہوں نے ساتھ اس کے پلید چیزیں ملا دیں اور وہ کام کیا جو دجّال کو کرنا چاہیئے تھا۔

اٰب یہ سوال بھی قابل حل ہے کہ مسیح ابن مریم تو دجّال کے لئے آئے گا آپ اگر مسیح ابن مریم کے رنگ میں ہو کر آئے ہیں تو آپ کے مقابل پر دجّال کون ہے؟ اس سوال کا جواب میری طرف سے یہ ہے کہ گو میں اس بات کو تو مانتا ہوں کہ ممکن ہے کہ میرے بعد کوئی اور مسیح ابن مریم بھی آوے اور بعض احادیث کی رو سے وہ موعود بھی ہو اور کوئی ایسا دجّال بھی آوے جو مسلمانوں میں فتنہ ڈالے۔ مگر میرا مذہب یہ ہے کہ اس زمانہ کے پادریوں کی مانند کوئی اب تک دجّال پیدا نہیں ہوا اور نہ قیامت تک پیدا ہوگا۔ **مسلم** کی حدیث میں ہے **وعن عمران بن حصین قال سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول ما بین خلق اٰدم الیٰ قیام الساعۃ امر اکبر من الدجّال یعنی** عمران ابن حصین سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیدائش آدم سے قیامت تک کوئی امر فتنہ اور ابتلاء کے رو سے دجّال کے وجود سے بڑھ کر نہیں۔ اب اوّل تو یاد رکھنا چاہیئے کہ لغت میں دجّال جھوٹوں کے گروہ کو کہتے ہیں جو باطل کو حق کے ساتھ مخلوط کر دیتے ہیں اور خلق اللہ کے گمراہ کرنے کے لئے مکر اور تلبیس کو کام میں لاتے ہیں۔ اب میں دعویٰ کے ساتھ کہتا ہوں کہ مطابق منشاء مسلم کی حدیث کے جو ابھی میں بیان کر آیا ہوں اگر ہم حضرت آدم کی پیدائش سے آج تک بذریعہ ان تمام تحریری وسائل کے جو ہمیں ملے ہیں دنیا کے تمام ایسے لوگوں کی حالت پر نظر ڈالیں جنہوں نے دجالیت کا اپنے ذمہ کام لیا تھا تو اس زمانہ کے پادریوں کی دجّالیت کی نظیر ہرگز ہم کو نہیں ملے گی۔ انہوں نے ایک موہومی اور فرضی مسیح اپنی نظر کے سامنے رکھا ہوا ہے جو بقول اُن کے زندہ ہے

﴿۴۸۸﴾ ﴿۴۸۹﴾

اور خدائی کا دعویٰ کر رہا ہے۔ سو حضرت مسیح ابن مریم نے خدائی کا دعویٰ ہرگز نہیں کیا۔ یہ لوگ خود اس کی طرف سے وکیل بن کر خدائی کا دعویٰ کر رہے ہیں اور اس دعویٰ کے سرسبز کرنے کے لئے کیا کچھ انہوں نے تحریفیں نہیں کیں۔ اور کیا کچھ تلبیس کے کام استعمال میں نہیں لائے اور مکہ اور مدینہ چھوڑ کر اَور کونسی جگہ ہے جہاں یہ لوگ نہیں پہنچے۔ کیا کوئی دھوکہ دینے کا کام یا گمراہ کرنے کا منصوبہ یا بہکانے کا کوئی طریقہ ایسا بھی ہے جو اُن سے ظہور میں نہیں آیا۔ کیا یہ سچ نہیں کہ یہ لوگ اپنے دجالانہ منصوبوں کی وجہ سے ایک عالم پر دائرہ کی طرح محیط ہو گئے ہیں۔ ﴿۴۹۰﴾ جہاں یہ لوگ جائیں اور جہاں اپنا مشن قائم کریں ایک عالم کو تہ و بالا کر دیتے ہیں۔ دولتمند اس قدر ہیں کہ گویا دنیا کے تمام خزانے اُن کے ساتھ ساتھ پھرتے ہیں اگرچہ **گورنمنٹ انگریزی** کو مذاہب سے کچھ سروکار نہیں اپنے شاہانہ انتظام سے مطلب ہے مگر درحقیقت پادری صاحبوں کی بھی ایک الگ گورنمنٹ ہے جو بے شمار روپے کی مالک اور گویا تمام دنیا میں اپنا تار و پود پھیلا رہی ہے اور ایک قسم کا جنت اور جہنّم اپنے ساتھ ساتھ لئے پھرتے ہیں۔ جو شخص اُن کے مذہب میں آنا چاہتا ہے اس کو وہ جنت دکھلایا جاتا ہے اور جو شخص اُن کا اشدّ مخالف ہو جائے اس کے لئے جہنم کی دھمکی ہے۔ ان کے گھر میں روٹیاں بہت ہیں گویا ایک پہاڑ روٹیوں کا جس جگہ رہیں ساتھ رہتا ہے۔ اور اکثر شکم بندہ لوگ اُن کی سفید سفید روٹیوں پر مفتون ہو کر ربنا المسیح کہنا شروع کر دیتے ہیں۔ مسیح دجّال کی کوئی بھی ایسی علامت نہیں جو اُن میں نہ پائی جائے۔ ایک وجہ سے یہ مُردوں کو بھی زندہ کرتے ہیں اور زندوں کو مارتے ہیں (سمجھنے والا سمجھ لے) اور اس میں تو شک نہیں کہ اُن کی آنکھ ایک ہی ہے جو بائیں ہے اگر اُن کی دائیں آنکھ موجود ہوتی تو یہ لوگ خدائے تعالیٰ سے ڈرتے اور خدائی کے دعوے سے ﴿۴۹۱﴾ باز آتے۔ بے شک یہ بھی سچ ہے کہ پہلی کتابوں میں اس قوم دجال کا ذکر ہے حضرت مسیح ابن مریم نے بھی انجیل میں بہت ذکر کیا ہے پہلے صحیفوں میں بھی جابجا ان کا ذکر پایا جاتا ہے۔ بلاشبہ ایسا ہی چاہیئے تھا کہ ہر یک نبی اس مسیح دجّال کے آنے کی پہلے سے خبر دیتا۔ سو ہر یک نے

تصریحًا یا اجمالاً ، اشارتًا یا کنایتًا خبر دی ہے۔حضرت نوح سے لے کر ہمارے سیّد و مولیٰ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک تک اس مسیح دجّال کی خبر موجود ہے جس کو میں دلائل کے ساتھ ثابت کرسکتا ہوں۔

اور جس قدر اسلام کو اِن لوگوں کے ہاتھ سے ضرر پہنچا ہے اور جس قدر انہوں نے سچائی اور انصاف کا خون کیا ہے اِن تمام خرابیوں کا کون اندازہ کرسکتا ہے۔ہجرت مقدّسہ کی تیرھویں صدی سے پہلے ان تمام فتنوں کا نام و نشان نہ تھا اور جب تیرھویں صدی کچھ نصف سے زیادہ گذر گئی تو یکدفعہ اس دجّالی گروہ کا خروج ہوا اور پھر ترقی ہوتی گئی یہاں تک کہ اس صدی کے اواخر میں
﴿۴۹۲﴾ بقول پادری ہیکر صاحب پانچ لاکھ تک صرف ہندوستان میں ہی کرسٹان شدہ لوگوں کی نوبت پہنچ گئی اور اندازہ کیا گیا کہ قریبًا بارہ سال میں ایک لاکھ آدمی عیسائی مذہب میں داخل ہوجاتا ہے جو ایک عاجز بندہ کو خدا خدا کرکے پکارتا ہے اس بات سے کوئی دانا بےخبر نہیں کہ ایک جماعت کثیر اسلام کی یا یوں کہو کہ اسلام کے بھوکوں اور ننگوں کا ایک گروہ پادری صاحبوں نے صرف روٹیاں اور کپڑے دکھلا کر اپنے قبضہ میں کرلیا ہے اور جو روٹیوں کے ذریعہ سے قابو نہ آئے وہ عورتوں کے ذریعہ سے اپنے پنجہ میں کئے گئے اور جو اس طرح پر بھی دام میں پھنس نہ سکے اُن کے لئے مُلحد اور بے دین کرنے والا فلسفہ پھیلایا گیا جس میں آج لاکھوں نَوخیز بچے مسلمانوں کے گرفتار اور مبتلا پائے جاتے ہیں جو نماز پر ہنستے اور روزہ کو ٹھٹھے سے یاد کرتے اور وحی الٰہی کو ایک خواب پریشان خیال کرتے ہیں۔اور جو لوگ اس لائق بھی نہیں تھے کہ انگریزی فلسفہ کی تعلیم پاویں اُن کے لئے بہت سے بناوٹی قصّے جو محض پادری صاحبوں کے بائیں ہاتھ کا کرتب تھا جن میں کسی تاریخ یا
﴿۴۹۳﴾ کہانی کے پیرایہ میں ہجوِ اسلام درج تھی عام طور پر شائع کردئے گئے اور پھر اسلام کے ردّ میں اور ہمارے سیّد و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب میں بے شمار کتابیں تالیف کرکے اِن لوگوں نے ایک دنیا میں مفت تقسیم کیں اور اکثر کتابوں کے بہت سی زبانوں میں ترجمے

کر کے شائع کئے۔ رسالہ فتح اسلام کے ۴۶ صفحہ کے حاشیہ کو پڑھ کر دیکھو کہ اکیس سال میں اِن لوگوں نے اپنے پُرتلبیس خیالات کے پھیلانے کے لئے سات کروڑ سے کچھ زیادہ کتابیں مفت تقسیم کی ہیں تا کسی طرح اسلام سے لوگ دستبردار ہو جائیں اور حضرت مسیح کو خدا مان لیا جائے۔ **اللہ اکبر اگر اب بھی ہماری قوم کی نظر میں یہ لوگ اوّل درجہ کے دجّال نہیں اور ان کے الزام کے لئے ایک سچے مسیح کی ضرورت نہیں تو پھر اس قوم کا کیا حال ہوگا۔**

دیکھو! اے غافلو دیکھو!! کہ اسلامی عمارت کے مسمار کرنے کے لئے کس درجہ کی یہ کوشش کر رہے۔ اور کس کثرت سے ایسے وسائل مہیّا کئے گئے ہیں اور اُن کے پھیلانے میں اپنی ﴿۴۹۴﴾ جانوں کو بھی خطرہ میں ڈال کر اور اپنے مال کو پانی کی طرح بہا کر وہ کوششیں کی ہیں کہ انسانی طاقتوں کا خاتمہ کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ نہایت شرمناک ذریعے اور پاکیزگی کے برخلاف منصوبے اس راہ میں ختم کئے گئے اور سچائی اور ایمانداری کے اُڑانے کے لئے طرح طرح کی سرنگیں طیار کی گئیں اور اسلام کے مٹا دینے کے لئے جھوٹ اور بناوٹ کی تمام باریک باتیں نہایت درجہ کی جانکاہی سے پیدا کی گئیں۔ ہزار ہا قصے اور مباحثات کی کتابیں محض افترا کے طور پر اور محض اس غرض سے بنائی گئیں۔ تا اگر اور طریق سے نہیں تو اسی طریق سے دلوں پر بد اثر پڑے۔ کیا کوئی ایسا رہزنی کا طریق ہے جو ایجاد نہیں کیا گیا؟۔ کیا کوئی ایسی سبیل گمراہ کرنے کی باقی ہے جس کے یہ مُوجد نہیں؟ پس ظاہر ہے کہ یہ کرسچن قوموں اور تثلیث کے حامیوں کی جانب سے وہ ساحرانہ کارروائیاں ہیں اور سحر کے اس کامل درجہ کا نمونہ ہے جو بجُز اوّل درجہ کے دجّال کے جو **دجّال معہود** ہے اور کسی سے ظہور پذیر نہیں ہو سکتیں۔ لہٰذا انہیں لوگوں کو جو پادری صاحبوں کا گروہ ہے دجّال معہود ماننا پڑا۔ اور جبکہ ہم دنیا کے اس ﴿۴۹۵﴾ اکثر حصّہ کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھتے ہیں جو گذر چکا تو ہماری نظر اس استقرائی شہادت کو ساتھ لے کر عود کرتی ہے کہ زمانہ کے سلسلہ گذشتہ میں جہاں تک پتہ مل سکتا ہے دجّالیت کی صفت

اوراس کی کامیابیوں میں کوئی اِن لوگوں کا نظیر نہیں اوران کے ان ساحرانہ کاموں میں کوئی ان کے مساوی نہیں۔ اور چونکہ احادیث صحیحہ میں دجال معہود کی یہی علامت لکھی ہے کہ وہ ایسے فتنے برپا کرے گا کہ جہاں تک اس وقت سے ابتدائے دنیا کے وقت تک نظر ڈالیں اس کا نظیر نہیں ملے گا لہٰذا اس بات پر قطع اور یقین کرنا چاہیئے کہ وہ **مسیح دجّال جو گرجا سے نکلنے والا ہے یہی لوگ ہیں** جن کے سحر کے مقابل پر معجزہ کی ضرورت تھی۔ اور اگر انکار ہے تو پھر زمانہ گذشتہ کے دجّالین میں سے ان کی نظیر پیش کرو۔

اب یہ سوال جو کیا جاتا ہے کہ ضرور ہے کہ مسیح ابن مریم سے پہلے دجّال آ گیا ہو۔ اس کا جواب ظاہر ہو گیا اور بپایہ ثبوت پہنچ گیا کہ مسیح دجّال جس کے آنے کی انتظار تھی یہی پادریوں کا گروہ ہے جو ٹڈی کی طرح دنیا میں پھیل گیا ہے۔ سوائے بزرگو! دجّال معہود یہی ہے جو آ چکا مگر تم نے اُسے شناخت نہیں کیا۔ ہاتھ میں ترازو لو اور وزن کر کے دیکھو کہ کیا ان سے بڑھ کر کوئی اور ایسا دجّال آنا ممکن ہے جو فریبوں میں ان سے زیادہ ہو۔ اس دجّال کے لئے جو تمہارے وہم میں ہے تم لوگ بار بار یہ حدیث پیش کرتے ہو کہ اس قدر اس کا بڑا فتنہ ہو گا کہ ستر ہزار مسلمان اس کا معتقد ہو جائے گا۔ لیکن اس جگہ تو لاکھوں آدمی دین اسلام کو چھوڑ گئے اور چھوڑتے جاتے ہیں تمہاری عورتیں، تمہارے بچے، تمہارے پیارے دوست، تمہارے بڑے بڑے بزرگوں اور ولیوں کی اولاد، تمہارے بڑے بڑے خاندانوں کے آدمی اس دجّالی مذہب میں داخل ہوتے جاتے ہیں۔ کیا یہ اسلام کے لئے سخت ماتم کی جگہ نہیں۔ سوچ کر دیکھو کہ کس قدر ان لوگوں کے فتنوں نے دامن پھیلا رکھا ہے اور کس قدر ان لوگوں کی کوششیں انتہاء تک پہنچ گئی ہیں کیا کوئی ایسا بھی دقیقہ فریب اور مکر کا ہے جو انہوں نے رہزنی کے لئے استعمال نہیں کیا۔ کروڑ ہا کتابیں اسی غرض سے ملکوں میں پھیلائیں۔ ہزار ہا واعظ اور منّاد اسی غرض کے لئے جا بجا چھوڑ دئے۔ کروڑ ہا روپیہ اسی راہ میں خرچ ہو رہا ہے۔ نہایت دشوار گزار راہوں سے پُر خطر پہاڑوں اور یاغستان کے ملک

(margin: ﴿۴۹۶﴾ ﴿۴۹۷﴾)

اور کافرستان کے وحشی لوگوں اور افریقہ کے جنگلی آدمیوں کے پاس جاتے ہیں اور اسی غرض سے ہمیشہ خشکی اور تری کا سفر کرتے رہتے ہیں تا کسی شخص کو اپنے دام میں لاویں۔ حضرت آدم سے آج تک جو متفرق طور پر گمراہ کرنے کے لئے لوگوں نے فریب کئے ہیں اِن مشنوں میں اُن تمام کا مجموعہ پایا جاتا ہے۔ کوئی شخص اگر ایک سال تک سوچتا رہے اور گمراہ کرنے کے جدید جدید فریب نکالے تو آخر جب غور کر کے دیکھے گا تو وہ سب فریب ان مشنوں میں پائے گا۔ بہت جگہ ان لوگوں نے ڈاکٹری عہدے بھی حاصل کئے ہیں تا اگر اور نہیں تو مصیبت زدہ بیمار ہی قابو آویں۔ بہت سا غلّہ اس غرض سے خریدا جاتا ہے کہ تا اگر قحط پڑے تو قحط زدہ لوگوں کو وہ غلّہ مفت دیا جاوے اور کچھ وعظ بھی سُنا دیا جائے۔ اکثر جگہ دیکھا گیا ہے کہ اتوار کے دن پادری صاحبان کا خیرات خانہ کھلتا ہے اور بہت سے مسکین اکٹھے ہو جاتے ہیں اور مناسب وقت کچھ کچھ وعظ کے طور پر اُن کو سُنا کر پھر پیسے ٹکے اُن کو دئے جاتے ہیں۔ بہت سی ایسی ﴿۴۹۸﴾ مِسّوں نے جو پادری کا منصب رکھتی ہیں دونوں وقت لوگوں کے گھروں میں پھرنا اختیار کر رکھا ہے اور اشرافوں کی لڑکیوں کو سینا پرونا اور کئی قسم کا سوئی کا کام سکھلاتی ہیں اور رہزنی کے لئے آلۂ نقب بھی بغل میں ہوتا ہے موقعہ پر وہ حربہ بھی چلایا جاتا ہے۔ چنانچہ کئی جوان لڑکیاں اچھے اچھے خاندانوں کی سیّد اور شیخ اور مغل اور نوابوں اور شہزادوں کی اولاد دکھلا کر پھر مِس صاحبوں کی کوششوں سے عیسائی جماعت میں جا ملی ہیں۔ اور جن مستورہ اور شریفہ عورتوں نے کبھی مدت العمر غیر آدمی کی شکل بھی نہ دیکھی تھی اب وہ عیسائی ہو کر نامحرموں کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر پھرتی ہیں۔ پاک محبت کے خیال سے نامحرم اگر بوسہ بھی لے لیں تو کچھ بُرا نہیں سمجھا جاتا۔ اور یا تو انہوں نے کبھی شراب کا نام بھی نہ سُنا تھا اور یا اس خبیث عرق کی دن رات خُوب مشق ہو رہی ہے اور **برانڈی، شیری، وہسکی، رَم، پوٹ، وائن** وغیرہ شرابوں کے نام نوک زبان ہو رہے ہیں۔ اسی طرح ہزار ہا لاوارث بچے مسلمانوں کے اُن لوگوں کے قبضہ میں آکر اور اُن کے تلبیسات کی تعلیم پا کر اب پکّے دشمن ﴿۴۹۹﴾

اسلام کے نظر آتے ہیں کیا کوئی فتنہ اندازی کا کام خیال میں آسکتا ہے جو ان لوگوں نے نہیں کیا۔ کیا دین اسلام کے مٹانے والی تدبیریں کوئی ایسی بھی باقی رہ گئی ہیں جو ان کے ہاتھ سے ظہور میں نہیں آئیں۔ اب انصاف کرنا چاہیئے کہ جس حالت میں دنیا کی ابتدا سے آج تک تلبیس کے تمام کاموں میں اور دجّالیت کے تمام طریقوں میں انہیں لوگوں کا نمبر سب سے اوّل معلوم ہوتا ہے اور اِس قسم کی وبا کے پھیلانے میں دنیا کے صفحہ میں اول سے آج کے دن تک کوئی نظیر ان کی معلوم نہیں ہوتی اور ان لوگوں کی زہرناک تاثیروں نے بعض لوگوں کو تو پورے طور پر ہلاک کر دیا ہے۔ اور بعض کا مفلوج کی طرح نصف حصہ بیکار کر دیا ہے اور بعض کے خون میں جذامیوں کی طرح فساد ڈال دیا ہے۔ جن کے چہروں پر بڑے بڑے داغ جذام کے نظر آتے ہیں اور بعض کی آنکھوں پر ایسا ہاتھ پھیر دیا ہے کہ اب اُن کو کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ اور نو کرسٹانوں کی ذرّیت کے پھیلنے کی وجہ سے مادر زاد اندھوں کی بھی جماعت بڑھتی
﴿۵۰۰﴾ جاتی ہے اور کروڑہا تیرہ طبع لوگوں میں ناپاک روحیں شور کر رہی ہیں۔ غرض اس وبا پھیلانے والی ہوا کی وجہ سے ایسا زمانہ آگیا ہے کہ کروڑہا جذامی اور کروڑہا مادر زاد اندھے اور کروڑہا مفلوج اور کروڑہا مُردوں کی لاشیں سڑی گلی ہوئی نظر آرہی ہیں۔ **اب پھر مَیں کہتا ہوں کہ کیا اُن کے لئے کوئی مسیح ابن مریم مُحی اموات نہیں آنا چاہیئے تھا جس حالت میں ایسا مسیح دجّال آگیا تو کیا مسیح ابن مریم نہ آتا؟**

اب یہ شبہات پیش کئے جاتے ہیں کہ دجّال دائیں آنکھ سے کانا ہوگا اور یاجوج ماجوج اسی زمانہ میں ظہور کریں گے اور دابۃ الارض بھی آئے گا اور دُخان بھی اور طلوع شمس مغرب کی طرف سے ہوگا اور امام محمد مہدی بھی اس وقت ظہور کرے گا اور دجّال کے ساتھ بہشت اور دوزخ ہوگا اور زمین کے خزانے بھی اس کے ساتھ ہوں گے اور ایک پہاڑ
﴿۵۰۱﴾ روٹیوں کا بھی ساتھ ہوگا۔ اور ایک گدھا بھی ہوگا اور دجّال اپنے شعبدے دکھائے گا اور آسمان اور زمین دونوں اس کے حکم میں ہوں گے جس قوم پر چاہے بارش نازل کرے

اور جس قوم کو چاہے خشک سالی سے ہلاک کردے۔ اور انہیں دنوں میں قومیں یاجوج اور ماجوج کی ترقی پر ہوں گی اور زمین کو دباتی چلی جاویں گی اور ہر یک بلند زمین سے دوڑے گی اور دجّال ایک جسیم آدمی سُرخ رنگ ہوگا۔ یہ تمام علامتیں اب کہاں پائی جاتی ہیں۔

اِن شبہات کا ازالہ اس طرح پر ہے کہ یک چشم سے مراد درحقیقت یک چشم نہیں۔ اللہ جلَّ شَانُہٗ قرآن کریم میں فرماتا ہے وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى [1] کیا اس جگہ نابینائی سے مراد جسمانی نابینائی ہے بلکہ روحانی نابینائی مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ دجّال میں دینی عقل نہیں ہوگی اور گو دنیا کی عقل اس میں تیز ہوگی اور ایسی حکمتیں ایجاد کرے گا اور ایسے عجیب کام دکھلائے گا کہ گویا خدائی کا دعویٰ کر رہا ہے لیکن دین کی آنکھ بالکل نہیں ہوگی۔ جیسے آج کل یورپ اور امریکہ کے لوگوں کا حال ہے کہ دنیا کی تدبیروں کا انہوں نے خاتمہ کر دیا ہے۔ اور حدیث میں جو کَـاَنِّـی کا لفظ موجود ہے وہ بھی دلالت کر رہا ہے جو یہ ایک کشفی امر اور لائق تعبیر ہے جیسا کہ ملاّ علی قاری نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اور یاجوج ماجوج کی نسبت تو فیصلہ ہو چکا ہے جو یہ دنیا کی دو بلند اقبال قومیں ہیں جن میں سے ایک انگریز اور دوسرے روس ہیں۔ یہ دونوں قومیں بلندی سے نیچے کی طرف حملہ کر رہی ہیں یعنی اپنی خداداد طاقتوں کے ساتھ فتحیاب ہوتی جاتی ہیں۔ مسلمانوں کی بدچلنیوں نے مسلمانوں کو نیچے گرادیا۔ اور اُن کی تہذیب اور متانت شعاری اور ہمت اور اُلوالعزمی اور معاشرت کے اعلیٰ اصولوں نے بحکم و مصلحت قادر مطلق ان کو اقبال دے دیا۔ ان دونوں قوموں کا بائبل میں بھی ذکر ہے۔ ﴿۵۰۲﴾

اور دآبۃ الارض سے مراد کوئی لایعقل جانور نہیں بلکہ بقول حضرت علی رضی اللہ عنہ آدمی کا نام ہی دآبۃ الارض ☆ ہے۔ اور اس جگہ لفظ دآبۃ الارض سے ایک ایسا طائفہ انسانوں کا

☆نوٹ: آثار القیامہ میں لکھا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجھہ سے پوچھا گیا کہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ دآبۃ الارض آپ ہی ہیں تب آپ نے جواب دیا کہ دآبۃ الارض میں تو کچھ چارپایوں اور کچھ پرندوں کی بھی مشابہت ہوگی۔ مجھ میں وہ کہاں ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ دآبۃ الارض اسم جنس ہے جس سے ایک طائفہ مراد ہے۔ منہ

[1] بنی اسرائیل:۷۳

مراد ہے جو آسمانی روح اپنے اندر نہیں رکھتے لیکن زمینی علوم و فنون کے ذریعہ سے منکرین اسلام کو لاجواب کرتے ہیں اور اپنا علم کلام اور طریق مناظرہ تائید دین کی راہ میں خرچ کر کے بجان و دل خدمت شریعت غرّا بجالاتے ہیں۔ سو وہ چونکہ درحقیقت زمینی ہیں آسمانی نہیں۔ اور آسمانی روح کامل طور پر اپنے اندر نہیں رکھتے اس لئے **دآبۃ الارض** کہلاتے ہیں اور چونکہ «۵۰۳» کامل تزکیہ نہیں رکھتے اور نہ کامل وفاداری۔ اس لئے چہرہ اُن کا انسانوں کا ہے مگر بعض اعضاء اُن کے بعض دوسرے حیوانات سے مشابہ ہیں۔ اسی کی طرف اللہ جلّ شانُہٗ اشارہ فرماتا ہے وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ[1] یعنی جب ایسے دن آئیں گے جو کفار پر عذاب نازل ہو اور ان کا وقت مقدّر قریب آجائے گا تو ہم ایک گروہ دابۃ الارض کا زمین میں سے نکالیں گے وہ گروہ متکلمین کا ہوگا جو اسلام کی حمایت میں تمام ادیان باطلہ پر حملہ کرے گا یعنی وہ علماء ظاہر ہوں گے جن کو علم کلام اور فلسفہ میں یدِطولیٰ ہوگا۔ وہ جابجا اسلام کی حمایت میں کھڑے ہو جائیں گے اور اسلام کی سچائیوں کو استدلالی طور پر مشارق مغارب میں پھیلائیں گے اور اس جگہ اَخْرَجْنَا کا لفظ اس وجہ سے اختیار کیا کہ آخری زمانہ میں اُن کا خروج ہوگا نہ حدوث یعنی تخمی طور پر یا کم مقدار کے طور پر تو پہلے ہی سے تھوڑے بہت ہر یک زمانہ میں وہ پائے جائیں گے لیکن آخری زمانہ میں بکثرت اور نیز اپنے کمال لائق کے ساتھ پیدا ہوں گے «۵۰۴» اور حمایت اسلام میں جابجا واعظین کے منصب پر کھڑے ہو جائیں گے اور شمار میں بہت بڑھ جائیں گے۔

واضح ہو کہ یہ خروج کا لفظ قرآن شریف میں دوسرے پیرایہ میں یاجوج ماجوج کے لئے بھی آیا ہے اور دخان کے لئے بھی قرآن شریف میں ایسا ہی لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ جس کے معنوں کا ماحصل خروج ہی ہے اور دجّال کے لئے بھی حدیثوں میں یہی خروج کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ سو اس لفظ کے استعمال کرنے کی وجہ یہ ہے تا اس بات کی طرف

[1] النمل:۸۳

اشارہ ہو کہ یہ چیزیں جو آخری زمانہ میں ظہور پذیر ہوں گی وہ ابتدائی زمانوں میں بکلّی معدوم نہیں ہوں گی بلکہ اپنے وجود نوعی یا مثالی کے ساتھ جو آخری وجود کا ہمرنگ اور مماثل ہوگا پہلے بھی بعض افراد میں ان کا وجود متحقق ہوگا لیکن وہ وجود ایک ضعف اور کمزوری اور ناکامی کی حالت میں ہوگا۔ مگر دوسرا وجود جس کو خروج کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اس میں ایک جلالی حالت ہوگی یعنی پہلے وجود کی طرح ضعف اور کمزوری نہیں ہوگی اور ایک طاقت کے ساتھ اس کا ظہور ہوگا جس کے اظہار کے لئے خروج کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اِسی بنا پر مسلمانوں میں یہ خیال چلا آتا ہے کہ مسیح دجّال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے موجود ہے اور پھر اُن ﴿۵۰۵﴾
کے خیالات میں ایسی غلطی پک گئی ہے کہ ابتک مسیح ابن مریم کی طرح اس کو زندہ سمجھا ہوا ہے۔ جو کسی جزیرہ میں مقید اور جکڑا ہوا ہے اور اس کی جساسہ بھی اب تک زندہ ہے جو اس کو خبریں پہنچا رہی ہے افسوس کہ یہ لوگ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں غلط فہمی کر کے کیسی مصیبتوں میں پھنس گئے۔ ایسا ہی یہ لوگ یاجوج ماجوج کو بھی وجود شخصی کے ساتھ زندہ سمجھتے ہیں یعنی بقاء شخصی کے قائل ہیں۔ اب جبکہ دجّال اور اس کی جساسہ اور یاجوج ماجوج کے کروڑہا آدمی اور دابۃ الارض اور بقول بعض ابن صیّاد بھی اب تک زندہ ہیں تو حضرت مسیح اگر زندہ نہ ہوں تو ان کی حق تلفی ہے۔ میرے نزدیک بہت سہل طریق ثبوت کا یہ ہے کہ مولوی صاحبان کوشش کر کے کوئی یاجوج ماجوج کا آدمی یا دجّال کی جساسہ یا ابن صیّاد کو ہی کسی جنگل سے پکڑ کر لے آویں پھر کیا بات ہے سب مان جائیں گے کہ اسی طرح حضرت مسیح بھی آسمان پر زندہ ہیں اور مفت میں فتح ہو جائے گی۔ حضرات! اب ہمت کیجئے کہیں سے دجّال شریر کی جساسہ کو ہی پکڑیئے حوصلہ نہ ہاریں آخر یہ سب زمین پر ہی ہیں۔ ابن تمیم کی حدیث کو مسلم میں ﴿۵۰۶﴾
پڑھ کر اسی پتہ سے جساسہ دجّال کا سُراغ لگایئے یا خبیث دجّال کو ہی جو زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے بچشم خود دیکھ کر پھر اَوروں کو دکھلایئے۔ بات تو خوب ہے۔ انگریزوں نے ہمت اور

کوشش کر کے نئی دنیا کا سُراغ لگا ہی لیا۔ آپ اس ایک ناکارہ کام میں ہی کامیابی دکھلائیے شاید ان لوگوں میں سے کسی کا پتہ چلے بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد۔ اگر خارے بود گلدستہ گردد۔ اور اگر ایسا نہیں کرو گے تو پھر خیر اس میں ہے کہ ان بیہودہ خیالات سے باز آجائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قسمیں کھا کر فرمایا ہے کہ کوئی جاندار اس وقت سے سو برس تک زمین پر زندہ نہیں رہ سکتا۔ مگر آپ ناحق ان سب جانداوں کو اس زمانہ سے آج تک زندہ خیال کر رہے ہیں۔ یہ تحقیق اور تدقیق کا زمانہ ہے اسلام کا ایسا خاکہ کھینچ کر نہ دکھلایئے جس پر بچہ بچہ ہنسی کرے۔ غور کر کے سوچیئے کہ یہ کروڑ ہا انسان جو صد ہا برسوں سے زندہ فرض کئے گئے ہیں جواب تک مرنے میں نہیں آتے کس ملک اور کس شہر میں رہتے ہیں۔ تعجب کہ معمورۂ دنیا کی حقیقت بخوبی کھل گئی اور پہاڑوں اور ﴿۵۰۷﴾
جزیروں کا حال بھی بخوبی معلوم ہو گیا اور تفتیش کرنے والوں نے یہاں تک اپنی تفتیش کو کمال تک پہنچا دیا جو ایسی آبادیاں جو ابتداءِ دُنیا سے معلوم نہ تھیں وہ اب معلوم ہو گئیں مگر اب تک اس جساسہ اور دجّال اور ابن صیّاد مفقود الخبر اور دابۃ الارض اور یاجوج ماجوج کے کروڑ ہا انسانوں کا کچھ پتہ نہیں ملتا۔ سو اَے حضرات! یقیناً سمجھو کہ وہ سب جاندار جو انسان کی قسم میں سے تھے اس دنیا سے کوچ کر گئے پردۂ زمین میں چھپ گئے اور مسلم کی سو برس والی حدیث نے اپنی جلالی سچائی سے موت کا مزہ اُنہیں چکھا دیا۔ اب ان کی انتظار آپ کی خام خیالی ہے۔ اب تو اِنّا للّٰہ کہہ کر ان کو رخصت شدہ سمجھیئے۔

اور اگر آپ کے دل میں یہ خلجان گذرے کہ احادیث نبویہ میں اُن کے خروج کا وعدہ ہے اس کے اس صورت میں کیا معنے ہوں گے۔ سو سنو! اس کے سچے معنے جو اللہ جلَّ شَانُہٗ نے میرے پر ظاہر کئے ہیں وہ یہ ہیں کہ اِن سب چیزوں کا آخری زمانہ میں جلالی طور پر صور مثالیہ میں ظہور مراد ہے مثلاً پہلے دجّال کو اس طرح پر دیکھا گیا کہ وہ زنجیروں میں جکڑا ہوا کمزور اور ضعیف ہے کسی پر حملہ نہیں کر سکتا مگر اس آخری زمانہ میں عیسائی مشن کا ﴿۵۰۸﴾

دجال اُسی دجّال کے رنگ میں ہوکر قوت کے ساتھ خروج کر رہا ہے اور گویا مثالی اور ظلّی وجود کے ساتھ وہی ہے اور جیسا کہ وہ اوّل زمانہ میں گرجا میں جکڑا ہوا نظر آیا تھا اب وہ اس بند سے مَخلصی پا کر عیسائیوں کے گرجا سے ہی نکلا ہے اور دنیا میں ایک آفت برپا کر رہا ہے۔

ایسا ہی یاجوج ماجوج کا حال بھی سمجھ لیجئے۔ یہ دونوں پرانی قومیں ہیں جو پہلے زمانوں میں دوسروں پر کھلے طور پر غالب نہیں ہوسکیں اور اُن کی حالت میں ضعف رہا لیکن خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ آخری زمانہ میں یہ دونوں قومیں خروج کریں گی یعنی اپنی جلالی قوت کے ساتھ ظاہر ہوں گی۔ جیسا کہ سورۂ کہف میں فرماتا ہے وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ[1] یعنی یہ دونوں قومیں دوسروں کو مغلوب کر کے پھر ایک دوسرے پر حملہ کریں گی اور جس کو خدائے تعالیٰ چاہے گا فتح دے گا۔ چونکہ ان دونوں قوموں سے مراد انگریز اور رُوس ہیں اس ﴿۵۰۹﴾ لئے ہر یک سعادتمند مسلمان کو دعا کرنی چاہیئے کہ اُس وقت انگریزوں کی فتح ہو۔ کیونکہ یہ لوگ ہمارے محسن ہیں۔ اور سلطنت برطانیہ کے ہمارے سر پر بہت احسان ہیں۔ سخت جاہل اور سخت نادان اور سخت نالائق وہ مسلمان ہے۔ جو اس گورنمنٹ سے کینہ رکھے اگر ہم ان کا شکر نہ کریں تو پھر ہم خدائے تعالیٰ کے بھی ناشکر گزار ہیں کیونکہ ہم نے جو اس گورنمنٹ کے زیر سایہ آرام پایا اور پا رہے ہیں وہ آرام ہم کسی اسلامی گورنمنٹ میں بھی نہیں پا سکتے۔ ہرگز نہیں پا سکتے۔

﴿۵۱۰﴾ ایسا ہی دابۃ الارض یعنی وہ علماء وواعظین جو آسمانی قوت اپنے اندر نہیں رکھتے ابتدا سے چلے آتے ہیں لیکن قرآن کا مطلب یہ ہے کہ آخری زمانہ میں ان کی حد سے زیادہ کثرت ہو گی اور اُن کے خروج سے مراد وہی اُن کی کثرت ہے۔

اور یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ جیسی ان چیزوں کے بارے میں جو آسمانی قوت

اپنے اندر نہیں رکھتیں اور آخری زمانہ میں پورے جوش اور طاقت کے ساتھ ظہور کریں گی۔
خروج کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ایسا ہی اُس شخص کے بارے میں جو حدیثوں میں لکھا ہے کہ
آسمانی وحی اور قوت کے ساتھ ظہور کرے گا نزول کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ سو اِن دونوں
لفظوں خروج اور نزول میں درحقیقت ایک ہی امر مدنظر رکھا گیا ہے یعنی اس بات کا سمجھانا
منظور ہے کہ یہ ساری چیزیں جو آخری زمانہ میں ظاہر ہونے والی ہیں باعتبار اپنی قوتِ ظہور کے
خروج اور نزول کی صفت سے متصف کی گئی ہیں جو آسمانی قوت کے ساتھ آنے والا تھا اس کو
نزول کے لفظ سے یاد کیا گیا اور جو زمینی قوت کے ساتھ نکلنے والا تھا اس کو خروج کے لفظ کے
۵۱۱ ساتھ پکارا گیا تا نزول کے لفظ سے آنے والے کی ایک عظمت سمجھی جائے اور خروج کے لفظ
سے ایک خفّت اور حقارت ثابت ہو اور نیز یہ بھی معلوم ہو کہ نازل خارج پر غالب ہے۔

ایسا ہی **دُخان** جس کا قرآن شریف میں ذکر ہے کچھ آخری زمانہ سے ہی خاص نہیں ہے
ہاں آخری زمانہ میں جو ہمارا زمانہ ہے اس کا بیّن اور کھلے کھلے طور پر ظہور ہوا ہے جیسا کہ اللہ
جلَّ شانُہٗ فرماتا ہے حٰمٓ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا
مُنْذِرِيْنَ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ رَحْمَةً
مِّنْ رَّبِّكَ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا
اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ بَلْ هُمْ فِیْ
شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ يَّغْشَى النَّاسَ هٰذَا
عَذَابٌ اَلِيْمٌ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ[1] سورۃ الدخان الجزو نمبر ۲۵ یعنی
اس روشن اور کھلی کھلی کتاب کی قسم ہے کہ ہم نے اس قرآن کریم کو ایک مبارک رات میں اُتارا
۵۱۲ ہے کیونکہ ہمیں منظور تھا کہ نافرمانی کے نتائج سے ڈراویں۔ وہ رات ایک ایسی بابرکت رات
ہے کہ تمام حکمت کی باتیں اس میں کھولی جاتی ہیں اور ایسا ہی ہم نے چاہا ہے اور تیرے

[1] الدخان:۲ تا ۱۳

رب نے رحمت کی راہ سے ایسا ہی ارادہ کیا ہے کہ کل معارف ودقائق الٰہیہ کا تیری بعثت مبارکہ پر ہی خاتمہ ہو اور وہی کلام کل معارف حکمیہ کا جامع ہو جو تجھ پر نازل ہوا ہے اور یہ بات ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں اور اس برکت والی رات سے مراد ایک تو وہی معنے ہیں جو مشہور ہیں اور دوسری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ بعثت کی رات ہے اور اس کا دامن قیامت کے دن تک پھیلا ہوا ہے اور آیت فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ [1] میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ تمام زمانہ جو قیامت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت کے تحت میں ہے فیوض قرآن کریم سے بہت فائدہ اُٹھائے گا اور وہ تمام معارف الٰہیہ جو دنیا میں مخفی چلے آتے تھے اس زمانہ میں وقتاً فوقتاً ظہور پذیر ہوتے رہیں گے اور نیز آیت فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اس زمانہ بابرکت کے خواص میں سے یہ بھی ہوگا کہ معاش اور معاد کے کل علوم حکمیہ اپنے اعلیٰ درجہ کے کمالات کے ساتھ ظہور پذیر ہوں گے اور کوئی امر حکمت ایسا نہیں رہے گا جس کی تفصیل نہ کی جائے۔ پھر آگے فرمایا کہ خدا وہ خدا ہے ﴿۵۱۳﴾ جس نے زمین وآسمان کو بنایا اور جو کچھ اس کے درمیان ہے سب اُسی نے پیدا کیا تا تم اُسی صانع حقیقی پر یقین لاؤ اور شک کرنے کی کوئی وجہ نہ رہے۔ کوئی معبود اس کے سوا نہیں۔ وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے تمہارا رب ہے اور تمہارے اُن باپ دادوں کا رب جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں۔ بلکہ وہ تو شکوک وشبہات میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان دلائل کی طرف انہیں کہاں نظر ہے۔ پس تُو اُس دن کا امیدوار رِہ جس دن آسمان ایک کھلا کھلا دھواں لائے گا جس کو دیکھ کر کہیں گے کہ یہ عذاب دردناک ہے اور کہیں گے کہ اے ہمارے خدا یہ عذاب ہم سے اٹھا۔ ہم ایمان لائے۔

اس جگہ دخان سے مراد قحط عظیم وشدید ہے جو سات برس تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں پڑا یہاں تک کہ لوگوں نے مُردے اور ہڈیاں کھائی تھیں جیسا کہ ابن مسعود کی حدیث میں مفصّل اس کا بیان ہے۔ لیکن آخری زمانہ کے لئے بھی جو ہمارا زمانہ ہے

[1] الدخان:۵

اس دخان مبین کا وعدہ تھا اس طرح پر کہ قبل از ظہور مسیح نہایت درجہ کی شدت سے اس کا ظہور ہو گا۔ اب سمجھنا چاہیئے کہ یہ آخری زمانہ کا قحط جسمانی اور روحانی دونوں طور سے وقوع میں آیا۔ ﴿۵۱۴﴾ جسمانی طور سے اس طرح کہ اگر اب سے پچاس برس گذشتہ پر نظر ڈالی جاوے تو معلوم ہوگا کہ جیسے اب غلّہ اور ہر یک چیز کا نرخ عام طور پر ہمیشہ کم رہتا ہے اس کی نظیر پہلے زمانوں میں کہیں نہیں پائی جاتی۔ کبھی خواب وخیال کی طرح چند روز گرانی غلّہ ہوتی تھی اور پھر وہ دن گذر جاتے تھے لیکن اب تو یہ گرانی لازم غیر منفک کی طرح ہے اور قحط کی شدّت اندر ہی اندر ایک عالم کو تباہ کر رہی ہے۔

اور روحانی طور پر صداقت اور امانت اور دیانت کا قحط ہو گیا ہے اور مکر اور فریب اور علوم وفنون مظلمہ دُخان کی طرح دنیا میں پھیل گئی ہیں اور روز بروز ترقی پر ہیں۔ اس زمانہ کے مفاسد کی صورت پہلے زمانوں کے مفاسد سے بالکل مختلف ہے۔ پہلے زمانوں میں اکثر نادانی اور اُمّیت رہزن تھی اس زمانہ میں تحصیل علوم رہزن ہو رہی ہے۔ ہمارے زمانہ کی نئی روشنی جس کو دوسرے لفظوں میں دخان سے موسوم کرنا چاہیئے عجیب طور پر ایمان اور دیانت اور اندرونی سادگی کو نقصان پہنچا رہی ہے۔ سوفسطائی تقریروں کے غبار نے صداقت کے آفتاب کو چھپا دیا ہے اور فلسفی مغالطات نے سادہ لوحوں کو طرح طرح کے شبہات میں ﴿۵۱۵﴾ ڈال دیا ہے۔ خیالات باطلہ کی تعظیم کی جاتی ہے اور حقیقی صداقتیں اکثر لوگوں کی نظر میں کچھ حقیر سی معلوم ہوتی ہیں۔ سو خدائے تعالیٰ نے چاہا کہ عقل کے رہزدوں کو عقل سے درست کرے اور فلسفہ کے سرگشتوں کو آسمانی فلسفہ کے زور سے راہ پر لاوے سو یہ کامل درجہ کا دُخان مبین ہے جو اس زمانہ میں ظاہر ہوا ہے۔

ایسا ہی طلوع شمس کا جو مغرب کی طرف سے ہوگا۔ ہم اس پر بہرحال ایمان لاتے ہیں لیکن اس عاجز پر جو ایک رؤیا میں ظاہر کیا گیا وہ یہ ہے جو مغرب کی طرف سے آفتاب کا چڑھنا یہ معنی رکھتا ہے کہ ممالک مغربی جو قدیم سے ظلمت کفر وضلالت میں ہیں آفتابِ صداقت

سے منوّر کئے جائیں گے اور اُن کو اسلام سے حصّہ ملے گا۔ اور میں نے دیکھا کہ میں شہر لنڈن میں ایک منبر پر کھڑا ہوں اور انگریزی زبان میں ایک نہایت مدلّل بیان سے اسلام کی صداقت ظاہر کر رہا ہوں۔ بعد اس کے میں نے بہت سے پرندے پکڑے جو چھوٹے چھوٹے درختوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور اُن کے رنگ سفید تھے اور شاید تیتر کے جسم کے موافق اُن کا جسم ہوگا۔ سو میں نے اس کی یہ تعبیر کی کہ اگرچہ میں نہیں مگر میری تحریریں اُن لوگوں میں پھیلیں گی۔ اور بہت سے راستباز انگریز صداقت کے شکار ہو جائیں گے۔ درحقیقت آج تک مغربی ملکوں کی مناسبت دینی سچائیوں کے ساتھ بہت کم رہی ہے گویا خدائے تعالیٰ نے دین کی عقل تمام ایشیا کو دے دی اور دنیا کی عقل تمام یورپ اور امریکہ کو۔ نبیوں کا سلسلہ بھی اول سے آخر تک ایشیا کے ہی حصہ میں رہا اور ولایت کے کمالات بھی انہیں لوگوں کو ملے۔ اب خدائے تعالیٰ ان لوگوں پر نظر رحمت ڈالنا چاہتا ہے۔ ﴿۵۱۶﴾

اور یاد رہے کہ مجھے اس بات سے انکار نہیں کہ **طلوع الشمس من مغربها** کے کوئی اور معنے بھی ہوں مَیں نے صرف اُس کشف کے ذریعہ سے جو خدائے تعالیٰ نے مجھے عطا کیا ہے مذکورہ بالا معنے کو بیان کیا ہے۔ اگر کوئی مولوی مُلّا ان الٰہی مکاشفات کو الحاد کی طرف منسوب کرے تو وہ جانے اور اس کا کام۔ **وما قلت من عند نفسی بل اتبعت ما کشف علیّ واللّٰہ بصیر بحالی وسمیع لمقالی فاتقوا اللّٰہ ایّها العلماء۔**

لیکن اگر کوئی اس جگہ یہ سوال کرے کہ جب مغرب کی طرف سے آفتاب طلوع کرے گا تو جیسا کہ لکھا ہے توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا تو پھر اگر یہی معنے سچ ہیں تو ایسے اسلام سے کیا فائدہ جو مقبول ہی نہیں۔ ﴿۵۱۷﴾

اِس کا جواب یہ ہے کہ توبہ کا دروازہ بند ہونے سے یہ مطلب تو نہیں کہ توبہ منظور ہی نہیں ہوگی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب ممالک مغربی کے لوگ فوج درفوج دین اسلام میں داخل ہو جائیں گے تب ایک انقلاب عظیم ادیان میں پیدا ہوگا۔ اور جب یہ آفتاب

پورے طور پر ممالک مغربی میں طلوع کرے گا تو وہی لوگ اسلام سے محروم رہ جائیں گے جن پر دروازہ توبہ کا بند ہے یعنی جن کی فطرتیں بالکل مناسب حال اسلام کے واقع نہیں۔ سو توبہ کا دروازہ بند ہونے کے یہ معنے نہیں کہ لوگ توبہ کریں گے مگر منظور نہ ہوگی۔ اور خشوع اور خضوع سے روئیں گے مگر ردّ کئے جائیں گے کیونکہ یہ تو اس دنیا میں اس رحیم وکریم کی شان سے بالکل بعید ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اُن کے دل سخت ہو جائیں گے اور انکو توبہ کی توفیق نہیں دی جائے گی اور وہی اشرار ہیں جن پر قیامت آئیگی۔ فتفکّر و تدبّر۔

ایسا ہی مہدی کے بارہ میں جو بیان کیا جاتا ہے کہ ضرور ہے کہ پہلے امام محمدؐ مہدی آویں اور بعد اس کے ظہور مسیح ابن مریم کا ہو۔ یہ خیال قلّت تدبّر کی وجہ سے پیدا ہوا ہے اگر مہدی کا ﴿۵۱۸﴾ آنا مسیح ابن مریم کے زمانہ کے لئے ایک لازم غیر منفک ہوتا اور مسیح کے سلسلہ ظہور میں داخل ہوتا تو دو بزرگوار شیخ اور امام حدیث کے یعنی حضرت محمد اسمٰعیل صاحب صحیح بخاری اور حضرت امام مسلم صاحب صحیح مسلم اپنے صحیحوں سے اس واقعہ کو خارج نہ رکھتے۔ لیکن جس حالت میں انہوں نے اس زمانہ کا تمام نقشہ کھینچ کر آگے رکھ دیا اور حصر کے طور پر دعویٰ کر کے بتلا دیا کہ فلاں فلاں امر کا اس وقت ظہور ہوگا۔ لیکن امام محمد مہدی کا نام تک بھی تو نہیں لیا۔ پس اس سے سمجھا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنی صحیح اور کامل تحقیقات کی رُو سے اُن حدیثوں کو صحیح نہیں سمجھا جو مسیح کے آنے کے ساتھ مہدی کا آنا لازم غیر منفک ٹھہرا رہی ہیں اور دراصل یہ خیال بالکل فضول اور مہمل معلوم ہوتا ہے کہ باوجودیکہ ایک ایسی شان کا آدمی ہو کہ جس کو باعتبار باطنی رنگ اور خاصیت اس کی کے مسیح ابن مریم کہنا چاہیئے دنیا میں ظہور کرے اور پھر اس کے ساتھ کسی دوسرے مہدی کا آنا بھی ضروری ہو۔ کیا وہ خود مہدی نہیں ہے؟ کیا وہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہدایت پا کر نہیں آیا؟ کیا اُس کے پاس اس قدر جواہرات ﴿۵۱۹﴾ وخزائن واموال معارف و دقائق نہیں ہیں کہ لوگ لیتے لیتے تھک جائیں اور اِس قدر اُن کا دامن بھر جائے جو قبول کرنے کی جگہ نہ رہے۔ پس اگر یہ سچ ہے تو اُس وقت

دوسرے مہدی کی ضرورت ہی کیا ہے اور یہ صرف امامین موصوفین کا ہی مذہب نہیں۔ بلکہ ابن ماجہ اور حاکم نے بھی اپنی صحیح میں لکھا ہے کہ **لا مہدی الّا عیسیٰ** یعنی بجز عیسیٰ کے اُس وقت کوئی مہدی نہ ہوگا۔ اور یوں تو ہمیں اس بات کا اقرار ہے کہ پہلے بھی کئی مہدی آئے ہوں اور ممکن ہے کہ آئندہ بھی آویں اور ممکن ہے کہ امام محمدؐ کے نام پر بھی کوئی مہدی ظاہر ہو لیکن جس طرز سے عوام کے خیال میں ہے اس کا ثبوت پایا نہیں جاتا۔ چنانچہ یہ صرف ہماری ہی رائے نہیں اکثر محقق یہی رائے ظاہر کرتے آئے ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ اچھا مہدی کا قصّہ جانے دو۔ لیکن یہ جو بار بار حدیثوں میں بیان کیا گیا ہے کہ عیسیٰ آئے گا۔ مسیح ابن مریم نازل ہوگا۔ اِن صریح لفظوں کی کیوں تاویل کی جائے۔ اگر اللہ جلَّ شَانُہٗ کے علم اور ارادہ میں ابن مریم سے مراد ابن مریم نہیں تھا تو اس نے لوگوں کو دانستہ اِن مشکلات میں کیوں ڈالا اور سیدھا کیوں یہ نہ کہہ دیا کہ کوئی مثیل مسیح آئے گا۔ بلکہ ﴿۵۲۰﴾ کون سی ضرورت اس بات کی طرف داعی تھی جو ضرور مثیل مسیح آتا کوئی اور نہ آتا۔ اب کھلے کھلے لفظوں سے کیوں کر انکار کریں یہ انکار تو دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہے اور در پردہ اس انکار کے یہ معنے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشگوئی غلط ہے۔

لیکن واضح ہو کہ یہ تمام اوہام باطلہ ہیں۔ قرآن کریم اور احادیث میں بغرض آزمائش خلق اللہ ایسے ایسے استعارات کا مستعمل ہونا کوئی انوکھی اور بے اصل بات نہیں۔ اور پہلی کتابوں میں ایسے استعارات کی نظیر موجود ہے فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ[1] ایلیا کے قصہ کو دیکھو جس کو یوحنا کہا گیا ہے۔ جبکہ قرآن شریف نے قطعی اور یقینی طور پر ظاہر کر دیا کہ حضرت مسیح ابن مریم فوت ہو گئے ہیں تو اب اس سے بڑھ کر ضرورتِ تاویل کے لئے اور کیا قرینہ ہوگا۔ مثلاً فرض کے طور پر بیان کرتا ہوں کہ ایک مستند خط کے ذریعہ سے معلوم ہوا کہ ایک شخص کلکتہ میں رہنے والا عبدالرحمٰن نام جس کی شہادت کسی مقدمہ کے لئے مؤثر تھی فوت ہو گیا ہے۔ پھر بعد اس کے ہم نے ایک ایسا کاغذ تمسّک دیکھا جس پر

[1] النحل: ٤٤

﴿۵۲۱﴾ ایک شخص عبدالرحمٰن نام کلکتہ کے رہنے والے کی گواہی تاریخ وفات کے بعد میں درج تھی تو کیا ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ وہی عبدالرحمٰن جوفوت ہو چکا تھا زندہ ہوکر اپنی گواہی لکھ گیا ہے پس چونکہ اس عبدالرحمٰن کے زندہ ہو جانے کا ہمارے پاس کوئی بھی ثبوت نہیں تو کیا صرف خدائے تعالیٰ کی قدرت کے حوالہ سے ہم کسی ایسی صورت کے مقدمہ میں جو عدالت میں پیش ہے بغیر اس بات کے ثبوت دینے کے کہ درحقیقت وہی عبدالرحمٰن زندہ ہوکر اپنی گواہی لکھ گیا ہے ڈگری کے پانے کے مستحق ٹھہر سکتے ہیں ہرگز نہیں۔

اور یہ دغدغہ کہ کیوں مسیح ابن مریم کے لفظ کو اختیار کیا گیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اُسی طرز کا محاورہ ہے جیسے یحیٰ بن زکریا کے لئے ایلیا کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ خدائے تعالیٰ کو منظور تھا کہ آخری زمانہ میں کوئی شخص مسیح کی قوت اور طبع میں پیدا ہو اور وُہ اس گروہ کذّاب کا مقابلہ کرے جن کی طبیعت اس طبیعت کے مغائر ومخالف واقع ہے۔ سو گروہ کذّاب کا نام اُس نے مسیح دجّال رکھا اور حامی حق کا نام مسیح ابن مریم قرار دیا اور اس کو بھی ایک گروہ بنایا جو مسیح ابن مریم کے نام سے سچائی کی فتح کے لئے دنیا کے اخیر تک کوشش کرتا رہے گا۔ سو ضرور تھا کہ یہ ﴿۵۲۲﴾ آنے والا مسیح ابن مریم کے نام سے ہی آتا۔ کیونکہ جس تاثیر اماتت احیاء کو مسیح دجّال نے پھیلانا چاہا ہے اس تاثیر کے مخالف مسیح ابن مریم کو تاثیر دی گئی ہے جو روح القدس کے ذریعہ سے اس کو ملی ہے سو جو شخص مسیح کے قدم پر وہ تاثیر لے کر آیا اور زہرناک ہوا کے مقابل پر جو ہلاک کرتی ہے یا ہلاکت تک پہنچاتی ہے ایک تریاقی نفس اس کو عطا ہوا۔ اس وجہ سے وہ مسیح ابن مریم کہلایا کیونکہ وہ روحانی طور پر مسیح کے رنگ میں ہوکر آیا۔ مسیح کیوں کر آسکتا۔ وہ رسول تھا اور خاتم النبیین کی دیوار روئیں اس کو آنے سے روکتی ہے۔ سو اس کا ہمرنگ آیا وہ رسول نہیں مگر رسولوں کے مشابہ ہے اور امثل ہے۔ کیا عام لفظوں میں کسی حدیث میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ بعض گزشتہ رسولوں میں سے پھر اس امت میں آئیں گے جیسا کہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ اُن کے مثیل آئیں گے اور امثل آئیں گے

جو فطرتاً انبیاء سے بہت اقرب ہیں سو جن کے آنے کا صاف طور پر بلا تعارض وعدہ دیا گیا ہے اُن سے مُنہ مت پھیرو اور اُن کے الہام سے بھی شہادت کا فائدہ اُٹھاؤ کیونکہ اُن کی گواہی اس بات کو کھولتی ہے جو تم اپنی عقلوں سے کھول نہیں سکتے۔ آسمانی گواہی کے ردّ کرنے میں جرأت ﴿۵۲۳﴾
نہ کرو کیونکہ یہ بھی اُسی پاک چشمہ سے نکلی ہے جس سے وحی نبوت نکلی ہے۔ سو یہ وحی کے معنے کی شارح اور صراط مستقیم کو دکھلانے والی ہے۔

وصیّتُ الحق

اے ناظرین! اب یہ عاجز اس مضمون کو ختم کر چکا اور اس تمام تحقیقات سے معلوم ہوا کہ شرعی اور نقلی طور پر ہمارے اس الہام کی تصدیق یا تکذیب کے لئے جو مسیح ابن مریم وفات پا چکا ہے تین راہیں ہیں۔ (۱) قرآن کریم (۲) احادیث (۳) اقوال سلف وخلف۔ اور اِن تینوں راہوں کے ذریعہ سے ہمارے الہام کی تصدیق ہو رہی ہے۔ سب سے سیدھی راہ اور بڑا ذریعہ جو انوار یقین اور تواتر سے بھرا ہوا اور ہماری روحانی بھلائی اور ترقی علمی کے لئے کامل رہنما ہے قرآن کریم ہے جو تمام دنیا کے دینی نزاعوں کے فیصل کرنے کا متکفل ہو کر آیا ہے ﴿۵۲۴﴾
جس کی آیت آیت اور لفظ لفظ ہزارہا طور کا تواتر اپنے ساتھ رکھتی ہے اور جس میں بہت سا آبِ حیات ہماری زندگی کے لئے بھرا ہوا ہے اور بہت سے نادر اور بیش قیمت جواہر اپنے اندر مخفی رکھتا ہے جو ہر روز ظاہر ہوتے جاتے ہیں۔ یہی ایک عمدہ محک ہے جس کے ذریعہ سے ہم راستی اور ناراستی میں فرق کر سکتے ہیں۔ یہی ایک روشن چراغ ہے جو عین سچائی کی راہیں دکھاتا ہے۔ بلاشبہ جن لوگوں کو راہ راست سے مناسبت اور ایک قسم کا رشتہ ہے اُن کا دل قرآن شریف کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے اور خدائے کریم نے اُن کے دل ہی اس طرح کے بنا رکھے ہیں کہ وہ عاشق کی طرح اپنے اس محبوب کی طرف جھکتے ہیں اور بغیر اس کے کسی جگہ

قرار نہیں پکڑتے اور اس سے ایک صاف اور صریح بات سن کر پھر کسی دوسرے کی نہیں سنتے اس کی ہر یک صداقت کو خوشی سے اور دوڑ کر قبول کر لیتے ہیں اور آخر وہی ہے جو موجب اشراق اور روشن ضمیری کا ہو جاتا ہے اور عجیب در عجیب انکشافات کا ذریعہ ٹھہرتا ہے اور ہر یک کو حسب استعداد معراج ترقی پر پہنچاتا ہے۔ راستبازوں کو قرآن کریم کے انوار کے نیچے چلنے کی ہمیشہ
﴿۵۲۵﴾ حاجت رہی ہے اور جب کبھی کسی حالتِ جدیدہ زمانہ نے اسلام کو کسی دوسرے مذہب کے ساتھ ٹکرا دیا ہے تو وہ تیز اور کارگر ہتھیار جو فی الفور کام آیا ہے قرآن کریم ہی ہے۔ ایسا ہی جب کہیں فلسفی خیالات مخالفانہ طور پر شائع ہوتے رہے تو اس خبیث پودہ کی بیخ کنی آخر قرآن کریم ہی نے کی اور ایسا اس کو حقیر اور ذلیل کر کے دکھلا دیا کہ ناظرین کے آگے آئینہ رکھ دیا کہ سچا فلسفہ یہ ہے نہ وہ۔ حال کے زمانہ میں بھی جب اوّل عیسائی واعظوں نے سر اُٹھایا اور بدفہم اور نادان لوگوں کو توحید سے کھینچ کر ایک عاجز بندہ کا پرستار بنانا چاہا اور اپنے مغشوش طریق کو سوفسطائی تقریروں سے آراستہ کر کے اُن کے آگے رکھ دیا اور ایک طوفان ملک ہند میں برپا کر دیا آخر قرآن کریم ہی تھا جس نے انہیں پسپا کیا کہ اب وہ لوگ کسی باخبر آدمی کو منہ بھی نہیں دکھلا سکتے اور اُن کے لمبے چوڑے عذرات کو یُوں الگ کر کے رکھ دیا جس طرح کوئی کاغذ کا تختہ لپیٹے۔ قرآن کریم نے اُن کے ایک بڑے بھارے عقیدہ کو جو کفارہ کا عقیدہ تھا مَاقَتَلُوْہُ وَمَاصَلَبُوْہُ کا ثبوت دے کر معدوم کر دیا۔ اور انسان کی نجات کے لئے وہ طبعی اور
﴿۵۲۶﴾ فطرتی طریقہ بتلایا جو آدم کی پیدائش سے ہر یک آدمی کی جبلّت کو لازم ہے۔ اب وہ لوگ اس بات سے تو رہے کہ اپنا پُرظلم اور بے اثر کفارہ عقلمند انسانوں کے سامنے پیش کر سکیں ہاں یہ ممکن ہے کہ اب جنات کی طرف جن کا وجود انجیل کی رُو سے ثابت ہے اس کفارہ کے لئے کوئی مشن بھیجیں کیونکہ ان کو تو بھی تو خدائے تعالیٰ نے ہلاکت کے لئے پیدا نہیں کیا۔ مگر مشکل تو یہ ہے کہ یہ دروغ بے فروغ اسی حد تک بُنا گیا تھا کہ مسیح ابن مریم بنی آدم کے کفارہ کے لئے آیا ہے۔

اور ابن آدم کہلا کر اور آدمی کا ہم جنس ہو کر اس کو یہ استحقاق بنی نوع کی ہمدردی کا پیدا ہوا ہے ہاں یہ ممکن ہے کہ یہ حجت پیش کی جائے کہ مسیح کا ایک اور بھائی تھا کہ جو ابن آدم نہیں بلکہ ابن جن کہلاتا تھا وہ جنات کے کفارہ کے لئے مصلوب ہوا تھا۔ مگر پھر بھی انجیل کی رو سے کوئی ثبوت پیش کرنا پڑے گا۔

ایسا ہی قرآن کریم نے ہندوؤں پر بھی بہت سی صداقتیں ظاہر کی ہیں اور وہ قیوم العالمین جس سے وہ بے خبر تھے ان کا انہیں پتہ دیا ہے اگر وہ لوگ اس صداقت کو قبول کرتے تو اس خدا کو دیکھ لیتے جس کی عظمت وقدرت سے وہ غافل ہیں۔ لیکن انہوں نے انگریزوں کے فلسفہ ﴿۵۲۷﴾ جدیدہ کو دیکھ کر فلسفی بننا چاہا۔ اور ہر یک چیز کے اسباب تلاش کرنا شروع کئے تا قرآن کریم کی حقانی فلاسفی کے ساتھ مقابلہ کریں۔ مگر یہ حرکت اُن کے لئے بڑی سرگشتگی کا موجب ہوئی اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ انہوں نے اپنے اعتقادات اور اعمال کی نسبت جو وید کی تعلیم کے رُو سے اُن کے ایمان میں داخل ہیں دو بُرے نمونے ظاہر کر دئے۔ اعتقاد کی نسبت یہ نمونہ کہ خدائے تعالیٰ کی خالقیت کی نسبت انکار کر کے اس کے وجود کے پتہ لگنے کی راہیں اپنے پر بند کر دیں اور دنیا کے ذرّہ ذرّہ اور تمام ارواح کو خود بخود اور قدیم اور واجب الوجود سمجھ کر توحید کے اس دقیق راز کو چھوڑ دیا جس پر سچی معرفت اور سچا گیان اور سچی مکتی موقوف ہے اور اعمال کی نسبت یہ نمونہ کہ نیوگ کا ایک قابل شرم مسئلہ جو ویدوں میں چھپا ہوا چلا آتا تھا جس کے رو سے ایک شوہر دار عورت کسی آریہ کی اولاد حاصل کرنے کی غرض سے کسی غیر آدمی سے ہم بستر ہو سکتی ہے اپنی کتابوں میں شائع کیا۔ اگر ایسے اعتقاد کو ایک مختص الزمان قانون کی طرح سمجھتے تو شاید اس کی قباحت کسی قدر نرم ہو جاتی مگر اب تو یہ مسئلہ ہمیشہ کے لئے اور ہر زمانہ کے لئے ایک غیر متبدّل قانون کی طرح سمجھا گیا ہے جو ویدوں کی طرح ﴿۵۲۸﴾ انادی چلا آیا اور انادی ہی رہے گا۔ پس یہ قرآن کریم کی مخالفت کی سزا ہے جس کو ہم

انشاء اللہ القدیر براہین احمدیہ کے حصص باقیہ میں بتصریح وتفصیل بیان کریں گے۔سو اسی قرآن کریم نے حضرت مسیح کی وفات کے منکرین کو ایسی زک دی ہے کہ اب وہ ذرا ٹھہر نہیں سکتے اور اس جنگ میں نا سمجھ لوگوں نے ایسی شکست کھائی ہے کہ اس شکست کی کوفت عمر بھر انہیں نہیں بُھولے گی۔غرض قرآن شریف دھکّے دے دیکر اُن کو اپنے دربار سے باہر نکال رہا ہے۔

اب رہی حدیثیں سو سب سے اوّل یہ بات سوچنے کے لائق ہے کہ قرآن کریم کے مقابل پر حدیثوں کی کیا قدر اور منزلت ہے اور جب قرآن کریم کے نصوص بیّنہ سے کوئی حدیث مخالف پڑے تو کہاں تک اس کے اعتبار کو وزن دے سکتے ہیں۔

سو جاننا چاہیئے کہ قرآن کریم وہ یقینی اور قطعی کلام الٰہی ہے جس میں انسان کا ایک نقطہ یا ایک شعشہ تک دخل نہیں اور وہ اپنے الفاظ اور معانی کے ساتھ خدائے تعالیٰ کا ہی کلام ہے اور کسی فرقہ اسلام کو اس کے ماننے سے چارہ نہیں۔اس کی ایک ایک آیت اعلیٰ درجہ کا تواتر اپنے ساتھ رکھتی ہے وہ وحی متلو ہے جس کے حرف حرف گنے ہوئے ہیں وہ بباعث اپنے اعجاز کے بھی تبدیل اور تحریف سے محفوظ ہے۔لیکن احادیث تو انسانوں کے دخل سے بھری ہوئی ہیں۔ ﴿۵۲۹﴾ جو ان میں سے صحیح کہلاتی ہیں اُن کا اتنا بھی مرتبہ نہیں جو ایک آیت کے مقابلہ پر ایک کروڑ اُن میں سے وہ رنگ اور شان پیدا کر سکے جو اللہ جلَّ شَانُہٗ کی بے مثل کلام کو حاصل ہے اگرچہ حدیث صحیح بھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہ سند متصل ثابت ہو ایک قسم کی وحی ہے مگر وہ ایسی تو نہیں جو قائم مقام قرآن شریف ہو سکے۔اسی وجہ سے قرآن شریف کی جگہ صرف حدیث پڑھ کر نماز نہیں ہوسکتی۔حدیثوں میں ضعف کی وجوہات اس قدر ہیں کہ ایک دانا آدمی اُن پر نظر ڈال کر ہمیشہ اس بات کا محتاج ہوتا ہے کہ اُن کو تقویت دینے کے لئے کم سے کم نصِ قرآنی کا کوئی اشارہ ہی ہو۔یہ سچ ہے کہ حدیثیں صحابہ کی زبان سے بتوسط کئی راویوں کے مؤلفین صحاح تک پہنچی ہیں اور یہ بھی سچ ہے

کہ جہاں تک ممکن ہے مؤلفین صحاح نے حدیثوں کی تنقید و تفتیش میں بڑی بڑی کوششیں کی ﴿۵۳۰﴾
ہیں مگر پھر بھی ہمیں ان پر وہ بھروسا نہیں کرنا چاہیئے جو اللہ جلّشانہٗ کی کلام پر کیا جاتا ہے
کیونکہ وہ کئی واسطوں سے اور معمولی انسانوں کے ہاتھوں سے دست مال ہو کر آئمہ حدیث کو
ملی ہیں۔ مثلاً ایک حدیث کا راوی عمر رضی اللہ عنہ ہے جو خلیفہ رسول اللہ اور رئیس الثقات ہے
چونکہ چھ سات راوی درمیان میں ایسے ہیں جو اُن کا تزکیہ نفس اور کمال طہارت ثابت نہیں اور
اُن کی راستبازی اور خداترسی اور دیانت گو سرسری نظر سے بطور حُسن ظن تسلیم کی گئی ہو مگر
بانکشاف تام کچھ ثابت نہیں سو وہ کیوں کر راستبازی میں حضرت عمر کے قائمقام سمجھے جائیں
گے۔ اور کیوں جائز نہیں کہ انہوں نے عمداً یا سہواً بعض احادیث کی تبلیغ میں خطا کی ہو۔ اسی نظر
سے بعض ائمہ نے احادیث کی طرف توجہ کم کی ہے جیسا کہ امام اعظم کوفی رضی اللہ عنہ جن کو
اصحاب الرائے میں سے خیال کیا گیا ہے اور ان کے مجتہدات کو بواسطہ وقت معانی احادیث
صحیحہ کے برخلاف سمجھا گیا ہے۔ مگر اصل حقیقت یہ ہے کہ امام صاحب موصوف اپنی قوت
اجتہادی اور اپنے علم اور درایت اور فہم و فراست میں ائمہ ثلاثہ باقیہ سے افضل و اعلیٰ تھے اور اُن ﴿۵۳۱﴾
کی خداداد قوت فیصلہ ایسی بڑھی ہوئی تھی کہ وہ ثبوت عدم ثبوت میں بخوبی فرق کرنا جانتے تھے اور
ان کی قوت مدرکہ کو قرآن شریف کے سمجھنے میں ایک خاص دستگاہ تھی اور اُن کی فطرت کو کلام الٰہی
سے ایک خاص مناسبت تھی اور عرفان کے اعلیٰ درجہ تک پہنچ چکے تھے۔ اسی وجہ سے اجتہاد و استنباط
میں اُن کے لئے وہ درجہ علیا مسلّم تھا جس تک پہنچنے سے دوسرے سب لوگ قاصر تھے۔ سبحان اللہ
اس زیرک اور ربّانی امام نے کیسی ایک آیت کے ایک اشارہ کی عزت اعلیٰ و ارفع سمجھ کر بہت سی
حدیثوں کو جو اس کے مخالف تھیں ردّی کی طرح سمجھ کر چھوڑ دیا اور جہلا کے طعن کا کچھ اندیشہ نہ کیا
مگر افسوس کہ آج وہ زمانہ ہے کہ بے سروپا اقوال قرآن شریف پر مقدّم سمجھے جاتے ہیں اور ایک
بے اصل لکیر کو اجماع کی صورت میں خیال کیا جاتا ہے اور اگرچہ قرآن کریم کی نصوصِ بیّنہ

کے سامنے حدیثوں کا ذکر کرنا ایسا ہے کہ جیسا آفتاب کے مقابل پر کرم شب تاب کو پیش
کیا جائے۔ مگر پھر بھی ہمارے مخالفین کی سخت بے نصیبی ہے کہ اس قسم کی حدیثیں بھی تو نہیں ملتیں ﴿۵۳۲﴾
جن سے یہ ثابت ہو کہ مسیح ابن مریم سچ مچ اسی جسم خاکی عنصری کے ساتھ آسمان کی طرف زندہ
اٹھایا گیا۔ ہاں اس قسم کی حدیثیں بہت ہیں کہ ابن مریم آئے گا مگر یہ تو کہیں نہیں لکھا کہ وہی ابن
مریم اسرائیلی نبی جس پر انجیل نازل ہوئی تھی جس کو قرآن شریف مار چکا ہے وہی زندہ ہو کر پھر
آجائے گا۔ ہاں یہ بھی سچ ہے کہ آنے والے مسیح کو نبی کر کے بھی بیان کیا گیا ہے مگر اس کو اُمّتی کر
کے بھی تو بیان کیا گیا ہے بلکہ خبر دی گئی کہ اے اُمّتی لوگو وہ تم میں سے ہی ہوگا اور تمہارا امام ہوگا
اور نہ صرف قولی طور پر اس کا امتی ہونا ظاہر کیا بلکہ فعلی طور پر بھی دکھلا دیا کہ وہ امتی لوگوں کے
موافق صرف قال اللہ وقال الرسول کا پیرو ہوگا اور حل مغلقات ومعضلات دین نبوت سے
نہیں بلکہ اجتہاد سے کرے گا اور نماز دوسروں کے پیچھے پڑھے گا۔ اب اِن تمام اشارات سے
صاف ظاہر ہے کہ وہ واقعی اور حقیقی طور پر نبوت تامہ کی صفت سے متصف نہیں ہوگا۔ ہاں نبوت
ناقصہ اُس میں پائی جائے گی جو دوسرے لفظوں میں محدثیت کہلاتی ہے اور نبوت تامّہ کی
شانوں میں سے ایک شان اپنے اندر رکھتی ہے۔ سو یہ بات کہ اسؔ کو اُمّتی بھی کہا اور نبی ﴿۵۳۳﴾
بھی۔ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دونوں شانیں اُمتیت اور نبوت کی اُس میں پائی
جائیں گی جیسا کہ محدّث میں ان دونوں شانوں کا پایا جانا ضروری ہے لیکن صاحب نبوت تامّہ
تو صرف ایک شان نبوت ہی رکھتا ہے۔ غرض محدثیت دونوں رنگوں سے رنگین ہوتی ہے اِسی
لئے خدائے تعالیٰ نے براہین احمدیہ میں بھی اس عاجز کا نام اُمتی بھی رکھا اور نبی بھی۔ اور یہ
بھی سوچنا چاہیئے کہ جب اسرائیلی نبی مسیح ابن مریم فوت ہو چکا اور پھر اس کے زندہ ہو جانے کا
کہیں قرآن شریف میں ذکر نہیں تو بجز اس کے اور کیا سمجھ میں آسکتا ہے کہ یہ آنے والا ابن مریم
اَور ہی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ کیا خدائے تعالیٰ قادر نہیں کہ مسیح ابن مریم کو زندہ کر کے

بھیج دے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر صرف قدرت کو دیکھنا ہے اور نصوص قرآنیہ سے کچھ غرض نہیں تو ظاہر ہے کہ قدرت خدائے تعالیٰ کی دونوں طور سے متعلق ہے چاہے تو زندہ کر کے بھیج دے اور چاہے تو ہرگز زندہ نہ کرے اور نہ دنیا میں بھیجے۔ اور دیکھنا تو یہ چاہیئے کہ اِن دونوں طور کی ﴿۵۳۴﴾
قدرتوں میں سے اُس کے منشاء کے موافق کونسی قدرت ہے۔ سوادنیٰ سوچ سے ظاہر ہوگا کہ یہ قدرت کہ جس کو ایک دفعہ مار دیا پھر خواہ نخواہ دو موتوں کا عذاب اس پر نازل کرے ہرگز اس کے منشاء کے موافق نہیں جیسا کہ وہ خود اس بارہ میں فرماتا ہے۔ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ[1] ۔ یعنی جس کو ایک دفعہ مار دیا پھر اُس کو دنیا میں نہیں بھیجے گا اور جیسا کہ صرف ایک موت کی طرف اشارہ کر کے فرماتا ہے لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى[2] سو یہ بات اس کے سچے وعدہ کے برخلاف ہے کہ مُردوں کو پھر دنیا میں بھیجنا شروع کر دیوے۔ اور کیوں کر ممکن تھا کہ خاتم النبیین کے بعد کوئی اور نبی اسی مفہوم تام اور کامل کے ساتھ جو نبوت تامّہ کی شرائط میں سے ہے آسکتا۔ کیا یہ ضروری نہیں کہ ایسے نبی کی نبوت تامہ کے لوازم جو وحی اور نزول جبرئیل ہے اس کے وجود کے ساتھ لازم ہونی چاہیئے کیونکہ حسب تصریح قرآن کریم رسول اُسی کو کہتے ہیں جس نے احکام و عقائد دین جبرئیل کے ذریعہ سے حاصل کئے ہوں لیکن وحی نبوت پر تو تیرہ سو برس سے مہر لگ گئی ہے کیا یہ مہر اُس وقت ٹوٹ جائے گی۔ اور اگر کہو کہ مسیح ابن مریم نبوتِ تامہ سے معزول کر کے بھیجا جائے گا تو اس ﴿۵۳۵﴾
سزا کی کوئی وجہ بھی تو ہونی چاہیئے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بے استحقاق معبود قرار دیا گیا تھا سو خدائے تعالیٰ نے چاہا کہ اس کی سزا میں نبوت سے اس کو الگ کر دیا جائے اور وہ زمین پر آکر دوسروں کے پیرو بنیں اَوروں کے پیچھے نماز پڑھیں اور امام اعظم کی طرح صرف اجتہاد سے کام لیں۔ اور حنفی الطریق ہو کر حنفی مذہب کی تائید کریں۔ لیکن یہ جواب معقول نہیں ہے خدائے تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس الزام سے اُن کو بری کر دیا ہے اور ان کی نبوت کو ایک دائمی نبوت قرار دیا ہے۔

[1] الزمر:۴۳ [2] الدخان:۵۷

بھائیو! کیوں کھسیانے بن کر بیہودہ باتیں کرتے ہو اور ناحق اپنے ذمہ گناہ لیتے ہو۔ خدائے تعالیٰ قرآن کریم میں اُس مسیح ابن مریم کو مار چکا جو اسرائیلی نبی تھا جس پر انجیل نازل ہوئی تھی۔ اب یہ لفظ اپنے گھر سے حدیثوں میں زیادہ مت کرو کہ وہی مسیح فوت شدہ پھر آئے گا۔ اے خدا کے بندو کچھ تو خدا سے ڈرو۔ کیا خدائے تعالیٰ آپ کے نزدیک اس بات پر قادر نہیں کہ وہ اپنے ایک بندہ میں ایک ایسی روح ڈال دیوے جس سے وہ ابن مریم کے روپ ﴿۵۳۶﴾ میں ہی ہو جائے کیا اس کی مثالیں خدائے تعالیٰ کی کتابوں میں نہیں کہ اس نے ایک نبی کا نام دوسرے پر رکھ دیا کیا حدیثوں میں یہ مذکور نہیں کہ مثیل ابن مریم وغیرہ اس اُمّت میں پیدا ہوں گے تو پھر جب قرآن مسیح ابن مریم کو مارتا ہے اور حدیثیں مثیل ابن مریم کے آنے کا وعدہ دیتی ہیں تو اس صورت میں کیا اشکال باقی رہا۔ کیا اس میں کچھ جھوٹ ہے کہ جو ابن مریم کی سیرت رکھتا ہے وہ ابن مریم ہی ہے۔

دراں ابن مریم خدائی نبود زموت و زفوتش رہائی نبود
رہا کرد خود راز شرک و دوئی توہم کن چنیں ابن مریم توئی

اے مولوی صاحبان فضولی کو چھوڑو اور مجھے کوئی ایک ہی حدیث ایسی دکھلاؤ کہ جو صحیح ہو اور جو مسیح کا خاکی جسم کے ساتھ زندہ اٹھایا جانا اور اب تک آسمان پر زندہ ہونا ثابت کرتی ہو اور تواتر کی حد تک پہنچی ہو اور اس مقدار ثبوت تک پہنچ گئی ہو جو عندالعقل مفید یقین قطعی ہو جاوے اور صرف شک کی حد تک محدود نہ رہے آپ جانتے ہیں کہ قرآن کریم کی تمام آیات بیّنہ کیسی مفید یقین ہیں۔ اب جبکہ ہمارا دعویٰ مبنی برنصوص بیّنہ قرآنیہ ہے اور اس کی ﴿۵۳۷﴾ تائید میں صحیح حدیثیں بھی ہمارے پاس ہیں اور ایسا ہی اقوال سلف و خلف بھی ہماری تائید میں کچھ تھوڑے نہیں اور الہامی شہادت اِن سب کے علاوہ ہے سو اب تم انصاف کے ترازو لے کر بیٹھ جاؤ اور ایک پلّہ میں اپنے خیالات رکھو اور دوسرے پلّہ میں ہماری یہ سب وجوہات۔ اور آپ ہی انصاف کرلو۔ خوب سوچ لو کہ اگر ہمارے پاس صرف نصوص قرآن کریم ہی ہوتیں تو فقط وہی کافی تھیں۔ اب جس حالت میں بعض حدیثیں بھی ان

نصوص کے مطابق ہوں تو پھر گویا وہ یقین نورٌ علیٰ نور ہے جس سے عمدًا انحراف ایک قسم کی بے ایمانی میں داخل ہے۔ اور کچھ شک نہیں کہ جو حدیثیں اس اعلیٰ درجہ کے ثبوت کے برخلاف ہوں گی تو اگر ہم اُن کو غلط نہ کہیں اور نہ اُن کا موضوع نام رکھیں تو زیادہ سے زیادہ نرمی ہماری اُن حدیثوں کی نسبت یہ ہوگی کہ ہم اُن کی تاویل کریں۔ ورنہ حق ہمارا تو یہی ہے کہ اُن کو قطعی طور پر ساقط الاعتبار سمجھیں۔ بعض یہ وہم پیش کرتے ہیں کہ قرآن شریف میں موت مسیح کے بارے میں صرف توفی کا لفظ موجود ہے مگر لُغت میں یہ لفظ کئی معنوں پر آیا ہے۔ سو اس وہم ﴿۵۳۸﴾ کا جواب یہ ہے کہ کلام تو اِس بات میں ہے کہ یہ لفظ قرآن کریم میں کئی معنوں پر آیا ہے یا ایک معنی پر۔ دراصل بات یہ ہے کہ قرآن کریم نے بعض الفاظ لغت سے لے کر اصطلاحی طور پر ایک معنی کے لئے خاص کر دئے ہیں۔ جیسے صوم صلوٰۃ رحمانیّت رحیمیّت توفی۔ اور ایسا ہی اللہ کا لفظ۔ اور کئی اَور الفاظ۔ سو اصطلاحی امر میں لغت کی طرف رجوع کرنا حماقت ہے۔ قرآن شریف کی قرآن شریف سے ہی تفسیر کرو اور دیکھو کہ وہ ایک ہی معنی کا التزام رکھتا ہے یا متفرق معنی لیتا ہے۔ اور اقوال سلف وخلف درحقیقت کوئی مستقل حجت نہیں اور اُن کے اختلاف کی حالت میں وہ گروہ حق پر ہوگا جن کی رائے قرآن کریم کے مطابق ہے۔ اگر یہ اقوال رطب ویابس جو تفسیروں میں لکھے ہیں کچھ استحکام رکھتے تو اِن تفسیروں میں اقوال متضادہ کیوں درج ہوتے۔ اگر ماخذ اجماع کا یہی اقوال متضادہ ہیں تو حقیقت اجماع معلوم شد۔

اب ہم اس وصیت میں یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ قرآن شریف اپنے زبردست ثبوتوں کے ساتھ ہمارے دعوے کا مصدّق اور ہمارے مخالفین کے اوہام باطلہ کی بیخ کنی کر رہا ﴿۵۳۹﴾ ہے اور وہ گذشتہ نبیوں کے واپس دنیا میں آنے کا دروازہ بند کرتا ہے۔ اور بنی اسرائیل کے مثیلوں کے آنے کا دروازہ کھولتا ہے۔ اُسی نے یہ دعا تعلیم فرمائی ہے۔ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۔ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ اس دعا کا ماحصل کیا ہے

یہی تو ہے کہ ہمیں اے ہمارے خدا نبیوں اور رسولوں کا مثیل بنا۔ اور پھر حضرت یحییٰ کے حق میں فرماتا ہے لَمۡ نَجۡعَلۡ لَّهٗ مِنۡ قَبۡلُ سَمِيًّا [1] یعنی یحییٰ سے پہلے ہم نے کوئی اس کا مثیل دنیا میں نہیں بھیجا جس کو باعتبار ان صفات کے یحییٰ کہا جائے یہ آیت ہماری تصدیق بیان کے لئے اشارۃ النص ہے۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ نے اس جگہ آیت موصوفہ میں قبل کی شرط لگائی بعد کی نہیں لگائی تا معلوم ہو کہ بعد میں اسرائیلی نبیوں کے ہم ناموں کے آنے کا دروازہ کھلا ہے جن کا نام خدائے تعالیٰ کے نزدیک وہی ہوگا جو اُن نبیوں کا نام ہوگا جن کے وہ مثیل ہیں یعنی جو مثیل موسیٰ ہے اس کا نام موسیٰ ہوگا اور جو مثیل عیسیٰ ہے اس کا نام عیسیٰ یا ابن مریم ہوگا۔ اور خدائے تعالیٰ نے اس آیت میں سَمی کہا مثیل نہیں کہا تا معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ ہے کہ جو شخص کسی اسرائیلی نبی کا مثیل بن کر آئے گا وہ مثیل کے نام سے نہیں پکارا جائے گا بوجہ انطباق کلّی اسی نام سے پکارا جائے گا جس نبی کا وہ مثیل بنکر آئے گا۔ ﴿۵۴۰﴾

اور مسیح ابن مریم کی وفات کے بارہ میں اگر خدائے تعالیٰ قرآن شریف میں کسی ایسے لفظ کو استعمال کرتا جس کو اس نے مختلف معنوں میں استعمال کیا ہوتا تو کسی خائن کو خیانت کرنے کی گنجائش ہوتی۔ سو خیانت پیشہ لوگوں کا خدا تعالیٰ نے ایسا بندوبست کیا کہ توفّی کے لفظ کو جو حضرت عیسیٰ کی وفات کے لئے استعمال کیا گیا تھا پچیس جگہ پر ایک ہی معنی پر استعمال کیا اور اس کو ایک اصطلاحی لفظ بنا کر ہر یک جگہ میں اس کے یہ معنے لئے ہیں کہ روح کو قبض کر لینا اور جسم کو بے کار چھوڑ دینا۔ تا یہ لفظ اس بات پر دلالت کرے کہ روح ایک باقی رہنے والی چیز ہے جو بعد موت اور ایسا ہی حالت خواب میں بھی خدائے تعالیٰ کے قبضہ میں آ جاتی ہے اور جسم پر فنا طاری ہوتی ہے مگر روح پر نہیں۔ اور چونکہ یہی معنی بالالتزام ہر یک محل میں جہاں **توفّی** کا لفظ آیا ہے لئے گئے اور ان سے خروج نہیں کیا گیا اس لئے یہ معنے نصوص صریحہ بیّنہ ظاہرہ قرآن کریم میں سے ٹھہر گئے جن سے انحراف کرنا الحاد ہوگا کیونکہ یہ مسلّم ہے کہ **النصوص یحمل علٰی ظواھرھا**۔ پس قرآن کریم نے توفّی ﴿۵۴۱﴾

[1] مریم:۸

کے لفظ کو جو محل متنازعہ فیہ میں یعنی مسیح کی وفات کے متعلق ہے تئیس جگہ ایک ہی معنوں پر اطلاق کر کے ایسا کھول دیا ہے کہ اب اس کے ان معنوں میں کہ روح قبض کرنا اور جسم کو چھوڑ دینا ہے ایک ذرہ شک وشبہ کی جگہ نہیں رہی۔ بلکہ یہ اول درجہ کے بیّنات اور مطالب صریحہ ظاہرہ بدیہہ میں سے ہو گیا جس کو قطع اور یقین کا اعلیٰ مرتبہ حاصل ہے جس سے انکار کرنا بھی اول درجہ کی نادانی ہے۔

اب قرآن کریم میں اس لفظ کی تشریح کرنے میں صرف دو سبیل ہیں تیسرا کوئی سبیل نہیں۔

(۱) دائمی طور پر روح کو قبض کر کے جسم کو بیکار چھوڑ دینا۔ جس کا دوسرے لفظوں میں اِمَاتت نام ہے یعنی مار دینا۔

(۲) دوسرے کچھ تھوڑی مدّت کے لئے روح کا قبض کرنا اور جسم کو بیکار چھوڑ دینا۔ جس کا دوسرے لفظوں میں اِنَامت نام ہے۔ یعنی سُلا دینا۔ لیکن ظاہر ہے کہ محل متنازعہ فیہ سے دوسرے قسم کے معنے کو کچھ تعلق نہیں۔ کیونکہ سونا اور پھر جاگ اُٹھنا ایک معمولی بات ہے۔ جب تک انسان سویا رہا روح اس کی خدائے تعالیٰ کے قبضہ میں رہی اور جب جاگ اُٹھا تو پھر روح اس جسم میں آگئی جو بطور بیکار چھوڑا گیا تھا۔ یہ بات صفائی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ ﴿۵۴۲﴾ جبکہ توفّی کے لفظ سے صرف روح کا قبضہ میں کر لینا مراد ہے بغیر اس کے جو جسم سے کچھ سروکار ہو بلکہ جسم کا بیکار چھوڑ دینا توفی کے مفہوم میں داخل ہے تو اس صورت میں اس سے بڑھ کر اَور کوئی حماقت نہیں کہ توفی کے یہ معنے کئے جائیں کہ خدائے تعالیٰ جسم کو اپنے قبضہ میں کر لیوے کیونکہ اگر یہ معنے صحیح ہیں تو نمونہ کے طور پر قرآن کریم کے کسی اور مقام میں بھی ایسے معنے ہونے چاہئیں مگر ابھی ہم ظاہر کر چکے ہیں کہ قرآن کریم اول سے آخر تک صرف یہی معنے ہر یک جگہ مراد لیتا ہے کہ روح کو قبض کر لینا اور جسم سے کچھ تعلق نہ رکھنا بلکہ اِس کو بیکار چھوڑ دینا۔ مگر فرض کے طور پر اگر مسیح ابن مریم کے محل وفات میں دوسرے معنے مراد لیں تو اُن کا ماحصل یہ ہوگا کہ مسیح کچھ مدّت تک سویا رہا اور پھر جاگ اُٹھا۔ پس اس سے تو

ثابت نہ ہو سکا کہ جسم آسمان پر چلا گیا۔ کیا جو لوگ رات کو یا دن کو سوتے ہیں تو اُن کا جسم آسمان پر چلا جایا کرتا ہے۔ سونے کی حالت میں جیسا کہ ابھی میں بیان کر چکا ہوں صرف تھوڑی مدّت تک روح قبض کر لی جاتی ہے جسم کے اٹھائے جانے سے اس کو علاقہ ہی کیا ہے۔ ابھی ﴿۵۴۳﴾ میں بیان کر چکا ہوں کہ نصوص ظاہرہ متواترہ صریحہ قرآن کریم نے توفّی کے لفظ کو صرف روح تک محدود رکھا ہے یعنی روح کو اپنے قبضہ میں کر لینا اور جسم کو بیکار چھوڑ دینا۔ اور جبکہ یہ حال ہے تو پھر توفّی کے لفظ سے یہ نکالنا کہ گویا خدائے تعالیٰ نے نہ صرف مسیح ابن مریم کی روح کو اپنی طرف اٹھایا بلکہ اس کے جسم عنصری کو بھی ساتھ ہی اٹھا لیا۔ یہ کیسا سخت جہالت سے بھرا ہوا خیال ہے جو صریح اور بدیہی طور پر نصوص بیّنہ قرآن کریم کے مخالف ہے۔ قرآن کریم نے نہ ایک بار نہ دو بار بلکہ پچیس بار فرما دیا کہ توفّی کے لفظ سے صرف قبض روح مراد ہے جسم سے کچھ غرض نہیں۔ پھر اگر اب بھی کوئی نہ مانے تو اس کو قرآن کریم سے کیا غرض۔ اس کو تو صاف یہ کہنا چاہیئے کہ میں اپنے چند موہومی بزرگوں کی لکیر کو کسی حالت میں چھوڑنا نہیں چاہتا۔

پھر قرآن کریم کے بعد حدیثوں کا مرتبہ ہے سو تقریباً تمام حدیثیں تصریح کے ساتھ قرآن کریم کے بیان کے موافق ہیں اور ایک بھی ایسی حدیث نہیں جس میں یہ لکھا ہو کہ وہی مسیح ابن مریم اسرائیلی نبی جس کو قرآن شریف مار چکا ہے جس پر انجیل نازل ہوئی تھی پھر ﴿۵۴۴﴾ دنیا میں آئے گا۔ ہاں بار بار لکھا ہے کہ ان اسرائیلی نبیوں کے ہم نام آئیں گے۔ سچ ہے کہ حدیثوں میں درج ہے کہ ابن مریم آئے گا لیکن انہیں حدیثوں نے حلیہ میں اختلاف ڈال کر اور آنے والے ابن مریم کو اُمتی ٹھہرا کر صاف بتلا دیا ہے کہ یہ ابن مریم اَور ہے۔ اور پھر اگر اس قسم کی حدیثوں کی تشریح کے لئے جو متنازعہ فیہ ہیں دوسری حدیثوں سے مدد لینا چاہیں تو پھر کوئی ایسی حدیث نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہو کہ گذشتہ نبیوں میں سے کبھی کوئی نبی بھی دنیا میں آئے گا۔ ہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ اُن کے مثیل آئیں گے اور

انہیں کے اسم سے موسوم ہوں گے۔

اور یہ بات ہم کئی مرتبہ لکھ چکے ہیں کہ خاتم النبیّین کے بعد مسیح ابن مریم رسول کا آنا فساد عظیم کا موجب ہے اس سے یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ وحی نبوت کا سلسلہ پھر جاری ہو جائے گا اور یا یہ قبول کرنا پڑے گا کہ خدائے تعالیٰ مسیح ابن مریم کو لوازم نبوت سے الگ کر کے اور محض ایک اُمّتی بنا کر بھیجے گا اور یہ دونوں صورتیں ممتنع ہیں۔

﴿۵۴۵﴾ اس جگہ یہ بیان کرنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ جس حالت میں تقریباً کل حدیثیں قرآن شریف کے مطابق اور ہمارے بیان کی مؤید ہیں۔ پھر اگر بطور شاذ و نادر کوئی ایسی حدیث بھی ہو جو اس مجموعہ یقینیہ کے مخالف ہو تو ہم ایسی حدیث کو یا تو نصوص میں سے خارج کریں گے اور یا اس کی تاویل کرنی پڑے گی۔ کیونکہ یہ تو ممکن نہیں کہ ایک ضعیف اور شاذ حدیث سے وہ مستحکم عمارت گرادی جائے جس کو نصوص بیّنہ فرقانیہ وحدیثیہ نے طیار کیا ہے بلکہ ایسی حدیث اُن کے معارض ہو کر خود ہی گرے گی یا قابل تاویل ٹھہرے گی۔ ہریک عاقل سمجھ سکتا ہے کہ ایک خبر واحد غایت کار مفید ظن ہے۔ سو وہ یقینی اور قطعی ثبوت کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ بہت سی حدیثیں مسلم اور بخاری کی ہیں جو امام اعظم صاحب نے جو رئیس الائمہ ہیں قبول نہیں کیں۔ بعض حدیثوں کو شافعی نے نہیں لیا۔ بعض حدیثوں کو جو نہایت صحیح سمجھی جاتی ہیں امام مالک نے چھوڑ دیا۔ بعض محدثین نے لکھا ہے کہ مسیح موعود جب دنیا میں آئے گا تو اکثر استدلال اس کا قرآن شریف سے ہوگا اور بعض ایسی حدیثوں کو چھوڑ دے گا جن پر علماءِ وقت کا پختہ یقین ہوگا اور مجدّد الف ثانی صاحب اپنے مکتوبات کی مجلد ثانی مکتوب پنجاہ و پنجم میں لکھتے ہیں کہ مسیح موعود جب دنیا میں آئے گا تو علماءِ وقت کے بمقابل اس کے ﴿۵۴۶﴾ آمادہ مخالفت کے ہو جائیں گے۔ کیونکہ جو باتیں بذریعہ اپنے استنباط اور اجتہاد کے وہ بیان کرے گا وہ اکثر دقیق اور غامض ہوں گی اور بوجہ دِقّت اور غموض ماخذ کے ان سب مولویوں کی نگاہ میں کتاب اور سُنت کے برخلاف نظر آئیں گی حالانکہ درحقیقت برخلاف

نہیں ہوں گی۔ دیکھو صفحہ نمبر ۱۰۷ مکتوبات امام ربّانی مطبوعہ احمدی دہلی۔

سو اب اے بھائیو! برائے خدا دھکہ اور زبردستی مت کرو ضرور تھا کہ میں ایسی باتیں پیش کرتا جن کے سمجھنے میں تمہیں غلطی لگی ہوئی تھی۔ اگر تم پہلے ہی راہ صواب پر ہوتے تو میرے آنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ میں کہہ چکا ہوں کہ میں اس اُمّت کی اصلاح کے لئے ابن مریم ہو کر آیا ہوں اور ایسا ہی آیا ہوں کہ جیسے حضرت مسیح ابن مریم یہودیوں کی اصلاح کے لئے آئے تھے۔ میں اسی وجہ سے تو اُن کا مثیل ہوں کہ مجھے وہی اور اُسی طرز کا کام سپرد ہوا ہے جیسا کہ انہیں سپرد ہوا تھا۔ مسیح نے ظہور فرما کر یہودیوں کو بہت سی غلطیوں اور بے بنیاد خیالات سے رہائی دی تھی۔ منجملہ اس کے ایک یہ بھی تھا کہ یہودی لوگ ایلیا نبی کے دوبارہ دنیا میں آنے کی ایسی ہی اُمید باندھے بیٹھے تھے جیسے آج کل مسلمان مسیح ابن مریم رسول اللہ کے دوبارہ آنے کی امید باندھے بیٹھے ہیں۔ سو مسیح نے یہ کہہ کر کہ ایلیا نبی اب آسمان سے اُتر نہیں سکتا زکریا کا بیٹا یحیٰی ایلیا ہے جس نے قبول کرنا ہے کرے اس پُرانی غلطی کو دُور کیا اور یہودیوں کی زبان سے اپنے تئیں مُلحد اور کتابوں سے پھرا ہوا کہلایا مگر جو سچ تھا وہ ظاہر کر دیا۔ یہی حال اُس کے مثیل کا بھی ہوا اور حضرت مسیح کی طرح اس کو بھی مُلحد کا خطاب دیا گیا۔ کیا یہ اعلیٰ درجہ کی مماثلت نہیں۔ ﴿۵۴۷﴾

اس باریک نکتہ کو یاد رکھو کہ مسلمانوں کو یہ کیوں خوشخبری دی گئی کہ تم میں مسیح ابن مریم نازل ہوگا۔ دراصل اس میں بھید یہ ہے کہ ہمارے سیّد و مولیٰ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم مثیل موسیٰ علیہ السلام ہیں اور یہ اُمّت محمدیہ مثیل اُمّت بنی اسرائیل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی کہ آخری زمانہ میں یہ اُمّت ایسی ہی بگڑ جائیگی جیسے یہودی اپنے آخری وقت میں بگڑ گئے تھے اور حقیقی نیکی اور حقیقی سچائی اور حقیقی ایمانداری اُن میں سے اُٹھ گئی تھی اور نکمّے اور بے اصل جھگڑے اُن میں برپا ہو گئے تھے اور ایمانی محبت ٹھنڈی ہو گئی تھی اور فرمایا کہ تم تمام وہی کام کرو گے جو یہودیوں نے کئے۔ یہاں تک ﴿۵۴۸﴾

کہ اگر یہودی سوسمار کے سوراخ میں داخل ہوئے ہیں تو تم بھی اُسی سوراخ میں داخل ہوگے۔ یعنی پورے پورے یہودی ہو جاؤ گے۔ اور چونکہ یہودیوں کی اس تباہ حالت میں خدائے تعالیٰ نے انہیں فراموش نہیں کیا تھا بلکہ اُن کے اخلاق و اعمال درست کرنیکے لئے اور اُن کی غلطیوں کی اصلاح کرنے کی غرض سے مسیح ابن مریم کو انہیں میں سے بھیجا تھا لہٰذا اس اُمت کو بھی بشارت دی گئی کہ جب تمہاری حالت بھی اُن سخت دل یہودیوں کے موافق ہو جائے گی اور تم بھی ظاہر پرست اور بدچلن اور رُو بدُنیا ہو جاؤ گے اور تمہارے فقراء اور علماء اور دنیاداروں میں اپنی اپنی طرز پر مکاری اور بدچلنی پھیل جائے گی اور وہ شے جس کا نام توحید اور خداپرستی اور خداترسی اور خداخواہی ہے بہت ہی کم رہ جائے گی تو مثالی طور پر تمہیں بھی ایک ابن مریم تم میں سے دیا جائے گا تا تمہاری اخلاقی اور عملی اور ایمانی حالت کے درست کرنے کے لئے ایسا ہی زور لگاوے جیسا کہ مسیح ابن مریم نے لگایا تھا۔

﴿۵۴۹﴾ اب صاف اور نہایت کُھلا کُھلا قرینہ ہے کہ چونکہ اس زمانہ کے مسلّمان دراصل یہودی نہیں ہیں بلکہ انہوں نے اپنی سخت دلی اور دنیا پرستی کی وجہ سے یہودیوں سے ایک مشابہت پیدا کرلی ہے اس لئے جو مسیح ابن مریم اُن کے لئے نازل ہوا وہ بھی دراصل مسیح ابن مریم نہیں ہے بلکہ اپنے اس منصبی کام میں جو اس کے سپرد ہوا ہے مسیح سے مماثلت رکھتا ہے۔

یقیناً سمجھو کہ مسیح ابن مریم رسول اللہ فوت ہو چکا اور خدا تعالیٰ نے اس کو فوت ہونے کے بعد اُسی قسم کی زندگی بخشی جو وہ ہمیشہ نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں کو بخشتا آیا ہے۔ سو وہ خدائے تعالیٰ کی طرف ایک پاک اور لطیف زندگی کے ساتھ جو جسم خاکی اور اُس کے لوازم کثیفہ اور مکدّرہ سے منزّہ ہے اُٹھایا گیا اور اسی قسم کے زندوں کی جماعت میں جاملا۔ اگر وہ جسم خاکی کے ساتھ اُٹھایا جاتا تو اس خاکی جسم کے لوازم بھی اُس کے ساتھ رہتے۔ کیونکہ اللہ جلَّ شَانُہٗ فرماتا ہے کہ ہم نے کوئی ایسا جسد خاکی نہیں بنایا کہ وہ زندہ تو ہو مگر روٹی نہ کھاتا ہو۔ لیکن آپ لوگ مانتے ہیں کہ اب مسیح ابن مریم کا جسم

﴿۵۵۰﴾ آسمان پر ایسا ہے کہ اُس میں خاکی جسم کے لوازم ہرگز نہیں پائے جاتے۔ وہ بڈھا نہیں ہوتا اُس پر زمانہ اثر نہیں کرتا۔ وہ اناج اور پانی کا محتاج نہیں۔ سو آپ نے تو ایک طور سے مان بھی لیا کہ وہ اور رنگ اور شان کا جسم ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ معراج کی رات میں جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمانوں پر نبیوں کو دیکھا تو کیا بالخصوص مسیح کو ہی جسم کے سمیت دیکھا اور دوسروں کی فقط روحیں دیکھیں بلکہ ظاہر ہے کہ سب کو روح اور جسم دونوں کے ساتھ دیکھا اور سب کا جسمانی حلیہ بھی بیان کیا اور مسیح کا وہ حلیہ بیان کیا جو آنے والے مسیح سے بالکل مخالف تھا۔ پس کیا یہ قوی دلیل اس بات پر نہیں ہے کہ مسیح کو اس کے مرنے کے بعد اُسی رنگ اور طرز کا جسم ملا جو یحییٰ نبی اور ادریس اور یوسف اور حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم کو ملا تھا۔ کیا کوئی نرالی بات مسیح میں دیکھی گئی جو اَوروں میں نہیں تھی۔ اب جبکہ ایسی وضاحت سے مسیح کا وفات پا جانا اور پھر دوسرے نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں کی طرح زندہ ہو کر آسمان کی طرف اُٹھائے جانا ثابت ہوتا ہے تو کیوں ناحق مسیح کے سفلی اور کثیف جسم اور ناپائدار حیات کے لئے ضد کی جاتی ہے اور سب کے لئے ایک موت اور اس کے لئے دو موتیں روا رکھی
﴿۵۵۱﴾ جاتی ہیں۔ قرآن شریف میں ادریسؑ نبی کے حق میں ہے وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا [1]۔ اور اس کے ساتھ توفّی کا کہیں لفظ نہیں تاہم علماء ادریسؑ کی وفات کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ اس جہان سے ایسا اٹھایا گیا کہ پھر نہیں آئے گا یعنی مر گیا کیونکہ بغیر مرنے کے کوئی اس جہان سے ہمیشہ کے لئے رخصت نہیں ہوسکتا۔ وجہ یہ کہ اس دنیا سے نکلنے اور بہشت میں داخل ہونے کا موت ہی دروازہ ہے۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ [2]۔ اور اگر انہیں کہا جائے کہ کیا ادریس آسمان پر مر گیا یا پھر آکر مرے گا یا آسمان پر ہی اس کی روح قبض کی جائے گی تو ادریسؑ کے دوبارہ دنیا میں آنے سے صاف انکار کرتے ہیں۔ اور چونکہ دخول جنت سے پہلے موت ایک لازمی امر ہے لہٰذا ادریس کا فوت ہو جانا مان لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ

[1] مریم:۵۸ [2] العنکبوت:۵۸

رفع کے اس جگہ معنے موت ہی ہیں۔ پھر جبکہ مسیح کے رفع کے ساتھ توفّی کا لفظ بھی موجود ہے تو کیوں اور کس دلیل سے اس کی حیات کے لئے ایک شور قیامت برپا کر دیا ہے۔ افسوس کہ اس وقت کے مولوی جب دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم مسیح ابن مریم کو مار چکا ہے اور کوئی حدیث صحیح اس کے منافی و مغائر نہیں تو لاچار ہوکر اجماع کی طرف دوڑتے ہیں۔ ہر چند اِن لوگوں کو بار بار کہا جاتا ہے کہ حضرات اجماع کا لفظ پیشگوئیوں کے متعلق ہرگز نہیں ہوسکتا۔ قبل از ظہور ایک نبی کی اجتہادی تاویل میں بھی غلطی ممکن ہے۔ لیکن یہ لوگ نہیں مانتے اور یہ بھی نہیں جانتے کہ اجماع کی بناء یقین اور انکشاف کلّی پر ہوا کرتی ہے لیکن سلف و خلف کے ہاتھ میں جن کی طرف اجماع کا دعویٰ منسوب کیا جاتا ہے نہ یقین کلّی تھا نہ انکشاف تام۔ اگر ان کے خیالات کی بناء ایک کامل یقین پر ہوتی تو اُن سے اقوال متفرقہ صادر نہ ہوتے۔ اور تفسیر کی کتابوں میں زیر تفسیر آیت **یٰعیسٰۤی انّی متوفیک** چھ چھ سات سات اقوال متضادہ نہ لکھے ﴿۵۵۲﴾ جاتے بلکہ ایک ہی شق مسلّم کو مانتے چلے آتے اور اگر انکشاف تام اُن کے نصیب ہوتا تو وہ بحوالہ قرآن کریم و احادیث صحیحہ ضرور لکھتے کہ آنے والا مسیح ابن مریم دراصل وہی مسیح ابن مریم رسول اللہ ہے جس پر انجیل نازل ہوئی تھی جو اسرائیلی نبی تھا۔ بلکہ انہوں نے اس مقام کی تصریح میں دم بھی نہیں مارا اور اصل حقیقت کو حوالہ بخدا کر کے گذر گئے جیسا کہ صلحاء کی سیرت ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ زمانہ آ گیا جو خدا تعالیٰ نے وہ اصل حقیقت اپنے ایک بندہ پر کھول دی اور جو راز مخفی چلا آتا تھا اس پر ظاہر کر دیا تا اس کے حق میں یہ خارق عادت تفہیم جس کے دریافت سے تمام علماء کی عقلیں قاصر رہیں ایک کرامت میں شمار کی جائے۔ **وذٰلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشآء**۔

سو اے بھائیو! برائے خدا جلدی مت کرو اور اپنے علم اور فراست پر داغ مت لگاؤ یقیناً سمجھو کہ گریز کی تمام راہیں بند ہیں اور انکار کے تمام طرق مسدود ہیں۔ اگر یہ کاروبار انسان کی طرف سے ہوتا یا اگر کسی افترا پر اس کی بنیاد ہوتی تو یہ دلائل بیّنہ اس کے

﴿۵۵۳﴾ شامل حال ہرگز نہ ہوتے۔ بعض کہتے ہیں کہ اگر ہم قبول بھی کر لیں کہ مسیح ابن مریم رسول اللہ فوت ہو گیا ہے تو اس بات کا ثبوت کیا ہے کہ تم ہی ہو جو اس کے قائم مقام بھیجے گئے ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہریک انسان اپنے کاموں سے شناخت کیا جاتا ہے۔ ہرچند عوام کی نظر میں یہ دقیق اور غامض بات ہے لیکن زیرک لوگ اس کو خوب جانتے ہیں کہ ایسے مامور من اللہ کی صداقت کا اس سے بڑھ کر اَور کوئی ثبوت ممکن نہیں کہ جس خدمت کے لئے اس کا دعویٰ ہے کہ اس کے بجالانے کے لئے میں بھیجا گیا ہوں۔ اگر وہ اس خدمت کو ایسی طرز پسندیدہ اور طریق برگزیدہ سے ادا کر دیوے جو دوسرے اس کے شریک نہ ہو سکیں تو یقیناً سمجھا جائے گا کہ وہ اپنے دعویٰ میں سچا تھا کیونکہ ہریک چیز اپنی علّت غائی سے شناخت کی جاتی ہے۔ اور یہ خیال بالکل فضول ہے کہ جو مثیل مسیح کہلاتا ہے وہ مسیح کی طرح مُردوں کو زندہ کر کے دکھلاوے یا بیماروں کو اچھا کر کے دکھلاوے کیونکہ مماثلت علّت غائی میں ہوتی ہے۔ درمیانی افعال کی
﴿۵۵۴﴾ مماثلت معتبر نہیں ہوتی۔ بائبل کی کتابوں کو پڑھنے والے جانتے ہیں کہ جو خوارق مسیح کی طرف منسوب کئے گئے ہیں یعنی مردوں کا زندہ کرنا یا بیماروں کو اچھا کرنا یہ مسیح سے مخصوص نہیں ہے بلکہ بعض بنی اسرائیلی ایسے بھی گزرے ہیں کہ اِن سب کاموں میں نہ صرف مسیح ابن مریم کے برابر بلکہ اس سے بھی آگے بڑھے ہوئے تھے لیکن پھر بھی ان کو مثیل مسیح نہیں کہا جاتا نہ مسیح کو اُن کا مثیل ٹھہرایا جاتا ہے۔ ایسا ہی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مثیل موسیٰ قرار دئے گئے ہیں۔ قرآن کریم اس پر ناطق ہے لیکن کبھی کسی نے نہیں سُنا ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سوٹے سے حضرت موسیٰ کی طرح سانپ بنایا ہو یا آسمان سے خون اور جوئیں اور مینڈکیں برسائی ہوں بلکہ اس جگہ بھی علّت غائی میں مشابہت مراد ہے چونکہ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کی رہائی دلانے کے لئے مامور کئے گئے تھے سو یہی خدمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد ہوئی تا اس وقت کے فرعونوں سے زبردست ہاتھ کے ساتھ مومنوں کو رہائی دلاویں اور جیسا کہ نصرت الٰہی ایک خاص رنگ میں حضرت موسیٰ کے

شامل حال ہوئی۔ ایسا ہی نصرت الٰہی ایک دوسرے رنگ میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شامل حال ہوگئی اور درحقیقت وہی نصرت ہے جو اپنے اپنے محل پر رنگارنگ کے معجزات کے نام سے موسوم ہوتی ہے۔ سو میں خوب جانتا ہوں کہ جیسا کہ نصرت الٰہی حضرت مسیح کے شامل ﴿۵۵۵﴾
حال ہوئی تھی میں بھی اس نصرت سے بے نصیب نہیں رہوں گا لیکن یہ ضرور نہیں کہ وہ نصرت جسمانی بیماروں کے اچھا کرنے سے ظاہر ہو بلکہ خدائے تعالیٰ نے ایک الہام میں میرے پر ظاہر فرمایا ہے کہ خلق اللہ کی روحانی بیماریوں اور شکوک اور شبہات کو وہ نصرت دُور کرے گی۔ جیسا کہ میں پہلے اس سے لکھ چکا ہوں اور میں دیکھتا ہوں کہ مستعد دلوں پر اثر پڑتا جاتا ہے اور پرانی بیماریاں دور ہوتی جاتی ہیں اور نصرت الٰہی اندر ہی اندر کام کر رہی ہے اور خدا تعالیٰ نے اپنے خاص کلام سے میری طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ نبی ناصری کے نمونہ پر اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ روحانی بیماریوں کو بہت صاف کر رہا ہے اس سے زیادہ کہ کبھی جسمانی بیماریوں کو صاف کیا گیا ہو۔

حال کے نیچری جن کے دلوں میں کچھ بھی عظمت قال اللہ اور قال الرسول کی باقی نہیں رہی یہ بے اصل خیال پیش کرتے ہیں کہ جو مسیح ابن مریم کے آنے کی خبریں صحاح میں موجود ہیں یہ تمام خبریں ہی غلط ہیں۔ شاید اُن کا ایسی باتوں سے مطلب یہ ہے کہ تا اس عاجز کے اس ﴿۵۵۶﴾
دعوے کی تحقیر کر کے کسی طرح اس کو باطل ٹھہرایا جاوے لیکن وہ اس قدر متواترات سے انکار کر کے اپنے ایمان کو خطرہ میں ڈالتے ہیں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ تواتر ایک ایسی چیز ہے کہ اگر غیر قوموں کی تواریخ کے رو سے بھی پایا جائے تو تب بھی ہمیں قبول کرنا ہی پڑتا ہے۔ جیسا کہ ہندوؤں کے بزرگوں رام چندر اور کرشن وغیرہ کا وجود تواتر کے ذریعہ سے ہی ہم نے قبول کیا ہے۔ گو تحقیق و تفتیش تاریخی واقعات میں ہندو لوگ بہت کچّے ہیں مگر باوجود اس قدر تواتر کے جو اُن کی مسلسل تحریروں سے پایا جاتا ہے ہرگز یہ گمان نہیں ہوسکتا کہ راجہ رام چندر اور راجہ کرشن یہ فرضی ہی نام ہیں۔

اب سمجھنا چاہیئے کہ گو اجمالی طور پر قرآن شریف اکمل واتم کتاب ہے مگر ایک حصہ کثیرہ دین کا اور طریقہ عبادات وغیرہ کا مفصل اور مبسوط طور پر احادیث سے ہی ہم نے لیا ہے اور اگر احادیث کو ہم بکلّی ساقط الاعتبار سمجھ لیں تو پھر اس قدر بھی ثبوت دینا ہمیں مشکل ہوگا کہ درحقیقت حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما وعثمان ذوالنورین ؓ اور جناب علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ
﴿۵۵۷﴾ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام اور امیر المؤمنین تھے اور وجود رکھتے تھے صرف فرضی نام نہیں کیونکہ قرآن کریم میں ان میں سے کسی کا نام نہیں۔ ہاں اگر کوئی حدیث قرآن شریف کی کسی آیت سے صریح مخالف ومغائر پڑے مثلاً قرآن شریف کہتا ہے کہ مسیح ابن مریم فوت ہوگیا اور حدیث یہ کہے کہ فوت نہیں ہوا تو ایسی حدیث مردود اور ناقابل اعتبار ہوگی لیکن جو حدیث قرآن شریف کے مخالف نہیں بلکہ اس کے بیان کو اور بھی بسط سے بیان کرتی ہے وہ بشرطیکہ جرح سے خالی ہو قبول کرنے کے لائق ہے۔ پس یہ کمال درجہ کی بے نصیبی اور بھاری غلطی ہے کہ یک لخت تمام حدیثوں کو ساقط الاعتبار سمجھ لیں اور ایسی متواتر پیشگوئیوں کو جو خیر القرون میں ہی تمام ممالک اسلام میں پھیل گئی تھیں اور مسلّمات میں سے سمجھی گئی تھیں بد موضوعات داخل کر دیں۔ یہ بات پوشیدہ نہیں کہ مسیح ابن مریم کے آنیکی پیشگوئی ایک اول درجہ کی پیشگوئی ہے جس کو سب نے بالاتفاق قبول کرلیا ہے اور جس قدر صحاح میں پیشگوئیاں لکھی گئی ہیں کوئی پیشگوئی اس کے ہم پہلو اور ہم وزن ثابت نہیں ہوتی۔ تواتر کا اول درجہ اس کو حاصل ہے۔ انجیل بھی اس کی مصدّق ہے۔ اب اس قدر ثبوت پر پانی پھیرنا اور یہ کہنا کہ یہ تمام حدیثیں موضوع ہیں درحقیقت اُن لوگوں کا کام ہے جن کو خدائے تعالیٰ نے بصیرت دینی اور حق شناسی سے کچھ بھی بخرہ اور حصہ نہیں دیا اور بباعث اس کے کہ اُن لوگوں کے دلوں میں قال اللہ اور قال الرسول کی عظمت باقی نہیں رہی اس لئے جو بات اُن کی اپنی سمجھ سے بالاتر
﴿۵۵۸﴾ ہو اس کو محالات اور ممتنعات میں داخل کر لیتے ہیں۔ قانون قدرت بے شک حق اور باطل کے آزمانے کے لئے ایک آلہ ہے مگر ہر ایک قسم کی آزمائش کا اسی پر مدار نہیں۔

اس کے علاوہ اور آلات اور محک بھی تو ہیں جن کے ذریعہ سے اعلیٰ درجہ کی صداقتیں آزمائی جاتی ہیں۔ بلکہ اگر سچ پوچھو تو قانون قدرت مصطلحہ حکماء کے ذریعہ سے جو جو صداقتیں معلوم ہوتی ہیں وہ ایک ادنیٰ درجہ کی صداقتیں ہیں لیکن اس فلسفی قانون قدرت سے ذرہ اُوپر چڑھ کر ایک اور قانون قدرت بھی ہے جو نہایت دقیق اور غامض اور بباعث دقّت وغموض موٹی نظروں سے چھپا ہُوا ہے جو عارفوں پر ہی کھلتا ہے اور فانیوں پر ہی ظاہر ہوتا ہے۔ اس دنیا کی عقل اور اس دنیا کے قوانین شناس اس کو شناخت نہیں کر سکتے اور اس سے منکر رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو امور اس کے ذریعہ سے ثابت ہو چکے ہیں اور جو سچائیاں اس کی طفیل سے بپایہ ثبوت پہنچ چکی ہیں وہ ان سفلی فلاسفروں کی نظر میں اباطیل میں داخل ہیں۔ ملائک کو یہ لوگ صرف قویٰ خیال کرتے ہیں اور وحی کو یہ لوگ صرف فکر اور سوچ کا ایک نتیجہ سمجھتے ہیں یا ہر یک بات جو دل میں پڑتی ہے اس کا نام وحی رکھ لیتے ہیں اور قرآن کریم اور دوسری الٰہی ﴿۵۵۹﴾ کتابوں کو ایسا خیال کرتے ہیں کہ گویا نبیوں نے آپ بنالی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ذات قوی اور قیوم جو اس عالم کے ظاہر و باطن کی مدبّر ہے اس کی عظمت اُن کے دل میں نہیں اور اس کو ایک مردہ یا سویا ہوا یا ناتواں اور غافل خیال کیا گیا ہے اور اس کی تمام قدرتی عمارت کے مسمار کرنے کی فکر میں ہیں معجزات سے بکلّی منکر اور فرقانی پیشگوئیوں سے انکاری ہیں اور اپنی نابینائی کی وجہ سے فرقان کریم کو ایک ادنیٰ سا معجزہ بھی نہیں سمجھتے حالانکہ وہ تمام معجزات سے برتر و اعلیٰ ہے۔ بہشت اور دوزخ کی ایسی ضعیف طور پر تاویل کرتے ہیں کہ جس سے منکر ہونا ہی ثابت ہوتا ہے۔ حشر اجساد سے بکلّی انکاری ہیں۔ عبادات اور صوم وصلوٰۃ پر ہنسی اور ٹھٹھا کرتے ہیں اور رُوبحق ہونے کی جگہ رُوبدُنیا ہونا اُنکے نزدیک بہتر ہے اور جو شخص روبحق ہو وہ اُن کے نزدیک سادہ لوح اور ابلہ اور بیوقوف درویش ہے۔ مسلمانوں کی بدقسمتی سے یہ فرقہ بھی اسلام میں پیدا ہو گیا جس کا قدم دن بدن الحاد کے میدانوں میں ﴿۵۶۰﴾ آگے ہی آگے چل رہا ہے۔

اے خدا اے میرے قادر خدا مدد کر کہ لوگوں نے افراط اور تفریط کی راہیں لے لی ہیں۔ بعض نے تیرے کلام کے بیّنات تیرے کلام کے اشارات تیرے کلام کے دلالات تیرے کلام کی فحوا کو بکلّی چھوڑ کر بے بنیاد لکیر کو اس کی جگہ پسند کر لیا اور بعض نے تیرے کلام کو بھی چھوڑا اور لکیر کو بھی چھوڑا اور صرف اپنی ناقص عقل کو اپنا رہبر بنا لیا اور امام الرسل کو چھوڑ کر یورپ کے تاریک خیال محجوب فلاسفروں کو اپنا امام بنا لیا۔

اے میرے دوستو! اب میری ایک آخری وصیت کو سنو اور ایک راز کی بات کہتا ہوں اس کو خوب یاد رکھو کہ تم اپنے ان تمام مناظرات کا جو عیسائیوں سے تمہیں پیش آتے ہیں پہلو بدل لو اور عیسائیوں پر یہ ثابت کر دو کہ درحقیقت مسیح ابن مریم ہمیشہ کے لئے فوت ہو چکا ہے۔ یہی ایک بحث ہے جس میں فتحیاب ہونے سے تم عیسائی مذہب کی روئے زمین سے صف لپیٹ دو گے۔ تمہیں کچھ بھی ضرورت نہیں کہ دوسرے لمبے لمبے جھگڑوں میں اپنے اوقاتِ عزیز کو ضائع کرو۔ صرف مسیح ابن مریم کی وفات پر زور دو اور پُرزور دلائل سے عیسائیوں کو لاجواب ﴿۵۶۱﴾
اور ساکت کر دو۔ جب تم مسیح کا مردوں میں داخل ہونا ثابت کر دو گے اور عیسائیوں کے دلوں میں نقش کر دو گے تو اُس دن تم سمجھ لو کہ آج عیسائی مذہب دنیا سے رخصت ہوا۔ یقیناً سمجھو کہ جب تک ان کا خدا فوت نہ ہو اُن کا مذہب بھی فوت نہیں ہو سکتا۔ اور دوسری تمام بحثیں اُن کے ساتھ عبث ہیں۔ اُنکے مذہب کا ایک ہی ستون ہے اور وہ یہ ہے کہ اب تک مسیح ابن مریم آسمان پر زندہ بیٹھا ہے۔ اس ستون کو پاش پاش کرو پھر نظر اُٹھا کر دیکھو کہ عیسائی مذہب دنیا میں کہاں ہے۔ چونکہ خدائے تعالیٰ بھی چاہتا ہے کہ اِس ستون کو ریزہ ریزہ کرے اور یورپ اور ایشیا میں توحید کی ہوا چلا دے۔ اِس لئے اُس نے مجھے بھیجا اور میرے پر اپنے خاص الہام سے ظاہر کیا کہ مسیح ابن مریم فوت ہو چکا ہے۔ چنانچہ اس کا الہام یہ ہے کہ **مسیح ابن مریم رسول اللہ فوت ہو چکا ہے اور اُس کے رنگ میں ہو کر وعدہ کے موافق تُو آیا ہے وکان وعد اللّٰہ** ﴿۵۶۲﴾
مفعولا انت معی وانت علی الحق المبین انت مصیب ومعین للحق۔

میں نے اس کتاب میں نہایت زبردست ثبوتوں سے مسیح کا فوت ہو جانا اور اموات میں داخل ہونا ثابت کر دیا ہے اور میں نے بداہت کی حد تک اس بات کو پہنچا دیا ہے کہ مسیح زندہ ہو کر جسم عنصری کے ساتھ ہرگز آسمان کی طرف اُٹھایا نہیں گیا بلکہ اَور نبیوں کی موت کی طرح اُس پر بھی موت آئی اور دائمی طور پر وہ اس جہان سے رخصت ہوا۔ اگر کوئی مسیح کا ہی پرستار ہے تو سمجھ لے کہ وہ مر گیا اور مرنے والوں کی جماعت میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو گیا۔ سو تم تائید حق کے لئے اس کتاب سے فائدہ اٹھاؤ اور سرگرمی کے ساتھ پادریوں کے مقابل پر کھڑے ہو جاؤ۔ چاہئے کہ یہی ایک مسئلہ ہمیشہ تمہارے زیر توجہ اور پورا بھروسہ کرنیکے لائق ہو جو درحقیقت مسیح ابن مریم فوت شدہ گروہ میں داخل ہے۔ میں نے اس بحث کو اس کتاب میں بڑی دلچسپی کے ساتھ کامل اور قوی دلائل سے انجام تک پہنچایا ہے اور خدائے تعالیٰ نے اس تالیف ﴿۵۶۳﴾ میں میری وہ مدد کی ہے جو میں بیان نہیں کر سکتا اور میں بڑے دعوے اور استقلال سے کہتا ہوں کہ میں سچ پر ہوں اور خدائے تعالیٰ کے فضل سے اس میدان میں میری ہی فتح ہے اور جہاں تک میں دُور بین نظر سے کام لیتا ہوں تمام دنیا اپنی سچائی کے تحت اقدام دیکھتا ہوں اور قریب ہے کہ میں ایک عظیم الشان فتح پاؤں کیونکہ میری زبان کی تائید میں ایک اور زبان بول رہی ہے اور میرے ہاتھ کی تقویت کے لئے ایک اور ہاتھ چل رہا ہے جس کو دنیا نہیں دیکھتی مگر میں دیکھ رہا ہوں۔ میرے اندر ایک آسمانی روح بول رہی ہے۔ جو میرے لفظ لفظ اور حرف حرف کو زندگی بخشتی ہے اور آسمان پر ایک جوش اور اُبال پیدا ہوا ہے جس نے ایک پُتلی کی طرح اس مُشتِ خاک کو کھڑا کر دیا ہے۔ ہر یک وہ شخص جس پر توبہ کا دروازہ بند نہیں عنقریب دیکھ لے گا کہ میں اپنی طرف سے نہیں ہوں۔ کیا وہ آنکھیں بینا ہیں جو صادق کو شناخت نہیں کر سکتیں۔ کیا وہ بھی زندہ ہے جس کو اس آسمانی صدا کا احساس نہیں۔

وقتِ وتاریخ نزُول مسیح موعُود ﴿۵۶۴﴾

حسب اقوال اکابر سلف وخلف

ودیگرحالات

منقولہ از کتاب اٰثار القیامۃ

مولوی سید صدیق حسن خاں صاحب مرحوم نے جن کو مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب مجدّد قرار دے چکے ہیں۔ اپنی کتاب آثار القیامۃ کے صفحہ ۳۹۵ میں بتصریح لکھا ہے کہ ظہور مہدی اور نزول عیسیٰ اور خروج دجّال ایک ہی صدی میں ہوگا۔ پھر لکھا ہے کہ امام جعفر صادق کی یہ پیشگوئی تھی کہ سن دوسو ہجری میں مہدی ظہور فرمائے گا لیکن وہ برس تو گذر گئے اور مہدی ظاہر نہ ہوا۔ اگر اس پیشگوئی کی کسی کشف یا الہام پر بناء تھی تو تاویل کی جائیگی یا اس کشف کو غلط ماننا پڑے گا۔ پھر بیان کیا ہے کہ اہل سُنّت کا یہی مذہب ہے کہ **اَلْاٰیَاتُ بَعْدَ الْمِأَتَیْن** ﴿۵۶۵﴾ یعنی بارہ سو برس کے گذرنے کے بعد یہ علامات شروع ہو جائیں گی اور مہدی اور مسیح اور دجّال کے نکلنے کا وقت آجائے گا۔ پھر نعیم بن حماد کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ابوقبیل کا قول ہے کہ سن بارہ سو چار ہجری میں مہدی کا ظہور ہوگا۔ لیکن یہ قول بھی صحیح نہ نکلا۔ پھر بعد اس کے شاہ ولی اللہ صاحب محدّث دہلوی کا ایک کشف لکھتے ہیں کہ ان کو تاریخ ظہور مہدی کشفی طور پر **چراغ دین** کے لفظ میں بحساب جمل منجانب اللہ معلوم ہوئے تھے یعنی ۱۲۶۸۔ پھر لکھتے ہیں کہ یہ سال بھی گذر گئے اور مہدی کا دنیا میں کوئی نشان نہ پایا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ شاہ ولی اللہ کا یہ کشف یا الہام صحیح نہیں تھا۔ میں کہتا ہوں کہ صرف مقررہ سالوں کا گزر جانا اس کشف کی غلطی پر دلالت نہیں کرتا ہاں غلط فہمی پر دلالت کرتا ہے۔

کیونکہ پیشگوئیوں کے اوقات معیّنہ قطعی الدلالت نہیں ہوتے۔ بسا اوقات ان میں ایسے
استعارات بھی ہوتے ہیں کہ دن بیان کئے جاتے ہیں اور اُن سے برس مراد لئے جاتے
ہیں۔ پھر قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے رسالہ سیف مسلول کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں کہ رسالہ ﴿۵۶۶﴾
مذکورہ میں لکھا ہے کہ علماء ظاہری اور باطنی کا اپنے ظن اور تخمین سے اس بات پر اتفاق ہے کہ
تیرھویں صدی کے اوائل میں ظہور مہدی کا ہوگا۔ پھر لکھتے ہیں کہ بعض مشائخ اپنے کشف
سے یہ بھی کہہ گئے ہیں کہ مہدی کا ظہور بارہ سو برس سے پیچھے ہوگا اور تیرھویں صدی سے
تجاوز نہیں کریگا۔ پھر لکھتے ہیں کہ یہ سال تو گذر گئے اور تیرھویں صدی سے صرف دس برس رہ
گئے اور ابتک نہ مہدی نہ عیسیٰ دنیا میں آئے۔ یہ کیا ہوا۔ پھر اپنی رائے لکھتے ہیں کہ میں بلحاظ
قرائن قویہ گمان کرتا ہوں کہ چودھویں صدی کے سر پر اُن کا ظہور ہوگا۔ پھر لکھتے ہیں کہ قرائن
یہ ہیں کہ تیرھویں صدی میں دجّالی فتنے بہت ظہور میں آگئے ہیں اور اندھیری رات کے
ٹکڑوں کی طرح نمودار ہو رہے ہیں اور اس تیرھویں صدی کا فتن و آفات کا ایک مجموعہ ہونا
ایک ایسا امر ہے کہ چھوٹے بڑے کی زبان پر جاری ہے۔ یہاں تک کہ جب ہم بچے تھے تو
بڈھی عورتوں سے سنتے تھے کہ حیوانات نے بھی اس تیرھویں صدی سے پناہ چاہی ہے۔ پھر
لکھتے ہیں کہ ہر چند یہ مضمون کسی صحیح حدیث سے ٹھیک معلوم نہیں ہوتا لیکن جب ﴿۵۶۷﴾
انقلاب عالم کا ملاحظہ کریں اور بنی آدم کے احوال میں جو فرق صریح آ گیا ہے اس کو دیکھیں
تو یہ ایک سچا گواہ اِس بات پر ملتا ہے کہ پہلے اس سے دنیا کا رنگ اس عنوان پر نہیں تھا سو
اگرچہ مکاشفات مشائخ کے پورے بھروسہ کے لائق نہیں کیونکہ کشف میں خطا کا احتمال
بہت ہے لیکن کہہ سکتے ہیں کہ اب وہ وقت قریب ہے جو مہدی اور عیسیٰ کا ظہور ہو۔ کیونکہ
امارات صغریٰ بجمیعھا وقوع میں آ گئی ہیں اور عالم میں ایک تغیر عظیم پایا جاتا ہے اور اہل
عالم کی حالت نہایت درجہ پر بدل گئی ہے اور کامل درجہ کا ضعف اسلام پر وارد ہو گیا ہے۔
اور وہ حقیقت نورانیہ جس کا نام علم ہے وہ دنیا سے اُٹھ گئی ہے اور جہل بڑھ گیا ہے

اور شائع ہو گیا ہے اور فسق و فجور کا بازار گرم ہے اور بغض اور حسد اور عداوت پھیل گئی ہے اور مال کی محبت حد سے زیادہ بڑھ گئی ہے اور تحصیل اسباب معاش سے ہمتیں ہار گئیں اور دارآخرت سے بکلّی فراموشی ہوگئی اور کامل طور پر دنیا کو اختیار کیا گیا۔ سو یہ علامات بیّنہ اور امارات جلیہ اس بات پر ہیں کہ اب وہ وقت بہت نزدیک ہے۔ میں کہتا ہوں کہ مولوی صدیق حسن صاحب کا یہ کہنا کہ کسی صحیح حدیث سے مسیح کے ظہور کا کوئی زمانہ خاص ثابت نہیں ﴿۵۶۸﴾ ہوتا صرف اولیاء کے مکاشفات سے معلوم ہوتا ہے کہ غایت کار تیرھویں صدی کے اخیر تک اس کی حد ہے۔ یہ مولوی صاحب کی سراسر غلطی ہے اور آپ ہی وہ مان چکے ہیں کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہو گیا ہے کہ آدم کی پیدائش کے بعد عمر دنیا کی سات ہزار برس ہے اور اب عمر دنیا میں سے بہت ہی تھوڑی باقی ہے۔ پھر صفحہ ۳۸۵ میں لکھتے ہیں کہ ابن ماجہ نے انس سے یہ حدیث بھی لکھی ہے جس کو حاکم نے بھی مستدرک میں بیان کیا ہے کہ **لا مھدی الّا عیسٰی ابن مریم** یعنی عیسٰی بن مریم کے سوا اور کوئی مہدی موعود نہیں۔ پھر لکھتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ مہدی کا آنا بہت سی حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ مہدی کی خبریں ضعف سے خالی نہیں ہیں اِسی وجہ سے امامین حدیث نے ان کو نہیں لیا۔ اور ابن ماجہ اور مستدرک کی حدیث ابھی معلوم ہو چکی ہے کہ عیسٰی ہی مہدی ہے۔ لیکن ممکن ہے کہ ہم اس طرح پر تطبیق کر دیں کہ جو شخص عیسٰی کے نام سے آنے والا احادیث میں لکھا گیا ہے اپنے وقت کا وہی مہدی اور وہی امام ہے اور ممکن ہے کہ اس کے بعد کوئی اور مہدی بھی آوے اور یہی مذہب حضرت اسمٰعیل بخاری کا بھی ہے۔ کیونکہ اگر اُن کا بجُز اس کے کوئی اور اعتقاد ہوتا تو ضرور وہ اپنی حدیث میں ظاہر فرماتے۔ لیکن وہ صرف اسی قدر کہہ کر چپ ہوگئے کہ ابن مریم تم میں اُترے گا جو تمہارا امام ہوگا اور تم میں سے ہی ہوگا۔ اب ظاہر ہے کہ امام وقت ایک ہی ہوا کرتا ہے۔

پھر صفحہ ۴۲۵ میں فرماتے ہیں کہ اِس بات پر تمام سلف و خلف کا اتفاق ہو چکا ہے کہ عیسیٰ ﴿۵۶۹﴾
جب نازل ہوگا تو اُمّت محمدیہ میں داخل کیا جائے گا۔ اور فرماتے ہیں کہ قسطلانی نے بھی مواہب لدنّیہ میں یہی لکھا ہے اور عجب تر یہ کہ وہ اُمّتی بھی ہوگا اور پھر نبی بھی۔ لیکن افسوس کہ مولوی صاحب مرحوم کو یہ سمجھ نہ آیا کہ صاحب نبوت تامہ ہرگز اُمتی نہیں ہوسکتا۔ اور جو شخص کامل طور پر رسول اللہ کہلاتا ہے وہ کامل طور پر دوسرے نبی کا مطیع اور اُمتی ہو جانا نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ کے رو سے بکلّی ممتنع ہے اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ [1] یعنی ہر یک رسول مطاع اور امام بنانے کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ اس غرض سے نہیں بھیجا جاتا کہ کسی دوسرے کا مطیع اور تابع ہو۔ ہاں محدّث جو مرسلین میں سے ہے اُمّتی بھی ہوتا ہے اور ناقص طور پر نبی بھی۔ اُمتی وہ اس وجہ سے کہ وہ بکلّی تابع شریعت رسول اللہ اور مشکوٰۃ رسالت سے فیض پانے والا ہوتا ہے اور نبی اس وجہ سے کہ خدائے تعالیٰ نبیوں سا معاملہ اس سے کرتا ہے اور محدّث کا وجود انبیاء اور اُمم میں بطور برزخ کے اللہ تعالیٰ نے پیدا
﴿۵۷۰﴾ کیا ہے وہ اگرچہ کامل طور پر اُمتی ہے مگر ایک وجہ سے نبی بھی ہوتا ہے اور محدث کے لئے ضرور ہے کہ وہ کسی نبی کا مثیل ہو اور خدائے تعالیٰ کے نزدیک وہی نام پاوے جو اس نبی کا نام ہے۔

اب سمجھنا چاہیئے کہ چونکہ مقدّر تھا کہ آخری زمانہ میں نصاریٰ اور یہود کے خیالاتِ باطلہ زہر ہلاہل کی طرح تمام دنیا میں سرایت کر جائیں گے اور نہ ایک راہ سے بلکہ ہزاروں راہوں سے اُن کا بد اثر لوگوں پر پہنچے گا اور اس زمانہ کے لئے پہلے سے احادیث میں خبر دی گئی تھی کہ عیسائیت اور یہودیت کی بُری خصلتیں یہاں تک غلبہ کریں گی کہ مسلمانوں پر بھی اس کا سخت اثر ہوگا، مسلمانوں کا طریقہ، مسلمانوں کا شعار، مسلمانوں کی وضع بکلّی یہود و نصاریٰ سے مشابہ ہو جائے گی اور جو عادتیں یہود اور نصاریٰ کو پہلے ہلاک کر چکی ہیں وہی عادتیں اسباب تاثّر کے پیدا ہو جانے کی وجہ سے مسلمانوں میں آ جائیں گی۔

[1] النساء:٦٥

یہ اِس زمانہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب عیسائی سوسائٹی جو یہودیت کی صفتیں بھی اپنے اندر رکھتی ہے، عام طور پر مسلمانوں کے خیالات، مسلمانوں کے عادات، مسلمانوں کے لباس، مسلمانوں کی طرز معاشرت پر اپنے جذبات کا اثر ڈالے۔ سو دراصل وہ یہی زمانہ ہے جس ﴿۵۷۱﴾ سے روحانیت بکلّی دور ہوگئی ہے خدائے تعالیٰ کو منظور تھا کہ اس زمانہ کے لئے کوئی ایسا مصلح بھیجے جو یہودیت اور عیسائیت کی زہرناک خصلتوں کو مسلمانوں سے مٹا دے۔ پس اُس نے ایک مصلح ابن مریم کے نام پر بھیج دیا تا معلوم ہو کہ جن کی طرف وہ بھیجا گیا ہے وہ بھی یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح ہو چکے ہیں۔ سو جہاں یہ لکھا ہے کہ تم میں ابن مریم اُترے گا وہاں صریح اِس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اُس وقت تمہاری ایسی حالت ہوگی جیسی مسیح ابن مریم کے مبعوث ہونے کے وقت یہودیوں کی حالت تھی۔ بلکہ یہ لفظ اسی اشارہ کی غرض سے اختیار کیا گیا ہے تا ہر یک کو خیال آ جائے کہ خدائے تعالیٰ نے پہلے ان مسلمانوں کو جن میں ابن مریم کے اُترنے کا وعدہ دیا تھا یہودی ٹھہرا لیا ہے۔ افسوس کہ ہمارے علماء میں سے اس اشارہ کو کوئی نہیں سمجھتا اور یہودیوں کی طرح صرف ظاہر لفظ کو پکڑ کر بار بار یہی بات پیش کرتے ہیں کہ سچ مچ مسیح ابن مریم کا آنا ضروری ہے وہ ذرہ خیال نہیں کرتے کہ اگر کسی کو کہا جائے کہ تُو فرعون کی طرح بگڑ گیا ہے اب تیرے درست کرنے کے لئے موسیٰ آئے گا تو کیا اس عبارت کے یہ معنے ہوں گے کہ سچ مچ موسیٰ رسول اللہ جس پر توریت نازل ہوئی تھی پھر زندہ ہو کر آ جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ ہرگز یہ معنے نہیں ہوں گے بلکہ ایسے قول سے مراد یہ ہوگی کہ کوئی مثیل موسیٰ ﴿۵۷۲﴾ تیرے درست کرنے کے لئے آئے گا۔ سو اسی طرح جاننا چاہیئے کہ احادیث نبویہ کا لب لباب اور خلاصہ یہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب تم آخری زمانہ میں یہودیوں کی طرح چال چلن خراب کر دو گے تو تمہارے درست کرنے کے لئے عیسیٰ ابن مریم آئے گا۔ یعنی جب تم اپنی شرارتوں کی وجہ سے یہودی بن جاؤ گے تو میں بھی عیسیٰ ابن مریم کسی کو

بنا کر تمہاری طرف بھیجوں گا اور جب تم اشد سرکشیوں کی وجہ سے سیاست کے لائق ٹھہر جاؤ گے تو محمد ابن عبداللہ ظہور کرے گا جو مہدی ہے۔ واضح رہے کہ یہ دونوں وعدے کہ محمد بن عبداللہ آئے گا یا عیسیٰ ابن مریم آئے گا دراصل اپنی مراد و مطلب میں ہمشکل ہیں۔ محمد بن عبداللہ کے آنے سے مقصود یہ ہے کہ جب دنیا ایسی حالت میں ہو جائے گی جو اپنی درستی کے لئے سیاست کی محتاج ہو گی تو اُس وقت کوئی شخص مثیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہو کر ظاہر ہو گا اور یہ ضرور نہیں کہ درحقیقت اس کا نام محمد ابن عبداللہ ہو۔ بلکہ احادیث کا مطلب یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک اس کا نام محمد ابن عبداللہ ہو گا۔ کیونکہ وہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کا مثیل بن کر آئے گا۔ اسی طرح عیسیٰ بن مریم کے آنے سے مقصود یہ ہے کہ جب عقل کی بد استعمالی سے دنیا کے لوگ یہودیوں کے رنگ پر ہو جائیں گے اور روحانیت اور حقیقت کو چھوڑ دیں گے اور خدا پرستی اور حُبِّ الٰہی دلوں سے اُٹھ جائے گی تو اُس وقت وہ لوگ اپنی روحانی اصلاح کے لئے ایک ایسے مصلح کے محتاج ہوں گے جو روح اور حقیقت اور حقیقی نیکی کی طرف ان کو توجہ دلاوے اور جنگ اور لڑائیوں سے کچھ واسطہ نہ رکھے اور یہ منصب مسیح ابن مریم کے لئے مسلّم ہے کیونکہ وہ خاص ایسے کام کے لئے آیا تھا اور یہ ضرور نہیں کہ آنے والے کا نام درحقیقت عیسیٰ ابن مریم ہی ہو۔ بلکہ احادیث کا مطلب یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک قطعی طور پر اس کا نام عیسیٰ بن مریم ہے۔ جیسے یہودیوں کے نام خدائے تعالیٰ نے بندر اور سؤر رکھے اور فرمادیا وَجَعَلَ مِنۡهُمُ الۡقِرَدَةَ وَالۡخَنَازِيۡرَ [1] ایسا ہی اُس نے اِس اُمّت کے مفسد طبع لوگوں کو یہودی ٹھہرا کر اس عاجز کا نام مسیح ابن مریم رکھ دیا اور اپنے الہام میں فرمادیا **جعلناک المسیح ابن مریم۔** ﴿۵۷۳﴾

پھر مولوی صدیق حسن صاحب اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم جب نازل ہو گا تو قرآن کریم کے تمام احکام حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ سے اُن پر کھولے جائیں گے یعنی وحی اُن پر نازل ہوا کرے گی۔ مگر وہ حدیث کی طرف رجوع نہیں کرے گا کیونکہ وحی کے

[1] المائدة: ٦١

﴿۵۷۴﴾ ذریعہ سے قرآن کریم کی تفسیر اُن پر نازل ہو جائے گی جو حدیث سے مستغنی کر دے گی۔
پھر لکھتے ہیں کہ بعض کا یہ بھی خیال ہے کہ عیسیٰ ابن مریم جب نازل ہوگا تو محض اُمتی ہوگا ایک ذرّہ اس میں نبوت یا رسالت نہیں ہوگی۔ پھر لکھتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ وہ اُمّتی بھی ہوگا اور نبی بھی۔ اور عام اُمتی لوگوں کی طرح متابعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس پر واجب کی جائیگی۔ اور جن باتوں پر اجماع اُمّت ہو چکا ہے وہ سب باتیں اُسے ماننی پڑیں گی۔ اور چونکہ معراج کی رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ دیکھ چکا ہے اس لئے وہ صحابہ میں بھی داخل ہے اور ایک صحابی ہے۔ مگر باتفاق سنت و جماعت تمام صحابہ سے ابو بکر درجہ و مرتبہ میں افضل ہے۔ پھر لکھتے ہیں کہ وہ باوجود نبی ہونے کے اُمتی کیوں بن گئے۔ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ انہوں نے دعا کی تھی کہ خداوندا مجھے نبی آخر الزمان کی اُمّت میں داخل کر۔ اس لئے خدائے تعالیٰ نے انہیں باوجود نبوت کے اُمّتی بھی بنا دیا۔ اور پھر صفحہ ۴۲۷ میں لکھتے ہیں کہ وہ وقت کے مجدّد ہوں گے اور اس اُمّت کے مجدّدوں میں سے شمار کئے جائیں گے۔ لیکن ﴿۵۷۵﴾
وہ امیر المومنین نہیں ہوں گے کیونکہ خلیفہ تو قریش میں سے ہونا چاہیئے مسیح ابن مریم کیوں کر اُن کا حق لے سکتا ہے۔ اس لئے وہ خلافت کا کوئی بھی کام نہیں کرے گا نہ جدال نہ قتال نہ سیاست بلکہ خلیفۂ وقت کا تابع اور محکوموں کی طرح آئے گا۔

اس جگہ بڑے شبہات یہ پیش آتے ہیں کہ جس حالت میں مسیح ابن مریم اپنے نزول کے وقت کامل طور پر اُمّتی ہوگا تو پھر وہ باوجود اُمّتی ہونے کے کسی طرح سے رسول نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ رسول اور اُمتی کا مفہوم متبائن ہے اور نیز خاتم النبیین ہونا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی دوسرے نبی کے آنے سے مانع ہے۔ ہاں ایسا نبی جو مشکوٰۃ نبوت محمدؐیہ سے نور حاصل کرتا ہے اور نبوت تامہ نہیں رکھتا جس کو دوسرے لفظوں میں محدّث بھی کہتے ہیں وہ اس تحدید سے باہر ہے۔ کیونکہ وہ بباعث اتباع اور فنافی الرسول

ہونے کے جناب ختم المرسلین کے وجود میں ہی داخل ہے جیسے جُزکُل میں داخل ہوتی ہے لیکن مسیح ابن مریم جس پر انجیل نازل ہوئی جس کے ساتھ جبرائیلؑ کا بھی نازل ہونا ایک لازمی امر سمجھا گیا ہے کسی طرح اُمّتی نہیں بن سکتا۔ کیونکہ اُس پر اُس وحی کا اتباع فرض ہوگا جو وقتاً فوقتاً اس پر نازل ہوگی جیسا کہ رسولوں کی شان کے لائق ہے اور جب کہ وہ اپنی ہی وحی کا متبع ہوا اور ﴿۵۷۶﴾ جو نئی کتاب اس پر نازل ہوگی اُسی کی اُس نے پیروی کی تو پھر وہ اُمّتی کیوں کر کہلائے گا۔ اور اگر یہ کہو کہ جو احکام اُس پر نازل ہوں گے وہ احکام قرآنیہ کے مخالف نہیں ہوں گے تو میں کہتا ہوں کہ محض اس توارد کی وجہ سے وہ اُمّتی نہیں ٹھہر سکتا۔ صاف ظاہر ہے کہ بہت سا حصہ توریت کا قرآن کریم سے بکلّی مطابق ہے تو کیا نعوذ باللہ اس توارد کی وجہ سے ہمارے سید و مولیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ کی اُمّت میں سے شمار کئے جائیں گے۔ توارد اور چیز ہے اور محکوم بن کر تابعدار ہو جانا اور چیز ہے۔ ہم ابھی لکھ چکے ہیں کہ خدائے تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ کوئی رسول دنیا میں مطیع اور محکوم ہو کر نہیں آتا بلکہ وہ مطاع اور صرف اپنی اس وحی کا متبع ہوتا ہے جو اس پر بذریعہ جبرائیل علیہ السلام نازل ہوتی ہے اب یہ سیدھی سیدھی بات ہے کہ جب حضرت مسیح ابن مریم نازل ہوئے اور حضرت جبرائیل لگاتار آسمان سے وحی لانے لگے اور وحی کے ذریعہ سے انہیں تمام اسلامی عقائد اور صوم اور صلوٰۃ اور زکوٰۃ اور حج اور جمیع مسائل فقہ کے سکھلائے گئے۔ تو پھر بہر حال یہ مجموعہ احکام دین کا کتاب اللہ کہلائے ﴿۵۷۷﴾ گا۔ اگر یہ کہو کہ مسیح کو وحی کے ذریعہ سے صرف اتنا کہا جائے گا کہ تُو قرآن پر عمل کر اور پھر وحی مدت العمر تک منقطع ہو جائے گی اور کبھی حضرت جبرئیل اُن پر نازل نہیں ہوں گے بلکہ وہ بکلّی مسلوب النبوت ہو کر اُمتیوں کی طرح بن جائیں گے تو یہ طفلانہ خیال ہنسی کے لائق ہے۔ ظاہر ہے کہ اگرچہ ایک ہی دفعہ وحی کا نزول فرض کیا جائے اور صرف ایک ہی فقرہ حضرت جبرئیل لاویں اور پھر چُپ ہو جاویں یہ امر بھی ختم نبوت کا منافی ہے کیونکہ جب ختمیت کی مُہر ہی ٹوٹ گئی اور وحی رسالت پھر نازل ہونی شروع ہوگئی تو پھر تھوڑا یا بہت

نازل ہونا برابر ہے۔ ہریک دانا سمجھ سکتا ہے کہ اگر خدائے تعالیٰ صادق الوعد ہے اور جو آیت خاتم النبیین میں وعدہ دیا گیا ہے اور جو حدیثوں میں بتصریح بیان کیا گیا ہے کہ اب جبرائیل بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ کے لئے وحی نبوت لانے سے منع کیا گیا ہے یہ تمام باتیں سچ اور صحیح ہیں تو پھر کوئی شخص بحیثیت رسالت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہرگز نہیں آ سکتا۔ لیکن اگر ہم فرض کے طور پر مان بھی لیں کہ مسیح ابن مریم زندہ ہو کر پھر دنیا میں ﴿۵۷۸﴾ آئے گا تو ہمیں کسی طرح اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ وہ رسول ہے اور بحیثیت رسالت آئے گا اور جبرئیل کے نزول اور کلام الٰہی کے اُترنے کا پھر سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ جس طرح یہ بات ممکن نہیں کہ آفتاب نکلے اور اس کے ساتھ روشنی نہ ہو۔ اسی طرح ممکن نہیں کہ دنیا میں ایک رسول اصلاح خلق اللہ کے لئے آوے اور اس کے ساتھ وحی الٰہی اور جبرائیل نہ ہو۔ علاوہ اس کے ہریک عاقل معلوم کرسکتا ہے کہ اگر سلسلہ نزول جبرائیل اور کلام الٰہی کے اُترنے کا حضرت مسیح کے نزول کے وقت بکلّی منقطع ہوگا تو پھر وہ قرآن شریف کو جو عربی زبان میں ہے کیوں کر پڑھ سکیں گے۔ کیا نزول فرما کر دو چار سال تک مکتب میں بیٹھیں گے اور کسی مُلّا سے قرآن شریف پڑھ لیں گے۔ اگر فرض کرلیں کہ وہ ایسا ہی کریں گے تو پھر وہ بغیر وحی نبوت کے تفصیلات مسائل دینیہ مثلاً نماز ظہر کی سُنت جو اتنی رکعت ہیں اور نماز مغرب کی نسبت[۱] جو اتنی رکعات ہیں اور یہ کہ زکوٰۃ کن لوگوں پر فرض ہے۔ اور نصاب کیا ہے کیوں کر قرآن شریف سے استنباط کرسکیں گے۔ اور یہ تو ظاہر ہو چکا ہے کہ وہ حدیثوں کی طرف ﴿۵۷۹﴾ رجوع بھی نہیں کریں گے۔ اور اگر وحی نبوت سے ان کو یہ تمام علم دیا جائے گا تو بلا شبہ جس کلام کے ذریعہ سے یہ تمام تفصیلات اُن کو معلوم ہوں گی وہ بوجہ وحی رسالت ہونے کے کتاب اللہ کہلائے گی۔ پس ظاہر ہے کہ اُن کے دوبارہ آنے میں کس قدر خرابیاں اور کس قدر مشکلات ہیں۔ منجملہ اُن کے یہ بھی کہ وہ بوجہ اس کے کہ وہ قوم کے قریشی نہیں ہیں کسی حالت میں امیر نہیں ہو سکتے۔ ناچار اُن کو کسی دوسرے امام اور امیر کی بیعت کرنی پڑے گی۔ بالخصوص جبکہ

[۱] ایڈیشن اول میں سہو کتابت سے ’’نسبت‘‘ لکھا گیا ہے۔ سیاق کلام سے یہ لفظ ’’سُنت‘‘ صحیح معلوم ہوتا ہے۔

ایسا خیال کیا گیا ہے کہ اُن کے نزول سے پہلے محمد ابن عبداللہ مہدی کی بیعت میں سب داخل ہو چکیں گے تو اس صورت میں اور بھی یہ مصیبت پیش آئے گی کہ اُن کا مہدی کی بیعت سے تخلّف کرنا سخت معصیت میں داخل ہوگا۔ بلکہ وہ بموجب حدیث مَن شذَّ شُذَّ فِی النارِ ضرور مہدی کی بیعت کریں گے یا خلیفۂ وقت کے نہ ماننے کی وجہ سے اُن پر فتویٰ......لگ جائیگا۔

پھر اسی کتاب آثار القیامۃ کے صفحہ ۴۲۷ میں لکھا ہے کہ ابن خلدون کا قول ہے کہ متصوفین نے اپنے کشف سے یہ گمان کیا ہے کہ سن سات سو تینتالیس میں خروج دجّال ہوگا۔ پھر لکھتے ہیں کہ یہ کشف بھی صحیح نہ نکلا۔ پھر لکھتے ہیں کہ یعقوب بن اسحاق کندی نے بھی کشف کی رُو سے چھ سو اٹھانوے سال نزول مسیح کے لئے دریافت کئے تھے مگر اس سے بھی بہت زیادہ مدّت گذر گئی لیکن اب تک مسیح نہ آیا۔ پھر لکھتے ہیں۔ کہ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میں امید رکھتا ہوں کہ اگر میری عمر کچھ لمبی ہوگی تو عیسیٰ بن مریم میرے ہی وقت میں ظہور کرے گا یعنی محمد بن عبداللہ مہدی کا درمیان میں ہونا ضروری نہیں بلکہ امید سے بعید نہیں کہ میرے ہی وقت میں مسیح ابن مریم آجائے لیکن اگر میری عمر وفا نہ کرے تو جو شخص اس کو دیکھے میری طرف سے اس کو السلام علیکم کہہ دے۔ اس حدیث کو مسلم اور احمد نے بھی لکھا ہے۔ اس جگہ مولوی صدیق حسن صاحب لکھتے ہیں کہ اگر میرے جیتے جیتے حضرت مسیح آجائیں تو میری تمنّا ہے کہ حضرت خاتم المرسلین کا السلام علیکم میں اُن کو پہنچا دُوں۔ مگر یہ سب تمنّا ہی تھی۔ خدائے تعالیٰ اُن پر رحم کرے۔ مجدّد الف ثانی صاحب نے ٹھیک لکھا ہے کہ جب مسیح آئے گا تو تمام مولوی اُن کی مخالفت پر آمادہ ہو جائیں گے اور خیال کریں گے کہ یہ اہل الرائے ہے اور اجماع کو ترک کرتا ہے اور کتاب اللہ کے معنے اُلٹاتا ہے۔ ﴿۵۸۰﴾ ﴿۵۸۱﴾

پھر لکھتے ہیں کہ عیسیٰ کی موت قبل از رفع کے بارے میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک یہ ہے کہ وہ موت کے بعد اُٹھایا گیا ہے اور پھر بھی آکر مرے گا اِس لئے اُس کے لئے دو موتیں ہیں۔ اور ہر چند آیت وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا[1] میں ادریس کی موت کا ذکر نہیں لیکن صحیح مذہب

[1] مریم: ۵۸

یہی ہے کہ وہ بھی موت کے بعد ہی اُٹھایا گیا تھا۔ پھر لکھتے ہیں کہ شیعہ کا یہ بھی قول ہے کہ آسمان سے آنیوالا عیسیٰ کوئی بھی نہیں درحقیقت مہدی کا نام ہی عیسیٰ ہے پھر بعد اس کے تحریر فرماتے ہیں کہ بعض صوفیوں نے اپنے کشف سے اسی کے مطابق اِس حدیث کے معنے کہ **لَا مَهْدِی اِلّا عِیْسٰی** یہ کئے ہیں کہ مہدی جو آنے والا ہے درحقیقت عیسیٰ ہی ہے کسی اَور عیسیٰ کی حاجت نہیں جو آسمان سے نازل ہو۔ اور صوفیوں نے اس طرح آخرالزمان کے مہدی کو عیسیٰ ٹھہرایا ہے کہ وہ شریعت محمدیہ کی خدمت کے لئے اُسی طرز اور طریق سے آئے گا جیسے عیسیٰ شریعت موسویہ کی خدمت اور اتباع کے لئے آیا تھا۔ ﴿۵۸۲﴾

پھر صفحہ ۴۳۱ میں **لکھتے ہیں** کہ احادیث سے ثابت ہے کہ عیسیٰ پر اس کے نزول کے بعد رسولوں کی طرح وحی نبوت نازل ہوتی رہے گی۔ جیسا کہ مسلم کے نزدیک نواس بن سمعان کی حدیث میں ہے کہ **یقتل عیسی الدجال عند باب لد الشرقی فبینھما ھم کذالک اذ اوحی اللہ تعالٰی الٰی عیسی بن مریم** **یعنی** جب عیسیٰ دجّال کو قتل کرے گا تو اس پر اللہ تعالیٰ وحی نازل کرے گا۔ پھر لکھتے ہیں کہ وحی کا لانیوالا جبرائیل ہوگا کیونکہ جبرائیل ہی پیغمبروں پر وحی لاتا ہے۔

اس تمام تقریر سے معلوم ہوا کہ چالیس۴۰ سال تک برابر جو مدّت توقف حضرت مسیح کی دنیا میں بعد دوبارہ آنے کے لئے قرار دی گئی ہے حضرت جبرائیل وحی الٰہی لے کر نازل ہوتے رہیں گے۔ اب ہر یک دانشمند اندازہ کرسکتا ہے کہ جس حالت میں تیئیس برس میں تیس جزو قرآن شریف کی نازل ہوگئی تھیں تو بہت ضروری ہے کہ اس چالیس۴۰ برس میں کم سے کم پچاس جزو کی کتاب اللہ حضرت مسیح پر نازل ہو جائے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بات مستلزم محال ہے کہ خاتم النبیین کے بعد پھر جبرائیل علیہ السلام کی وحی رسالت کے ساتھ زمین پر آمد و رفت شروع ہو جائے اور ایک نئی کتاب اللہ گو مضمون میں قرآن شریف سے توارد رکھتی ہو پیدا ہو جائے۔ اور جو امر مستلزم محال ہو وہ محال ہوتا ہے **فتدبّر**۔ ﴿۵۸۳﴾

اور اس انقلاب عظیم پر خوب غور سے نظر دوڑانی چاہیئے کہ چونکہ حضرت مسیح (اگر اُنکا نزول فرض کیا جائے) ایسی حالت میں آئیں گے کہ اُن کو شریعت محمدیہ سے جو غیر زبان میں ہے کچھ بھی خبر نہیں ہو گی اور وہ اس بات کے محتاج ہوں گے کہ قرآنی تعلیم پر اُن کو اطلاع ہو اور ان تفصیلات احکام دین پر بھی مطلع ہو جائیں جو احادیث کی رو سے معلوم ہوتے ہیں غرض شریعت محمدیہ کے تمام اجزاء پر خواہ وہ ازقبیل عقائد ہیں یا ازقسم عبادات یا ازنوع معاملات یا ازقبیل قوانین قضاء وفصل مقدمات اطلاع پانا اُن کے لئے ضروری ہوگا اور یہ تو ممکن ہی نہیں کہ معمّر ہونے کی حالت میں ایک عمر خرچ کر کے دوسروں کی شاگردی کریں لہٰذا اُن کے لئے ﴿۵۸۴﴾ یہی لابُدی اور ضروری ہے کہ جمیع اجزاء شریعت کے نئے سرے اُن پر نازل ہوں کیونکہ بجُز اس طریق کے استعلام مجہولات کے لئے اَور کوئی اُن کے لئے راہ نہیں۔ اور رسولوں کی تعلیم اور اعلام کے لئے یہی سُنت اللہ قدیم سے جاری ہے جو وہ بواسطہ جبرائیل علیہ السلام کے اور بذریعہ نزول آیات ربّانی اور کلام رحمانی کے سکھلائی جاتی ہیں اور جبکہ تمام قرآن کریم اور احادیث صحیحہ نبویہ نئے سرے معرفت جبرائیل علیہ السلام کے حضرت مسیح کی زبان میں ہی اُن پر نازل ہو جائے گی اور جیسا کہ احادیث میں آیا ہے جزیہ وغیرہ کے متعلق بعض بعض احکام قرآن شریف کے منسوخ بھی ہو جائیں گے۔ تو ظاہر ہے کہ اس نئی کتاب کے اُترنے سے قرآن شریف توریت وانجیل کی طرح منسوخ ہو جائے گا اور مسیح کا نیا قرآن جو قرآن کریم سے کسی قدر مختلف بھی ہوگا اجرا اور نفاذ پائے گا اور حضرت مسیح نماز میں اپنا قرآن ہی پڑھیں گے اور وہی قرآن جبرًا قہرًا دوسروں کو بھی سکھلایا جائے گا۔ اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت یہ کلمہ بھی کہ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کسی ﴿۵۸۵﴾ قدر ترمیم وتنسیخ کے لائق ٹھہرے گا۔ کیونکہ جبکہ کل شریعت محمدؐیہ کی نعوذ باللہ (نقل کفر کفر نباشد) بیخ کنی ہوگئی اور ایک اَور ہی قرآن گو وہ ہمارے قرآن کریم سے کسی قدر مطابق ہی سہی آسمان سے نازل ہو گیا تو پھر کلمہ بھی ضرور واجب التبدیل ہوگا۔ بعض بہت

منفعل ہوکر جواب دیتے ہیں کہ اگرچہ درحقیقت یہ صریح خرابیاں ہیں جن سے انکار نہیں ہو سکتا۔ مگر کیا کریں درحقیقت اِسی بات پر اجماع ہو گیا ہے کہ حضرت مسیح رسول اللہ ہونے کی حالت میں نزول فرمائیں گے اور چالیس برس حضرت جبرائیل علیہ السلام ان پر نازل ہوتے رہیں گے۔ چنانچہ یہی مضمون حدیثوں سے بھی نکلتا ہے اس کے جواب میں مَیں کہتا ہوں کہ اس قدر تو بالکل سچ ہے کہ اگر وہی مسیح رسول اللہ صاحبِ کتاب آجائیں گے جن پر جبرائیل نازل ہوا کرتا تھا تو وہ شریعت محمدیہ کے قوانین دریافت کرنے کے لئے ہرگز کسی کی شاگردی اختیار نہیں کریں گے بلکہ سُنّت اللہ کے موافق جبرائیل کی معرفت وحی الٰہی اُن پر نازل ہوگی اور شریعت محمدیہ کے تمام قوانین اور احکام نئے سرے اور نئے لباس اور نئے پیرایہ اور نئی زبان میں اُن پر نازل ہو جائیں گے اور اس تازہ کتاب کے مقابل پر جو آسمان سے نازل ہوئی ہے قرآن کریم منسوخ ہو جائیگا۔ لیکن خدائے تعالیٰ ایسی ذلّت اور رسوائی اِس اُمّت کے لئے اور ایسی ہتک اور کسر شان اپنے نبی مقبول خاتم الانبیاء کے لئے ہرگز روا نہیں رکھے گا کہ ایک رسول کو بھیج کر جس کے آنے کے ساتھ جبرائیل کا آنا ضروری امر ہے اسلام کا تختہ ہی اُلٹا دیوے حالانکہ وہ وعدہ کر چکا ہے کہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی رسول نہیں بھیجا جائے گا۔ اور حدیثوں کے پڑھنے والوں نے یقیناً یہ بڑی بھاری غلطی کھائی ہے کہ صرف عیسیٰ یا ابن مریم کے لفظ کو دیکھ کر اس بات کو یقین کر لیا ہے کہ سچ مچ وہی ابن مریم آسمان سے نازل ہو جائے گا جو رسول اللہ تھا۔ اور اس طرف خیال نہیں کیا کہ اُس کا آنا گویا دین اسلام کا دنیا سے رخصت ہونا ہے یہ تو اجماعی عقیدہ ہو چکا۔ اور مسلم میں اِس بارہ میں حدیث بھی ہے کہ مسیح نبی اللہ ہونے کی حالت میں آئے گا۔ اب اگر مثالی طور پر مسیح یا ابن مریم کے لفظ سے کوئی اُمّتی شخص مراد ہو جو محدّثیت کا مرتبہ رکھتا ہو تو کوئی بھی خرابی لازم نہیں آتی۔ کیونکہ محدّث مِن وجہٍ نبی بھی ہوتا ہے مگر وہ ایسا نبی ہے جو نبوت محمدیہ کے چراغ سے روشنی حاصل کرتا ہے اور اپنی

(margin notes: ۵۸۶ beside line "اور شریعت محمدیہ…", ۵۸۷ beside line "شخص مراد ہو…")

طرف سے براہ راست نہیں بلکہ اپنے نبی کے طفیل سے علم پاتا ہے جیسا کہ براہین احمدیہ کے صفحہ ۲۳۹ میں جو ایک الہام اس عاجز کا درج ہے وہ اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے اور وہ یہ ہے کل برکةٍ من محمدٍ صلی اللّٰہ علیہ وسلم . فتبارک من عَلَّمَ وتعَلَّمَ یعنی ہر یک برکت جو اس عاجز پر بہ پیرایہ الہام وکشف وغیرہ نازل ہو رہی ہے وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے اور اُن کے توسط سے ہے پس اس ذات میں کثرت سے برکتیں ہیں جس نے سکھلایا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اُس میں بھی کثرت سے برکتیں ہیں جس نے سیکھا یعنی یہ عاجز۔ لیکن اگر واقعی اور حقیقی طور پر مسیح ابن مریم کا نازل ہونا خیال کیا جائے تو اس قدر خرابیاں پیش آتی ہیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا اور اس بات کے سمجھنے کے لئے نہایت صریح اور صاف قرائن موجود ہیں کہ اس جگہ حقیقی طور پر نزول ہرگز مراد نہیں بلکہ ایک استعارہ کے لحاظ سے دوسرا استعارہ استعمال کیا گیا ہے یعنی جبکہ اِس اُمّت کے لوگوں کو استعارہ کے طور پر یہود ٹھہرایا گیا اور اُن میں اِن تمام خرابیوں کا دخل کر جانا بیان کیا گیا جو حضرت مسیح ابن مریم کے وقت دخل کر گئی تھیں تو اسی مناسبت کے لحاظ سے یہ بھی کہا گیا کہ تمہاری اصلاح کے لئے اور تمہارے مختلف فرقوں کا فیصلہ کرنے کے لئے بطور حَکَم کے تم میں سے ہی ایک شخص بھیجا جائے گا جس کا نام مسیح یا عیسیٰ یا ابن مریم ہوگا۔ یہ اِس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ اُمّت ایسی ناکارہ اور نالائق اُمّت نہیں کہ صرف اپنے اندر یہی مادہ رکھتی ہو کہ اُن وحشی طبع یہودیوں کا نمونہ بن جائے جو حضرت مسیح کے وقت میں تھے بلکہ یہ مسیح بھی بن سکتی ہے۔ پس جس وقت بعض یہودی بن جائیں گے اُس وقت بعض مسیح ابن مریم بن کر آئیں گے تا لوگوں کو معلوم ہو کہ یہ اُمّت مرحومہ جیسے ادنیٰ اور نفسانی آدمیوں کو اپنے گروہ میں داخل رکھتی ہے ایسا ہی اس گروہ میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جن کو اُن کے کمالات کی وجہ سے عیسیٰ بن مریم یا موسیٰ بن عمران بھی کہہ سکتے ہیں اور دونوں قسم کی استعدادیں اِس اُمّت میں موجود ہیں۔ می تواند شد یہودی می تواند شد مسیح۔ واضح ہو کہ ﴿۵۸۸﴾

﴿۵۸۹﴾ حضرت عیسیٰ ابن مریم بھی اِسی کام کے لئے آئے تھے اور اُس زمانہ میں آئے تھے جبکہ یہودیوں کے مسلمانوں کی طرح بہت فرقے ہوگئے تھے اور توریت کے صرف ظاہر الفاظ کو انہوں نے پکڑ لیا تھا اور روح اور حقیقت اس کی چھوڑ دی تھی اور نکمّی نکمّی باتوں پر جھگڑے برپا ہوگئے تھے اور باہم کمینگی اور کم حوصلگی کی وجہ سے بُغض اور حسد اور کینہ ان متفرق فرقوں میں پھیل گیا تھا۔ ایک کو دوسرا دیکھ نہیں سکتا تھا اور شیر اور بکری کی عداوت کی طرح ذاتی عداوتوں تک نوبت پہنچ گئی تھی اور بباعث اختلاف عقیدہ اپنے بھائیوں سے محبت نہیں رہی تھی بلکہ درندگی پھیل گئی تھی اور اخلاقی حالت بغایت درجہ بگڑ گئی تھی اور باہمی رحم اور ہمدردی بکلّی دور ہوگئی تھی۔ اور وہ لوگ ایسے حیوانات کی طرح ہوگئے تھے کہ حقیقی نیکی کو ہرگز شناخت نہیں کر سکتے تھے اور تباغض تحاسد کا بازار گرم ہوگیا تھا اور صرف چند رسوم اور عادات کو مذہب سمجھا گیا تھا۔ سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اُمّت کو بشارت دی تھی کہ آخری زمانہ میں تمہارا بھی یہی حال ہوگا۔ بہت سے فرقے تم میں نکل آئیں گے اور بہت سے متضاد خیالات ﴿۵۹۰﴾ پیدا ہوجائیں گے اور ایک گروہ دوسرے گروہ کو یہودیوں کی طرح کافر سمجھے گا اور اگر ننانوے وجوہ اسلام کے موجود ہوں تو صرف ایک وجہ کو کفر کی وجہ سمجھ کر کافر ٹھہرایا جائے گا۔ سو باہمی تکفیر کی وجہ سے سخت نفرت اور بُغض اور عداوت باہم پیدا ہوجائے گی۔ اور بوجہ اختلاف رائے کے کینہ اور حسد اور درندوں کی سی خصلتیں پھیل جائیں گی اور وہ اسلامی خصلت جو ایک وجود کی طرح کامل اتحاد کو چاہتی ہے اور محبت اور ہمدردی باہمی سے پُر ہوتی ہے بکلّی تم میں سے دور ہوجائے گی اور ایک دوسرے کو ایسا اجنبی سمجھ لے گا کہ جس سے مذہبی رشتہ کا بکلّی تعلق ٹوٹ جائے گا اور ایک گروہ دوسرے کو کافر بنانے میں کوشش کرے گا جیسا کہ مسیح ابن مریم کی بعثت کے وقت یہی حال یہود کا ہو رہا تھا اور اس اندرونی تفرقہ اور بُغض اور حسد اور عداوت کی وجہ سے دوسری قوموں کی نظر میں نہایت درجہ کے حقیر اور ذلیل اور کمزور ہوجائیں گے اور اس معکوس ترقی کی

وجہ سے جو اندرونی جھگڑوں کی طفیل سے کمال کو پہنچے گی فنا کے قریب ہو جائیں گی اور کیڑوں
کی طرح ایک دوسرے کو کھا جانے کا قصد کریں گے اور بیرونی حملوں کو اپنے پر وارد ہونے ﴿۵۹۱﴾
کے لئے موقعہ دیں گے۔ جیسا کہ اس زمانہ میں یہودیوں کے ساتھ ہوا جو اندرونی نفاقوں کی
وجہ سے اُن کی ریاست بھی گئی اور قیصر کے تحت میں غلاموں کی طرح بسر کرنے لگے۔ سو
خدائے تعالیٰ نے اپنے نبی کریمؐ کی معرفت فرمایا کہ آخری زمانہ میں ایسا ہی تمہارا حال ہوگا۔
تمہاری مذہبی عداوتیں اپنے ہی بھائیوں سے انتہاء تک پہنچ جائیں گے۔ بغض اور حسد اور کینہ
سے بھر جاؤ گے۔ اس شامت سے نہ تمہاری دنیا کی حالت اچھی رہے گی نہ دین کی نہ انسانی
اخلاق کی نہ خدا ترسی باقی رہے گی نہ حق شناسی۔ اور پورے وحشی اور ظالم اور جاہل ہو جاؤ گے
اور وہ علم جو دلوں پر نیک اثر ڈالتا ہے تم میں باقی نہیں رہے گا۔ اور یہ تمام بے دینی اور
ناخدا ترسی اور بے مہری پہلے ممالک مشرقیہ میں ہی پیدا ہوگی اور دجّال اور یاجوج ماجوج
انہیں ممالک سے خروج کریں گے یعنی اپنی قوت اور طاقت کے ساتھ دکھلائی دیں گے۔
ممالک مشرقیہ سے مراد ملک فارس اور نجد اور ملک ہندوستان ہے۔ کیونکہ یہ سب ممالک
زمین حجاز سے مشرق کی طرف ہی واقع ہیں اور ضرور تھا کہ حسب پیشگوئی رسول اللہ صلی ﴿۵۹۲﴾
اللہ علیہ وسلم کفر اور کافری انہیں جگہوں سے قوت کے ساتھ اپنا جلوہ دکھاوے انہیں ممالک
میں سے کسی جگہ دجّال خروج کرے اور انہیں میں مسیح بھی نازل ہو کیونکہ جو جگہ محل کفر اور
فتن ہو جائے وہی جگہ صلاح اور ایمان کی بنا ڈالنے کے لئے مقرر ہونی چاہیئے سو ان
ممالک مشرقیہ میں سے ہند جیسا زیادہ تر محل کفر اور فتن اور نفاق اور بُغض اور کینہ ہو گیا ہے۔
ایسا ہی وہ زیادہ تر اس بات کے لائق تھا کہ مسیح بھی اسی ملک میں ظہور کرے اور جیسا کہ
سب سے اوّل آدم کے خروج کے بعد اسی ملک پر نظر رحم ہوئی تھی ایسا ہی آخری زمانہ میں
بھی اسی ملک پر نظر رحم ہو۔ اور ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
کھلے کھلے طور پر اپنی اُمّت کے حق میں فرما دیا تھا کہ تم آخری زمانہ میں بکلّی یہودیوں کے

قدم پر قدم رکھ کر یہودی بن جاؤ گے اور یہ بلائیں آخری زمانہ میں سب سے زیادہ مشرقی ملکوں میں پھیلیں گی یعنی ہندوستان وخراسان وغیرہ میں۔ تب اس یہودیت کی بیخ کنی کے لئے مسیح ابن مریم نازل ہوگا یعنی مامور ہوکر آئے گا۔ اور فرمایا کہ جیسا کہ یہ اُمّت یہودی بن جائے گی ایسا ہی ابنؔ مریم بھی اپنی صورت مثالی میں اسی اُمّت میں سے پیدا ہوگا نہ یہ کہ یہودی ﴿۵۹۳﴾
تو یہ اُمّت بنی اور ابن مریم بنی اسرائیل میں سے آوے۔ ایسا خیال کرنے میں سراسر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کسر شان ہے اور نیز آیت ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ[1] کے برخلاف۔ اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ متصوفین کے مذاق کے موافق صعود اور نزول کے ایک خاص معنے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ جب انسان خلق اللہ سے بکلّی انقطاع کر کے خدائے تعالیٰ کی طرف جاتا ہے تو اس حالت کا نام متصوفین کے نزدیک صعود ہے اور جب مامور ہوکر نیچے کو اصلاح خلق اللہ کے لئے آتا ہے تو اس حالت کا نام نزول ہے۔ اسی اصطلاحی معنے کے لحاظ سے نزول کا لفظ اختیار کیا گیا ہے اسی کی طرف اشارہ ہے جو اس آیت میں اللہ جلَّ شَانُہٗ فرماتا ہے وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ[2]۔ اب اس تمام تحقیقات سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ نے ابن مریم سے مراد وہ ابن مریم ہرگز نہیں لیا جو رسول اللہ تھے جس پر انجیل نازل ہوئی تھی۔ بلکہ اوّل استعارہ کے طور پر آخری زمانہ کے لوگوں کو یہودی قرار دے کر اور اُن یہودیوں کا ہریک باب میں مثیل ٹھہرا کر جو حضرت مسیح ﴿۵۹۴﴾
ابن مریم کے وقت میں تھے پھر پہلے استعارہ کے مناسب حال ایک دوسری پیشگوئی بطور استعارہ کے فرما دی کہ جب تم ایسے یہودی بن جاؤ گے تو تمہارے حال کے مناسب حال ایسا ہے کہ ایک مسیح تم میں سے ہی تمہیں دیا جائے گا اور وہ تم میں حَکَم ہوگا اور تمہارے کینہ اور بُغض کو دور کر دے گا۔ شیر اور بکری کو ایک جگہ بٹھا دے گا اور سانپوں کی زہر نکال دے گا اور بچے تمہارے سانپوں اور بچھوؤں سے کھیلیں گے اور اُن کی زہر سے ضرر نہیں اُٹھاویں گے۔ یہ تمام اشارات اِسی بات کی طرف ہیں کہ جب مذہبی اختلافات

[1] الواقعه: ٤٠-٤١ [2] بنی اسرائیل: ١٠٦

دُور ہو جاویں گے تو یکدفعہ فطرتی محبت کا چشمہ جوش مارے گا اور تباغض اور تحاسد دُور ہو جائے گا اور تعصب کی زہریں نکل جائیں گی اور ایک بھائی دوسرے بھائی پر نیک ظن پیدا کرے گا۔ تب اسلام کے دن پھر سعادت اور اقبال کی طرف پھریں گے اور سب مل کر اس کوشش میں لگیں گے کہ اسلام کو بڑھایا جائے اور مسلمانوں کی کثرت ہو جیسا کہ آج کل یہ کوشش ہو رہی ہے کہ مسلمانوں کو جہاں تک ممکن ہے کم کر دیا جائے اور بدسرشت مولویوں کے حکم اور فتویٰ سے دین اسلام سے خارج کر دئے جائیں اور اگر ہزار وجہ اسلام کی پائی جائے تو اس سے چشم ﴿۵۹۵﴾ پوشی کر کے ایک بیہودہ اور بے اصل وجہ کفر کی نکال کر اُن کو ایسا کافر ٹھہرا دیا جائے کہ گویا وہ ہندوؤں اور عیسائیوں سے بدتر ہیں اور نہ صرف شرع کی بداستعمالی سے یہ جدّ وجہد شروع ہے۔ بلکہ ایسے مادہ کے لوگوں کو الہام بھی ہو رہے ہیں کہ فلاں مسلم کافر ہے اور فلاں مسلم جہنمی ہے اور فلاں ایسا کفر میں غرق ہے کہ ہرگز ہدایت پذیر نہیں ہوگا۔ اور درندگی کے جوشوں کی وجہ سے لعنتوں پر بڑا زور دیا جاتا ہے اور لعنت بازی کے لئے باہم مسلمانوں کے لئے مباہلہ کے فتوے دئے جاتے ہیں۔ اور یہ سب ملّا یا یُوں کہو کہ ایک دوسرے کو کھانیوالے کیڑے اس بات کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتے کہ مسلمانوں کے تمام مذاہب میں عام طور پر اختلافاتِ جُزئیہ جاری وساری ہیں اور کسی بات میں کوئی خطا پر ہے اور کسی بات میں کوئی۔ اب کیا یہ انسانیت ہے یا ہمدردی اور ترحم میں داخل ہے کہ طریق تصفیہ یہ ٹھہرایا جائے کہ تمام مسلمانوں کیا ائمہ اَربعہ کے پیرَ و اور کیا محدثین کے پَیرو اور کیا متصوفین۔ اِن ادنیٰ ادنیٰ اختلافات کی وجہ سے ﴿۵۹۶﴾ مباہلہ کے میدان میں آکر ایک دوسرے پر لعنت کرنا شروع کر دیں۔ اب عقلمند سوچ سکتا ہے کہ اگر مباہلہ اور ملاعنہ کے بعد صاعقۂ قہر الٰہی فرقہ مخطیہ پر ضروری الوقوع ہے تو کیا اس کا بجُز اس کے کوئی اَور نتیجہ ہوگا کہ یکدفعہ خدائے تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ہلاک کر دے گا اور اپنے اپنے اجتہادی خطا کی وجہ سے سب ہلاک کئے جائیں گے۔ یہ نادان کہتے ہیں کہ ابن مسعود نے جو مباہلہ کی درخواست کی تھی اس سے نکلتا ہے کہ مسلمانوں کا باہم مباہلہ

جائز ہے مگر یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ ابن مسعود نے اپنے اس قول سے رجوع نہیں کیا تھا اور نہ یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ مباہلہ ہو کر مخطیوں پر یہ عذاب نازل ہوا تھا۔ حق بات یہ ہے کہ ابن مسعود ایک معمولی انسان تھا نبی اور رسول تو نہیں تھا۔ اُس نے جوش میں اگر غلطی کھائی تو کیا اس کی بات کو اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی [1] میں داخل کیا جائے۔ صحابہ کے مشاجرات اور اختلافات پر نظر ڈالو جن کی بعض اوقات سیف وسنان تک نوبت پہنچ گئی تھی۔ حضرت معاویہ بھی تو صحابی ہی تھے جنہوں نے خطا پر جم کر ہزاروں آدمیوں کے خون کرائے۔ اگر ابن مسعود نے خطا کی تو کونسا غضب آ گیا۔ اور بے شک اُس نے اگر جزئی اختلافات میں مباہلہ کی درخواست کی تو سخت خطا کی۔ جبکہ صحابیؓ سے اور باتوں میں خطا ممکن ہے تو کیا پھر مباہلہ کی ﴿۵۹۷﴾ درخواست میں خطا ممکن نہیں۔ ظاہر ہے کہ صحابہ میں کس قدر اختلافات واقع تھے۔ کوئی جسّاسہ والے دجّال کو معہود سمجھتا تھا اور کوئی قسم کھا کر کہتا تھا کہ ابن صیّاد ہی دجّال ہے۔ کوئی جسمانی معراج کا قائل تھا اور کوئی اس کو خواب بناتا تھا اور کوئی بعض سورتوں کو جیسے معوذتین قرآن شریف کی جزو سمجھتا تھا اور کوئی اس سے باہر خیال کرتا تھا۔ اب کیا یہ سارے سچ پر تھے اور جب ایک قسم کی کسی سے غلطی ہوئی تو دوسری قسم کی بھی ہو سکتی ہے۔ یہ کیا جہالت ہے کہ صحابی کو بکلّی غلطی اور خطا سے پاک سمجھا جائے اور اس کے مجرد اپنے ہی قول کو ایسا قبول کیا جائے جیسا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول قبول کرنا چاہیئے۔

مسلمانو! آؤ خدا سے شرماؤ اور یہ نمونہ اپنی مولویت اور تفقہ کامت دکھلاؤ۔ مسلمان تو آگے ہی تھوڑے ہیں تم ان تھوڑوں کو اَور نہ گھٹاؤ اور کافروں کی تعداد نہ بڑھاؤ۔ اور اگر ہمارے کہنے کا کچھ اثر نہیں تو اپنی تحریرات مطبوعہ کو شرم سے دیکھو اور فتنہ انگیز تقریروں سے باز آؤ۔

[1] النجم: ۵

﴿۵۹۸﴾

قرآن شریف کی وہ تیس آیتیں

جن سے مسیح ابن مریم کا فوت ہونا ثابت ہوتا ہے

(۱) پہلی آیت۔ یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ[1] یعنی اے عیسیٰ میں تجھے وفات دینے والا ہوں اور پھر عزت کے ساتھ اپنی طرف اٹھانے والا اور کافروں کی تہمتوں سے پاک کرنے والا ہوں اور تیرے متبعین کو تیرے منکروں پر قیامت تک غلبہ دینے والا ہوں۔

(۲) دوسری آیت جو مسیح ابن مریم کی موت پر دلالت کرتی ہے یہ ہے بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ[2] یعنی مسیح ابن مریم مقتول اور مصلوب ہو کر مردود اور ملعون لوگوں کی موت سے نہیں مرا۔ جیسا کہ عیسائیوں اور یہودیوں کا خیال ہے۔ بلکہ خدائے تعالیٰ نے عزت ﴿۵۹۹﴾ کے ساتھ اس کو اپنی طرف اٹھا لیا۔ جاننا چاہیئے کہ اس جگہ رفع سے مراد وہ موت ہے جو عزت کے ساتھ ہو۔ جیسا کہ دوسری آیت اس پر دلالت کرتی ہے وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِیًّا[3] یہ آیت حضرت ادریس کے حق میں ہے اور کچھ شک نہیں کہ اس آیت کے یہی معنے ہیں کہ ہم نے ادریس کو موت دے کر مکان بلند میں پہنچا دیا۔ کیونکہ اگر وہ بغیر موت کے آسمان پر چڑھ گئے تو پھر بوجہ ضرورت موت جو ایک انسان کے لئے ایک لازمی امر ہے یہ تجویز کرنا پڑے گا کہ یا تو وہ کسی وقت اوپر ہی فوت ہو جائیں اور یا زمین پر آکر فوت ہوں۔ مگر یہ دونوں شق ممتنع ہیں۔ کیونکہ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ جسم خاکی موت کے بعد پھر خاک ہی میں داخل کیا جاتا ہے اور خاک ہی کی طرف عود کرتا ہے اور خاک ہی سے اس کا حشر ہوگا۔ اور ادریس کا پھر زمین پر آنا اور دوبارہ آسمان سے

[1] ال عمران: ۵۶ [2] النساء: ۱۵۹ [3] مریم: ۵۸

نازل ہونا قرآن اور حدیث سے ثابت نہیں۔لہذا یہ امر ثابت ہے کہ رفع سے مراد اس جگہ موت ہے۔مگر ایسی موت جو عزت کے ساتھ ہو۔جیسا کہ مقربین کے لئے ہوتی ہے کہ بعد موت اُن کی روحیں علّیین تک پہنچائی جاتی ہیں فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ [۱]۔ ﴿۶۰۰﴾

(۳) تیسری آیت جو حضرت عیسیٰ ابن مریم کے مرنے پر کھلی کھلی گواہی دے رہی ہے یہ ہے فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ [۲] یعنی جب تُو نے مجھے وفات دی تو تُو ہی اُن پر نگہبان تھا۔ہم پہلے ثابت کر آئے ہیں کہ تمام قرآن شریف میں توفّی کے معنے یہ ہیں کہ روح کو قبض کرنا اور جسم کو بیکار چھوڑ دینا۔جیسا کہ اللہ جلَّ شانُہٗ فرماتا ہے کہ قُلْ یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ [۳] اور پھر فرماتا ہے وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ [۴] اور پھر فرماتا ہے حَتّٰى یَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ [۵] اور پھر فرماتا ہے حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا یَتَوَفَّوْنَهُمْ (الجزو نمبر ۸ سورۃ الاعراف) [۶] اور پھر فرماتا ہے تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا [۷]۔ایسا ہی قرآن شریف کے تیئیس مقام میں برابر توفّی کے معنے اماتت اور قبض روح ہے۔لیکن افسوس کہ بعض علماء نے محض الحاد اور تحریف کی رُو سے اس جگہ تَوَفَّیْتَنِیْ سے مراد رَفَعْتَنِیْ لیا ہے اور اس طرف ذرہ خیال نہیں کیا کہ یہ معنے نہ صرف لغت کے مخالف بلکہ سارے قرآن کے مخالف ہیں۔پس یہی تو الحاد ہے کہ جن خاص معنوں کا قرآن کریم نے ﴿۶۰۱﴾ اوّل سے آخر تک التزام کیا ہے انکو بغیر کسی قرینہ قویہ کے ترک کر دیا گیا ہے۔توفی کا لفظ نہ صرف قرآن کریم میں بلکہ جابجا احادیث نبویہ میں بھی وفات دینے اور قبض روح کے معنوں پر ہی آتا ہے۔چنانچہ جب میں نے غور سے صحاح سِتّہ کو دیکھا تو ہر یک جگہ جو توفّی کا لفظ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ سے نکلا ہے یا کسی صحابی کے مُنہ سے تو انہیں معنوں میں محدود پایا گیا۔میں دعوے سے کہتا ہوں کہ کسی ایک صحیح حدیث میں بھی کوئی ایسا توفّی کا لفظ نہیں ملے گا جس کے کوئی اَور معنے ہوں۔میں نے معلوم کیا ہے کہ اسلام میں

[۱] القمر:۵۶ [۲] المائدۃ:۱۱۸ [۳] السجدۃ:۱۲ [۴] یونس:۱۰۵ [۵] النساء:۱۶
[۶] الاعراف:۳۸ [۷] الانعام:۶۲

بطور اصطلاح کے قبض روح کے لئے یہ لفظ مقرر کیا گیا ہے تا روح کی بقاء پر دلالت کرے۔
افسوس کہ بعض علماء جب دیکھتے ہیں کہ توفّی کے معنے حقیقت میں وفات دینے کے ہیں تو
پھر یہ دوسری تاویل پیش کرتے ہیں کہ آیت فلمّا توفّیتنی میں جس توفّی کا ذکر ہے وہ ﴿۶۰۲﴾
حضرت عیسیٰ کے نزول کے بعد واقع ہوگی۔ لیکن تعجب کہ وہ اس قدر تاویلات رکیکہ کرنے
سے ذرہ بھی شرم نہیں کرتے۔ وہ نہیں سوچتے کہ آیت فلمّا توفیتنی سے پہلے یہ آیت ہے
وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ [1] الخ اور ظاہر ہے کہ قَال کا
صیغہ ماضی کا ہے اور اس کے اوّل اذ موجود ہے جو خاص واسطے ماضی کے آتا ہے جس سے یہ
ثابت ہوتا ہے کہ یہ قصہ وقت نزول آیت زمانہ ماضی کا ایک قصہ تھا نہ زمانہ استقبال کا اور پھر ایسا ہی
جو جواب حضرت عیسیٰ کی طرف سے ہے یعنی فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِىْ وہ بھی بصیغہ ماضی ہے اور اس قصہ
سے پہلے جو بعض دوسرے قصّے قرآن کریم میں اسی طرز سے بیان کئے گئے ہیں وہ بھی انہیں معنوں
کے مؤید ہیں۔ مثلاً یہ قصہ وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً [2]
کیا اس کے یہ معنے کرنے چاہیئے کہ خدائے تعالیٰ کسی استقبال کے زمانہ میں ملائکہ سے ایسا سوال
کرے گا ماسوا اس کے قرآن شریف اس سے بھرا پڑا ہے اور حدیثیں بھی اس کی مصدّق ہیں کہ
موت کے بعد قبل از قیامت بھی بطور بازپُرس سوالات ہوا کرتے ہیں۔
(۴) چوتھی آیت جو مسیح کی موت پر دلالت کرتی ہے وہ یہ آیت ہے کہ اِنْ مِّنْ اَهْلِ ﴿۶۰۳﴾
الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ [3] اور ہم اسی رسالہ میں اس کی تفسیر بیان کر چکے ہیں۔
(۵) پانچویں یہ آیت ہے مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ
الرُّسُلُ ؕ وَ اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ [4] (الجزو نمبر ۶) یعنی مسیح صرف ایک
رسول ہے اس سے پہلے نبی فوت ہو چکے ہیں اور ماں اس کی صدیقہ ہے جب وہ دونوں زندہ تھے
تو طعام کھایا کرتے تھے۔ یہ آیت بھی صریح نص حضرت مسیح کی موت پر ہے کیونکہ اس آیت میں

[1] المائدة:۱۱۷ [2] البقرة:۳۱ [3] النساء:۱۶۰ [4] المائدة:۷۶

بتصریح بیان کیا گیا ہے کہ اب حضرت عیسیٰ اور اُن کی والدہ مریم طعام نہیں کھاتے ہاں کسی زمانہ میں کھایا کرتے تھے جیسا کہ **کَانَا** کا لفظ اس پر دلالت کر رہا ہے جو حال کو چھوڑ کر گذشتہ زمانہ کی خبر دیتا ہے۔ اب ہر یک شخص سمجھ سکتا ہے کہ حضرت مریم طعام کھانے سے اسی وجہ سے روکی گئی کہ وہ
فوت ہو گئی اور چونکہ **کَانَا** کے لفظ میں جو تثنیہ کا صیغہ ہے حضرت عیسیٰ بھی حضرت مریمؑ کے ساتھ ﴿۶۰۴﴾
شامل ہیں اور دونوں ایک ہی حکم کے نیچے داخل ہیں لہٰذا حضرت مریم کی موت کے ساتھ اُن کی موت بھی ماننی پڑی کیونکہ آیت موصوفہ بالا میں ہرگز یہ بیان نہیں کیا گیا کہ حضرت مریم تو بوجہ موت طعام کھانے سے روکے گئے لیکن حضرت ابن مریم کسی اَور وجہ سے۔ اور جب ہم اس آیت مذکورہ بالا کو اس دوسری آیت کے ساتھ ملا کر پڑھیں کہ مَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ[۱] جس کے یہ معنے ہیں کہ کوئی ہم نے ایسا جسم نہیں بنایا کہ زندہ تو ہو مگر کھانا نہ کھاتا ہو۔ تو اس یقینی اور قطعی نتیجہ تک ہم پہنچ جائیں گے کہ فی الواقعہ حضرت مسیح فوت ہو گئے کیونکہ پہلی آیت سے ثابت ہو گیا کہ اب وہ کھانا نہیں کھاتے اور دوسری آیت بتلا رہی ہے کہ جب تک یہ جسم خاکی زندہ ہے طعام کھانا اس کے لئے ضروری ہے۔ اس سے قطعی طور پر یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اب وہ زندہ نہیں ہیں۔

(۶) چھٹی آیت یہ ہے وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ[۲]۔ اس آیت کا پہلی آیت کے ساتھ ابھی بیان ہو چکا ہے اور درحقیقت یہی اکیلی آیت کافی طور پر مسیح کی
موت پر دلالت کر رہی ہے کیونکہ جبکہ کوئی جسم خاکی بغیر طعام کے زندہ نہیں رہ سکتا یہی سُنّت ﴿۶۰۵﴾
اللہ ہے تو پھر حضرت مسیح کیونکر اب تک بغیر طعام کے زندہ موجود ہیں اور اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا[۳]۔ اور اگر کوئی کہے کہ اصحاب کہف بھی تو بغیر طعام کے زندہ موجود ہیں۔ تو میں کہتا ہوں کہ اُن کی زندگی بھی اس جہان کی زندگی نہیں۔ مسلم کی حدیث سو برس والی اُن کو بھی مار چکی ہے۔ بیشک ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ

[۱،۲] الانبیاء: ۹ [۳] الاحزاب: ۶۳

اصحاب کہف بھی شہداء کی طرح زندہ ہیں۔ اُن کی بھی کامل زندگی ہے۔ مگر وہ دنیا کی ایک ناقصہ کثیفہ زندگی سے نجات پا گئے ہیں۔ دنیا کی زندگی کیا چیز ہے اور کیا حقیقت۔ ایک جاہل اِسی کو بڑی چیز سمجھتا ہے اور ہر یک قسم کی زندگی کو جو قرآن شریف میں مذکور و مندرج ہے اِسی کی طرف گھسیٹتا چلا جاتا ہے۔ وہ یہ خیال نہیں کرتا کہ دنیوی زندگی تو ایک ادنیٰ درجہ کی زندگی ہے جس کے ارذل حصہ سے حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پناہ مانگی ہے اور جس کے ساتھ نہایت غلیظ اور مکروہ لوازم لگے ہوئے ہیں۔ اگر ایک انسان کو اس سفلی زندگی سے ایک بہتر ﴿۶۰۶﴾ زندگی حاصل ہو جائے اور سُنّت اللہ میں فرق نہ آوے تو اس سے زیادہ اور کونسی خوبی ہے۔

(۷) ساتویں آیت یہ ہے وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ [1] یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک نبی ہیں ان سے پہلے سب نبی فوت ہوگئے ہیں۔ اب کیا اگر وہ بھی فوت ہو جائیں یا مارے جائیں تو ان کی نبوت میں کوئی نقص لازم آئے گا جس کی وجہ سے تم دین سے پھر جاؤ۔ اس آیت کا ماحصل یہ ہے کہ اگر نبی کے لئے ہمیشہ زندہ رہنا ضروری ہے تو ایسا نبی پہلے نبیوں میں سے پیش کرو جو اب تک زندہ موجود ہے اور ظاہر ہے۔ کہ اگر مسیح ابن مریم زندہ ہے تو پھر یہ دلیل جو خدائے تعالیٰ نے پیش کی صحیح نہیں ہوگی۔

(۸) آٹھویں آیت یہ ہے وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ [2]۔ یعنی ہم نے تجھ سے پہلے کسی بشر کو ہمیشہ زندہ اور ایک حالت پر رہنے والا نہیں بنایا۔ پس کیا اگر تُو مر گیا تو یہ لوگ باقی رہ جائیں گے۔ اس آیت کا مدعا ﴿۶۰۷﴾ یہ ہے کہ تمام لوگ ایک ہی سُنّت اللہ کے نیچے داخل ہیں اور کوئی موت سے بچا نہیں اور نہ آئندہ بچے گا۔ اور لُغت کے رُو سے خلود کے مفہوم میں یہ بات داخل ہے کہ ہمیشہ ایک ہی حالت میں رہے۔ کیونکہ تغیّر موت اور زوال کی تمہید ہے پس نفی خلود سے ثابت ہوا

[1] ال عمران: ۱۴۵ [2] الانبیاء: ۳۵

کہ زمانہ کی تاثیر سے ہر یک شخص کی موت کی طرف حرکت ہے اور پیرانہ سالی کی طرف رجوع اور اس سے مسیح ابن مریم کا بوجہ امتداد زمانہ اور شیخ فانی ہوجانے کی باعث سے فوت ہوجانا ثابت ہوتا ہے۔

(۹) نویں آیت تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ [۱] یعنی اس وقت سے جتنے پیغمبر پہلے ہوئے ہیں یہ ایک گروہ تھا جو فوت ہوگیا۔ اُن کے اعمال اُن کے لئے اور تمہارے اعمال تمہارے لئے اور اُن کے کاموں سے تم نہیں پوچھے جاؤ گے۔

(۱۰) دسویں آیت وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا [۲]۔ اس کی تفصیل ہم اسی رسالہ میں بیان کر چکے ہیں۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ انجیلی طریق پر نماز پڑھنے کے لئے حضرت عیسیٰ کو وصیت کی گئی تھی اور وہ آسمان پر عیسائیوں کی طرح نماز پڑھتے ہیں اور حضرت یحییٰ ان کی نماز کی حالت میں اُن کے پاس یونہی پڑے رہتے ہیں مردے جو ہوئے۔ اور جب دنیا میں حضرت عیسیٰ آئیں گے تو برخلاف اس وصیت کے اُمّتی بنکر مسلمانوں کی طرح نماز پڑھیں گے۔

(۱۱) گیارھویں آیت وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا [۳] ۔ اس آیت میں واقعات عظیمہ جو حضرت مسیح کے وجود کے متعلق تھے۔ صرف تین بیان کئے گئے ہیں۔ حالانکہ اگر رفع اور نزول واقعات صحیحہ میں سے ہیں تو ان کا بیان بھی ضروری تھا۔ کیا نعوذ باللہ رفع اور نزول حضرت مسیح کا مورد اور محل سلام الٰہی نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ سو اس جگہ پر خدائے تعالیٰ کا اس رفع اور نزول کو ترک کرنا جو مسیح ابن مریم کی نسبت مسلمانوں کے دلوں میں بسا ہوا ہے صاف اس بات پر دلیل ہے کہ وہ خیال ہیچ اور خلاف واقعہ ہے بلکہ وہ رفع **یوم اموت** میں داخل ہے اور نزول سراسر باطل ہے۔ ﴿۶۰۸﴾

(۱۲) بارھویں آیت وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا [۴] ۔ اس آیت میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ سُنّت اللہ دو ہی طرح سے تم پر جاری ہے۔

[۱] البقرة: ۱۳۵ [۲] مریم: ۳۲ [۳] مریم: ۳۴ [۴] الحج: ٦

بعض تم میں سے عمر طبعی سے پہلے ہی فوت ہو جاتے ہیں اور بعض عمر طبعی کو پہنچتے ہیں۔ ﴿۶۰۹﴾
یہاں تک کہ ارذل عمر کی طرف ردّ کئے جاتے ہیں اور اس حد تک نوبت پہنچتی ہے کہ بعد علم کے نادان محض ہو جاتے ہیں۔ یہ آیت بھی مسیح ابن مریم کی موت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان اگر زیادہ عمر پاوے تو دن بدن ارذل عمر کی طرف حرکت کرتا ہے یہاں تک کہ بچے کی طرح نادان محض ہو جاتا ہے اور پھر مر جاتا ہے۔

(۱۳) تیرھویں یہ آیت ہے وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلٰى حِيْنٍ [۱] یعنی تم اپنے جسم خاکی کے ساتھ زمین پر ہی رہو گے یہاں تک کہ اپنے تمتع کے دن پورے کر کے مر جاؤ گے۔ یہ آیت جسم خاکی کو آسمان پر جانے سے روکتی ہے کیونکہ لَكُمْ جو اس جگہ فائدہ تخصیص کا دیتا ہے اس بات پر بصراحت دلالت کر رہا ہے کہ جسم خاکی آسمان پر جا نہیں سکتا بلکہ زمین سے ہی نکلا اور زمین میں ہی رہے گا اور زمین میں ہی داخل ہوگا۔

(۱۴) چودھویں یہ آیت ہے وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ [۲]۔ یعنی جس کو ﴿۶۱۰﴾
ہم زیادہ عمر دیتے ہیں تو اُس کی پیدائش کو اُلٹا دیتے ہیں۔ یعنی انسانیت کی طاقتیں اور قوتیں اس سے دور ہو جاتی ہیں۔ حواس میں اس کے فرق آجاتا ہے۔ عقل اس کی زائل ہو جاتی ہے۔ اب اگر مسیح ابن مریم کی نسبت فرض کیا جائے کہ اب تک جسم خاکی کے ساتھ زندہ ہیں تو یہ ماننا پڑے گا کہ ایک مدت دراز سے اُن کی انسانیت کے قویٰ میں بکلّی فرق آگیا ہوگا اور یہ حالت خود موت کو چاہتی ہے اور یقینی طور پر ماننا پڑتا ہے کہ مدت سے وہ مر گئے ہوں گے۔

(۱۵) پندرھویں آیت یہ ہے اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَيْبَةً [۳]۔ یعنی خدا وہ خدا ہے جس نے تمہیں ضعف سے پیدا کیا پھر ضعف کے بعد قوت دے دی۔ پھر قوت کے بعد ضعف اور پیرانہ سالی دی۔ یہ آیت بھی صریح طور پر اس بات پر دلالت کر رہی ہے

[۱] البقرة:۳۷ [۲] یٰسٓ:٦٩ [۳] الروم: ٥٥

کہ کوئی انسان اس قانون قدرت سے باہر نہیں اور ہر یک مخلوق اس محیط قانون میں داخل ہے
کہ زمانہ اُس کی عمر پر اثر کر رہا ہے یہاں تک کہ تاثیر زمانہ کی سے وہ پیر فرتوت ہو جاتا ہے ﴿۶۱۱﴾
اور پھر مر جاتا ہے۔

(۱۶) سولھویں آیت یہ ہے۔ اِنَّمَا مَثَلُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا کَمَآءٍ اَنْزَلْنٰہُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِہٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا یَاْکُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ [1] الخ یعنی اس زندگی دنیا کی مثال یہ ہے کہ جیسے اس پانی کی مثال ہے جس کو ہم آسمان سے اتارتے ہیں پھر زمین کی روئیدگی اس سے مل جاتی ہے پھر وہ روئیدگی بڑھتی اور پھولتی ہے اور آخر کاٹی جاتی ہے۔ یعنی کھیتی کی طرح انسان پیدا ہوتا ہے اوّل کمال کی طرف رُخ کرتا ہے پھر اس کا زوال ہوتا جاتا ہے کیا اس قانون قدرت سے مسیح باہر رکھا گیا ہے۔

(۱۷) سترھویں آیت ثُمَّ اِنَّکُمْ بَعْدَ ذٰلِکَ لَمَیِّتُوْنَ [2] الجزو نمبر ۱۸ سورۃ المومنون یعنی اول رفتہ رفتہ خدائے تعالیٰ تم کو کمال تک پہنچاتا ہے اور پھر تم اپنا کمال پورا کرنے کے بعد زوال کی طرف میل کرتے ہو یہاں تک کہ مر جاتے ہو یعنی تمہارے لئے خدائے تعالیٰ کی
طرف سے یہی قانون قدرت ہے کوئی بشر اس سے باہر نہیں۔ اے خداوند قدیر اپنے اس قانون ﴿۶۱۲﴾
قدرت کے سمجھنے کے لئے اِن لوگوں کو بھی آنکھ بخش جو مسیح ابن مریم کو اس سے باہر سمجھتے ہیں۔

(۱۸) اٹھارھویں آیت اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَکَہٗ یَنَابِیْعَ فِی الْاَرْضِ ثُمَّ یُخْرِجُ بِہٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُہٗ ثُمَّ یَھِیْجُ فَتَرٰىہُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَجْعَلُہٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِاُولِی الْاَلْبَابِ [3] الجزو نمبر ۲۳ سورۃ الزمر اِن آیات میں بھی مثال کے طور پر یہ ظاہر کیا ہے کہ انسان کھیتی کی طرح رفتہ رفتہ اپنی عمر کو پورا کر لیتا ہے اور پھر مر جاتا ہے۔

[1] یونس: ۲۵ [2] المومنون: ۱۶ [3] الزمر: ۲۲

(۱۹) اُنیسویں آیت یہ ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِى الْاَسْوَاقِ [۱] الجزو نمبر ۱۸ سورۃ الفرقان یعنی ہم نے تجھ سے پہلے جس قدر رسول بھیجے ہیں وہ سب کھانا کھایا کرتے تھے اور بازاروں میں پھرتے تھے۔ اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اب وہ تمام نبی نہ کھانا کھاتے ہیں اور نہ بازاروں میں پھرتے ہیں اور پہلے ہم بہ نص قرآنی ثابت کر چکے ہیں کہ دنیوی حیات کے لوازم میں سے طعام کا کھانا ہے سو چونکہ وہ اب تمام نبی طعام نہیں کھاتے لہٰذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ سب فوت ہو چکے ہیں جن میں بوجہ کلمہ حصر مسیح بھی داخل ہے۔ ﴿۶۱۳﴾

(۲۰) بیسویں آیت یہ ہے وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۔ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ [۲] سورۃ النحل الجزو نمبر ۱۴ یعنی جو لوگ بغیر اللہ کے پرستش کئے جاتے اور پکارے جاتے ہیں وہ کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے بلکہ آپ پیدا شدہ ہیں۔ مر چکے ہیں زندہ بھی تو نہیں ہیں اور نہیں جانتے کہ کب اُٹھائے جائیں گے۔ دیکھو یہ آیتیں کس قدر صراحت سے مسیح اور اُن سب انسانوں کی وفات پر دلالت کر رہی ہیں جن کو یہود اور نصاریٰ اور بعض فرقے عرب کے اپنا معبود ٹھہراتے تھے اور اُن سے دعائیں مانگتے تھے۔ اگر اب بھی آپ لوگ مسیح ابن مریم کی وفات کے قائل نہیں ہوتے تو سیدھے یہ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ ہمیں قرآن کریم ﴿۶۱۴﴾ کے ماننے میں کلام ہے۔ قرآن کریم کی آیتیں سن کر پھر وہیں ٹھہر نہ جانا کیا ایمانداروں کا کام ہے۔

(۲۱) اکیسویں آیت یہ ہے مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ [۳] یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی مرد کا باپ نہیں ہے مگر وہ رسول اللہ ہے اور ختم کرنے والا نبیوں کا۔ یہ آیت بھی صاف دلالت کر رہی ہے کہ بعد ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی رسول دنیا میں نہیں آئے گا۔ پس اس سے بھی بکمال وضاحت ثابت ہے کہ مسیح ابن مریم رسول اللہ دنیا میں آ نہیں سکتا۔ کیونکہ

[۱] الفرقان: ۲۱ [۲] النحل: ۲۱، ۲۲ [۳] الاحزاب: ۴۱

مسیح ابن مریم رسول ہے اور رسول کی حقیقت اور ماہیت میں یہ امر داخل ہے کہ دینی علوم کو بذریعہ جبرائیل حاصل کرے۔ اور ابھی ثابت ہو چکا ہے کہ اب وحی رسالت تا بقیامت منقطع ہے۔ اس سے ضروری طور پر یہ ماننا پڑتا ہے کہ مسیح ابن مریم ہرگز نہیں آئے گا اور یہ امر خود مستلزم اس بات کو ہے کہ وہ مر گیا۔ اور یہ خیال کہ پھر وہ موت کے بعد زندہ ہو گیا مخالف کو کچھ فائدہ نہیں
﴿۶۱۵﴾ پہنچا سکتا۔ کیونکہ اگر وہ زندہ بھی ہو گیا تاہم اس کی رسالت جو اس کے لئے لازم غیر منفک ہے اس کے دنیا میں آنے سے روکتی ہے۔ ماسوا اس کے ہم بیان کر آئے ہیں کہ مسیح کا مرنے کے بعد زندہ ہونا اس قسم کا نہیں جیسا کہ خیال کیا گیا ہے بلکہ شہداء کی زندگی کے موافق ہے جس میں مراتب قرب وکمال حاصل ہوتے ہیں۔ اس قسم کی حیات کا قرآن کریم میں جابجا بیان ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے یہ آیت قرآن شریف میں درج ہے۔ وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ[1] یعنی وہ خدا جو مجھے مارتا ہے اور پھر زندہ کرتا ہے۔ اس موت اور حیات سے مراد صرف جسمانی موت اور حیات نہیں بلکہ اس موت اور حیات کی طرف اشارہ ہے جو سالک کو اپنے مقامات ومنازل سلوک میں پیش آتی ہے۔ چنانچہ وہ خلق کی محبت ذاتی سے مارا جاتا ہے اور خالق حقیقی کی محبت ذاتی کے ساتھ زندہ کیا جاتا ہے اور پھر اپنے رفقاء کی محبت ذاتی سے مارا جاتا ہے اور رفیق اعلیٰ کی محبت ذاتی کے ساتھ زندہ کیا جاتا ہے۔ اور
﴿۶۱۶﴾ پھر اپنے نفس کی محبت ذاتی سے مارا جاتا ہے اور محبوب حقیقی کی محبت ذاتی کے ساتھ زندہ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح کئی موتیں اس پر وارد ہوتی رہتی ہیں اور کئی حیاتیں۔ یہاں تک کہ کامل حیات کے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے سو وہ کامل حیات جو اس سفلی دنیا کے چھوڑنے کے بعد ملتی ہے وہ جسم خاکی کی حیات نہیں بلکہ اَور رنگ اور شان کی حیات ہے۔ قال اللّٰہ تعالٰی وَ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ لَھِیَ الْحَیَوَانُ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ[2] الجزو نمبر ۲۱

[1] الشعراء: ۸۲ [2] العنکبوت: ۶۵

(۲۲) بائیسویں آیت یہ ہے فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ [1] یعنی اگر تمہیں ان بعض امور کا علم نہ ہو جو تم میں پیدا ہوں تو اہل کتاب کی طرف رجوع کرو اور اُن کی کتابوں کے واقعات پر نظر ڈالو تا اصل حقیقت تم پر منکشف ہو جاوے۔ سو جب ہم نے موافق حکم اس آیت کے اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ کی کتابوں کی طرف رجوع کیا اور معلوم کرنا چاہا کہ کیا اگر کسی نبی گذشتہ کے آنے کا وعدہ دیا گیا ہو تو وہی آجاتا ہے یا ایسی عبارتوں کے کچھ اَور معنے ہوتے ہیں تو معلوم ہوا کہ اسی امر متنازعہ فیہ کا ہمشکل ایک مقدمہ حضرت مسیح ابن مریم آپ ہی فیصل کر چکے ہیں اور اُن کے فیصلہ کا ہمارے فیصلہ کے ساتھ ﴿۶۱۷﴾ اتفاق ہے۔ دیکھو کتاب سلاطین و کتاب ملاکی نبی اور انجیل جو ایلیا کا دوبارہ آسمان سے اُترنا کس طور سے حضرت مسیح نے بیان فرمایا ہے۔

(۲۳) تیئیسویں آیت يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ [2] یعنی اے نفس بحق آرام یافتہ اپنے رب کی طرف واپس چلا آ۔ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔ پھر اس کے بعد میرے اُن بندوں میں داخل ہو جا جو دنیا کو چھوڑ گئے ہیں اور میرے بہشت کے اندر آ۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ انسان جب تک فوت نہ ہو جائے گزشتہ لوگوں کی جماعت میں ہرگز داخل نہیں ہو سکتا۔ لیکن معراج کی حدیث جس کو بخاری نے بھی مبسوط طور پر اپنی صحیح میں لکھا ہے ثابت ہو گیا ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم فوت شدہ نبیوں کی جماعت میں داخل ہے لہٰذا حسب دلالت ﴿۶۱۸﴾ صریحہ اس نص کے مسیح ابن مریم کا فوت ہو جانا ضروری طور پر ماننا پڑا۔ اٰمنا بکتاب اللّٰہ القرآن الکریم و کفرنا بکلّ مایخالفہ۔ ایّھا الناس اتبعوا ما انزل الیکم من ربّکم ولا تتبعوا من دونہٖ اولیآء۔ قد جاء تکم موعظۃ من ربّکم وشفاء لما فی الصدور. فاتبعوہ ولا تتّبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہٖ۔

[1] النحل: ۴۴ [2] الفجر: ۲۸ تا ۳۱

(۲۴) چوبیسویں آیت یہ ہے اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ ثُمَّ رَزَقَکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ [1] الجزو نمبر ۲۱ سورۃ الروم۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنا قانون قدرت یہ بتلاتا ہے کہ انسان کی زندگی میں صرف چار واقعات ہیں۔ پہلے وہ پیدا کیا جاتا ہے پھر تکمیل اور تربیت کے لئے روحانی اور جسمانی طور پر رزق مقسوم اُسے ملتا ہے پھر اس پر موت وارد ہوتی ہے۔ پھر وہ زندہ کیا جاتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ ان آیات میں کوئی ایسا کلمہ استثنائی نہیں۔ جس کی رو سے مسیح کے واقعات خاصہ باہر رکھے گئے ہوں حالانکہ قرآن کریم اول سے آخر تک یہ ﴿۶۱۹﴾ التزام رکھتا ہے کہ اگر کسی واقعہ کے ذکر کرنے کے وقت کوئی فرد بشر باہر نکالنے کے لائق ہو تو فی الفور اس قاعدہ کلیہ سے اس کو باہر نکال لیتا ہے یا اس کے واقعات خاصہ بیان کر دیتا ہے۔

(۲۵) پچیسویں آیت یہ ہے کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ وَّ یَبْقٰی وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ [2] الجزو نمبر ۲۷ سورۃ الرحمان۔ یعنی ہر یک چیز جو زمین میں موجود ہے اور زمین سے نکلتی ہے وہ معرض فنا میں ہے یعنی دمبدم فنا کی طرف میل کر رہی ہے۔ مطلب یہ کہ ہر یک جسم خاکی کو نابود ہونے کی طرف ایک حرکت ہے اور کوئی وقت اس حرکت سے خالی نہیں۔ وہی حرکت بچہ کو جوان کر دیتی ہے اور جوان کو بڈھا اور بڈھے کو قبر میں ڈال دیتی ہے اور اس قانون قدرت سے کوئی باہر نہیں۔ خدائے تعالیٰ نے فَانٍ کا لفظ استعمال کیا یَفْنِیْ نہیں کہا تا معلوم ہو کہ فنا ایسی چیز نہیں کہ کسی آئندہ زمانہ میں یکدفعہ واقعہ ہوگی بلکہ سلسلہ فنا کا ساتھ ساتھ جاری ہے لیکن ہمارے مولوی یہ گمان کر رہے ہیں کہ مسیح ابن مریم اسی فانی جسم کے ساتھ جس میں بموجب ﴿۶۲۰﴾ نص صریح کے ہر دم فنا کام کر رہی ہے بلا تغیّر و تبدّل آسمان پر بیٹھا ہے اور زمانہ اُس پر اثر نہیں کرتا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بھی مسیح کو کائنات الارض میں سے مستثنٰی قرار نہیں دیا۔

[1] الروم: ۴۱ [2] الرحمٰن: ۲۷، ۲۸

اے حضرات مولوی صاحبان کہاں گئی تمہاری توحید اور کہاں گئے وہ لمبے چوڑے دعوے اطاعتِ قرآن کریم کے۔ **هل منكم رجل فی قلبه عظمة القرآن مثقال ذرّة ؟**

(۲۶) چھبیسویں آیت اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ[1] الجزو نمبر ۲۷ سورۃ القمر۔ یعنی متقی لوگ جو خدائے تعالیٰ سے ڈر کر ہر یک قسم کی سرکشی کو چھوڑ دیتے ہیں وہ فوت ہونے کے بعد جنات اور نہر میں ہیں صدق کی نشست گاہ میں بااقتدار بادشاہ کے پاس۔ اب ان آیات کی رو سے صاف ظاہر ہے کہ خدائے تعالیٰ نے دخول جنت اور مقعد صدق میں تلازم رکھا ہے یعنی خدائے تعالیٰ کے پاس ﴿۶۲۱﴾ پہنچنا اور جنت میں داخل ہونا ایک دوسرے کا لازم ٹھہرایا گیا ہے۔ سو اگر رَافِعُکَ اِلَیَّ کے یہی معنے ہیں جو مسیح خدائے تعالیٰ کی طرف اٹھایا گیا تو بلاشبہ وہ جنت میں بھی داخل ہو گیا جیسا کہ دوسری آیت یعنے ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ[2] جو رافعک الیّ کے ہم معنی ہے بصراحت اسی پر دلالت کر رہی ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی طرف اٹھائے جانا اور گزشتہ مقربوں کی جماعت میں شامل ہو جانا اور بہشت میں داخل ہو جانا یہ تینوں مفہوم ایک ہی آن میں پورے ہو جاتے ہیں۔ پس اس آیت سے بھی مسیح ابن مریم کا فوت ہونا ہی ثابت ہوا۔ **فالحمد لله الذی احق الحق و ابطل الباطل و نصر عبده و ايّد مامورہ۔**

(۲۷) ستائیسویں آیت یہ ہے اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ[3] یعنی جو لوگ جنّتی ہیں اور اُن کا جنّتی ہونا ہماری طرف سے قرار پا چکا ہے۔ وہ دوزخ ﴿۶۲۲﴾ سے دُور کئے گئے ہیں اور وہ بہشت کی دائمی لذّات میں ہیں۔ اس آیت سے مراد

[1] القمر: ۵۵۔۵۶ [2] الفجر: ۲۹ [3] الانبیاء: ۱۰۲،۱۰۳

حضرت عزیز اور حضرت مسیح ہیں اور اُن کا بہشت میں داخل ہو جانا اس سے ثابت ہوتا ہے جس سے اُن کی موت بھی بپایہ ثبوت پہنچتی ہے۔

(۲۸) اٹھائیسویں آیت اَیۡنَ مَا تَکُوۡنُوۡا یُدۡرِکۡکُّمُ الۡمَوۡتُ وَلَوۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ بُرُوۡجٍ مُّشَیَّدَۃٍ[1] الجزو نمبر ۵۔ یعنی جس جگہ تم ہو اُسی جگہ موت تمہیں پکڑے گی اگرچہ تم بڑے مرتفع بُرجوں میں بود و باش اختیار کرو۔ اس آیت سے بھی صریح ثابت ہوتا ہے کہ موت اور لوازم موت ہر یک جگہ جسم خاکی پر وارد ہو جاتے ہیں۔ یہی سُنّت اللہ ہے اور اس جگہ بھی استثناء کے طور پر کوئی ایسی عبارت بلکہ ایک ایسا کلمہ بھی نہیں لکھا گیا ہے جس سے مسیح باہر رہ جاتا۔ پس بلاشبہ یہ اشارۃ النص بھی مسیح ابن مریم کی موت پر دلالت کر رہے ہیں۔ موت کے تعاقب سے مراد زمانہ کا اثر ہے جو ضعف اور پیری یا امراض و آفات منجرہ الی الموت تک پہنچاتا ہے۔ اس سے کوئی نفس مخلوق خالی نہیں۔ ﴿۶۲۳﴾

(۲۹) انتیسویں آیت مَاۤ اٰتٰکُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡہُ ٭ وَمَا نَھٰکُمۡ عَنۡہُ فَانۡتَھُوۡا[2] یعنی رسول جو کچھ تمہیں علم و معرفت عطا کرے وہ لے لو اور جس سے منع کرے وہ چھوڑ دو۔ لہٰذا اب ہم اس طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارہ میں کیا فرمایا ہے۔ سو پہلے وہ حدیث سنو جو مشکوٰۃ میں ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور وہ یہ ہے۔

وعنه قال قال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم اعمار امتى ما بين الستين الى السبعين و اقلهم من يجوز ذالک رواه الترمذى و ابن ماجه.

یعنی اکثر عمریں میری اُمّت کی ساٹھ سے ستّر برس تک ہوں گی۔ اور ایسے لوگ کمتر ہوں گے جو ان سے تجاوز کریں۔ یہ ظاہر ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم اس اُمّت کے شمار میں ہی آ گئے ہیں۔ پھر اتنا فرق کیونکر ممکن ہے کہ اَور لوگ ستّر برس تک مشکل سے پہنچیں اور اُن کا یہ حال ہو کہ دو ہزار کے قریب آں کی زندگی کے برس گذر گئے اور اب تک مرنے میں ﴿۶۲۴﴾

[1] النساء: ۷۹ [2] الحشر: ۸

نہیں آتے۔ بلکہ بیان کیا جاتا ہے کہ دنیا میں آکر پھر چالیس[۴۰] یا پینتالیس[۴۵] برس زندہ رہیں گے

پھر دوسری حدیث مسلم کی ہے جو جابر سے روایت کی گئی ہے اور وہ یہ ہے۔

وعن جابر قال سمعت النّبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول قبل ان یموت بشھرٍ تسئلونی عن الساعۃ وانّما علمھا عند اللّٰہ واقسم باللّٰہ ماعلی الارض من نفسٍ منفوسۃ یأتی علیھا مائۃ سنۃ وھی حیۃ ۔ رواہ مسلم. اور روایت ہے جابر سے کہا کہ سُنا میں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے جو وہ قسم کھا کر فرماتے تھے کہ کوئی ایسی زمین پر مخلوق نہیں جو اس پر سو برس گذرے اور وہ زندہ رہے۔ اس حدیث کے معنے یہ ہیں کہ جو شخص زمین کی مخلوقات میں سے ہو وہ شخص سو برس کے بعد زندہ نہیں رہے گا۔ اور ارض کی قید سے مطلب یہ ہے کہ تا آسمان کی مخلوقات اس سے باہر نکالی جائے۔ لیکن ظاہر ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم آسمان کی مخلوقات میں سے نہیں بلکہ وہ زمین کی مخلوقات اور ماعلی الارض میں ﴿۶۲۵﴾ داخل ہیں۔ حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ اگر کوئی جسم خاکی زمین پر رہے تو فوت ہو جائے گا اور اگر آسمان پر چلا جائے تو فوت نہیں ہوگا۔ کیونکہ جسم خاکی کا آسمان پر جانا تو خود بموجب نص قرآن کریم کے ممتنع ہے۔ بلکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو زمین پر پیدا ہوا اور خاک میں سے نکلا وہ کسی طرح سو برس سے زیادہ نہیں رہ سکتا۔

(۳۰) تیسویں آیت یہ ہے اَوۡ تَرۡقٰی فِی السَّمَآءِ .... قُلۡ سُبۡحَانَ رَبِّیۡ هَلۡ کُنۡتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوۡلًا[۱]۔ یعنی کفار کہتے ہیں کہ تو آسمان پر چڑھ کر ہمیں دکھلا تب ہم ایمان لے آویں گے۔ اِن کو کہہ دے کہ میرا خدا اس سے پاک تر ہے کہ اس دار الابتلاء میں ایسے کھلے کھلے نشان دکھاوے اور میں بجز اس کے اور کوئی نہیں ہوں کہ ایک آدمی۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آسمان پر چڑھنے کا نشان مانگا تھا اور انہیں صاف جواب ملا کہ یہ عادت اللہ نہیں کہ کسی جسم خاکی کو ﴿۶۲۶﴾

[۱] بنی اسرائیل: ۹۴

آسمان پر لے جاوے۔ اب اگر جسم خاکی کے ساتھ ابن مریم کا آسمان پر جانا صحیح مان لیا جائے تو یہ جواب مذکورہ بالا سخت اعتراض کے لائق ٹھہر جائے گا اور کلام الٰہی میں تناقض اور اختلاف لازم آئے گا لہٰذا قطعی اور یقینی یہی امر ہے کہ حضرت مسیح بجسدہ العنصری آسمان پر نہیں گئے۔ بلکہ موت کے بعد آسمان پر گئے ہیں۔ بھلا ہم ان لوگوں سے پوچھتے ہیں کہ کیا موت کے بعد حضرت یحییٰ اور حضرت آدم اور حضرت ادریس اور حضرت ابراہیم اور حضرت یوسف وغیرہ آسمان پر اٹھائے گئے تھے یا نہیں۔ اگر نہیں اٹھائے گئے تو پھر کیوں کر معراج کی رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن سب کو آسمانوں میں دیکھا اور اگر اٹھائے گئے تھے تو پھر ناحق مسیح ابن مریم کی رفع کے کیوں اَور طور پر معنے کئے جاتے ہیں۔ تعجب کہ توفّی کا لفظ جو صریح وفات پر دلالت کرتا ہے جابجا اُنکے حق میں موجود ہے اور اٹھائے جانے کا نمونہ بھی بدیہی طور پر کھلا ہے کیونکہ وہ انہیں فوت شدہ لوگوں میں جا ملے جو اُن سے پہلے اٹھائے گئے تھے۔ اور اگر کہو کہ وہ لوگ اٹھائے نہیں گئے تو میں کہتا ہوں کہ وہ پھر آسمان میں کیوں کر پہنچ گئے آخر اٹھائے گئے تبھی تو آسمان میں پہنچے۔ کیا تم قرآن شریف میں یہ آیت نہیں پڑھتے وَرَفَعۡنٰہُ مَکَانًا عَلِیًّا [1]۔ کیا یہ وہی رفع نہیں ہے جو مسیح کے بارہ میں آیا ہے؟ کیا اس کے اٹھائے جانے کے معنے نہیں ہیں فَاَنّٰی تُصۡرَفُوۡنَ۔ ﴿۶۲۷﴾

حضرات غزنوی اور مولوی محی الدین صاحب
کے
الہامات کے بارے میں کچھ مختصر تحریر

میاں عبدالحق صاحب غزنوی اور مولوی محی الدین صاحب لکھوالے اس عاجز کے حق میں لکھتے ہیں کہ ہمیں الہام ہوا ہے کہ یہ شخص جہنّمی ہے۔ چنانچہ عبدالحق صاحب کے الہام میں تو صریح سیصلٰی نارًا ذات لھبٍ موجود ہے اور محی الدین صاحب کو یہ الہام ہوا ہے ﴿۶۲۸﴾

[1] مریم: ۵۸

کہ یہ شخص ایسا مُلحد اور کافر ہے کہ ہرگز ہدایت پذیر نہیں ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ جس کافر کا مآل کار کفر ہی ہو وہ بھی جہنمی ہی ہوتا ہے۔ غرض ان دونوں صاحبوں نے کہ خدا انہیں بہشت نصیب کرے اس عاجز کی نسبت جہنم اور کفر کا فتویٰ دے دیا اور بڑے زور سے اپنے الہامات کو شائع کر دیا۔ ہم اس جگہ ان صاحبوں کے الہامات کی نسبت کچھ زیادہ لکھنا ضروری نہیں سمجھتے۔ صرف اس قدر تحریر کرنا کافی ہے کہ الہام رحمانی بھی ہوتا ہے اور شیطانی بھی۔ اور جب انسان اپنے نفس اور خیال کو دخل دے کر کسی بات کے استکشاف کے لئے بطور استخارہ و استخبارہ وغیرہ کے توجہ کرتا ہے خاص کر اس حالت میں کہ جب اس کے دل میں یہ تمنا مخفی ہوتی ہے کہ میری مرضی کے موافق کسی کی نسبت کوئی بُرا یا بھلا کلمہ بطور الہام مجھے معلوم ہو جائے تو شیطان اُس وقت اُس کی آرزو میں دخل دیتا ہے اور کوئی کلمہ اس کی زبان پر جاری ہو جاتا ہے اور دراصل وہ شیطانی کلمہ ہوتا ہے۔ یہ دخل کبھی انبیاء اور رسولوں کی وحی میں بھی ہو جاتا ہے مگر وہ بلاتوقف نکالا جاتا ہے۔ اسی کی طرف اللہ جلّ شانُہٗ قرآن کریم میں اشارہ فرماتا ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ الخ [1] ﴿۶۲۹﴾
ایسا ہی انجیل میں بھی لکھا ہے کہ شیطان اپنی شکل نوری فرشتوں کے ساتھ بدل کر بعض لوگوں کے پاس آ جاتا ہے۔ دیکھو خط دوم قرنتھیاں باب ۱۱ آیت ۱۴۔ اور مجموعہ توریت میں سے سلاطین اول باب بائیس آیت انیس میں لکھا ہے کہ ایک بادشاہ کے وقت میں چار سو نبی نے اس کی فتح کے بارہ میں پیشگوئی کی اور وہ جھوٹے نکلے اور بادشاہ کو شکست آئی بلکہ وہ اُسی میدان میں مر گیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ دراصل وہ الہام ایک ناپاک روح کی طرف سے تھا نوری فرشتہ کی طرف سے نہیں تھا اور ان نبیوں نے دھوکا کھا کر ربّانی سمجھ لیا تھا۔ اب خیال کرنا چاہیئے کہ جس حالت میں قرآن کریم کی رُو سے الہام اور وحی میں دخل شیطان ممکن ہے اور پہلی کتابیں توریت اور انجیل اس دخل کی مصدّق ہیں اور اسی بناء پر

[1] الحجّ: ۵۳

الہام ولایت یا الہام عامہ مومنین بجز موافقت و مطابقت قرآن کریم کے حجت بھی نہیں تو پھر
ناظرین کے لئے غور کا مقام ہے کہ کیوں کر اور کن علامات بیّنہ سے میاں عبدالحق صاحب اور ﴿۶۳۰﴾
میاں محی الدین صاحب نے اپنے الہامات کو رحمانی الہامات سمجھ لیا ہے۔ اُن کے الہامات کا
خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص عیسیٰ بن مریم کی وفات کا قائل ہو اور دنیا میں انہیں کا دوبارہ آنا تسلیم نہ
کرے وہ کافر ہے۔ لیکن ناظرین اب اس رسالہ کو پڑھکر بطور حق الیقین سمجھ جائیں گے کہ
درحقیقت واقعی امر جو قرآن شریف سے ظاہر ہو رہا ہے یہی ہے کہ سچ مچ حضرت مسیح ابن مریم
فوت ہی ہو گئے اور فوت شدہ جماعت میں صدہا سال سے داخل ہیں۔ سو بڑی اور بھاری
نشانی میاں محی الدین اور میاں عبدالحق کے شیطانی الہام کی یہ نکل آئی کہ اُن کے اس خیال کا
قرآن شریف مکذّب ہے اور شمشیر برہنہ لے کر مقابلہ کر رہا ہے۔ اب اس سے یقینی طور پر
ثابت ہو گیا کہ ابلیس مکّار نے کسی اندرونی مناسبت کی وجہ سے اِن دونوں صاحبوں کو استخارہ
کے وقت جا پکڑا اور قرآن کریم کے منشاء کے برخلاف اُن کو تعلیم دی۔ بھلا اگر اِن صاحبوں
کے یہ الہامات سچے ہیں تو اب قرآن کریم کی رُو سے مسیح ابن مریم کا زندہ ہونا ثابت کر کے
دکھلاویں اور ہم دس یا بیس آیتوں کا مطالبہ نہیں کرتے صرف ایک آیت ہی زندہ ہونے کے ﴿۶۳۱﴾
بارے میں پیش کریں۔ اور جس فرشتہ نے اس عاجز کے جہنمی یا کافر ہونے کے بارے میں
جھٹ پٹ ان کے کانوں تک دو تین فقرے پہنچا دئے تھے اب اُسی سے درخواست کریں کہ
ہماری مدد کر۔ اور کچھ شک نہیں کہ اگر وہ الہام خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہے تو کم سے کم تیس۳۰
آیت حضرت عیسیٰ کے زندہ ہونے کے بارے میں فی الفور القاء ہو جائیں گی کیونکہ ہم نے
بھی تو تیس۳۰ آیت اُن کے مرنے کے ثبوت میں پیش کی ہیں۔ لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ
لوگ ایک بھی آیت پیش نہیں کر سکیں گے۔ کیونکہ اُن کے الہامات شیطانی ہیں اور
حزب شیطان ہمیشہ مغلوب ہے۔ وہ بے چارہ لعنتوں کا مارا خود کمزور اور ضعیف ہے

پھر دوسروں کی کیا مدد کرے گا۔

ماسوا اس کے یہ بھی یاد رہے کہ رحمانی الہامات اپنے بابرکت نشانوں سے شناخت کئے جاتے ہیں۔ کوئی دعویٰ بغیر دلیل کے قبول کرنے کے لائق نہیں ہوتا۔ خداوند علیم وحکیم اس بات کو خوب جانتا ہے کہ اس عاجز نے صرف ایسی صورت میں اپنے الہامات کو منجانب اللہ ﴿۶۳۲﴾ سمجھا کہ جب صدہا الہامی پیشگوئیاں روز روشن کی طرح پوری ہوگئیں۔ سو جو شخص اس عاجز کے مقابل پر کھڑا ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنے الہامات کے منجانب اللہ ہونے کے اثبات میں میری طرح کسی قدر پیشگوئیاں بیان کرے۔ بالخصوص ایسی پیشگوئیاں جو فضل اور احسان باری تعالیٰ پر دلالت کرتی ہوں۔ کیونکہ مقبولین کی شناخت کے لئے ایسی ہی پیشگوئیاں عمدہ دلیل ہیں جو کسی آئندہ عنایات بیّنہ کا وعدہ دیتی ہوں۔ وجہ یہ کہ خداتعالیٰ انہیں پر فضل واحسان کرتا ہے جن کو بنظرِ عنایت دیکھتا ہے۔

جن پیشگوئیوں کی سچائی پر میری سچائی کا حصر ہے وہ یہ ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ تُو مغلوب ہو کر یعنی بظاہر مغلوبوں کی طرح حقیر ہو کر پھر آخر غالب ہو جائے گا اور انجام تیرے لئے ہوگا اور ہم وہ تمام بوجھ تجھ سے اتار لیں گے جس نے تیری کمر توڑ دی۔ خداتعالیٰ کا ارادہ ہے کہ تیری توحید تیری عظمت تیری کمالیت پھیلاوے خداتعالیٰ تیرے چہرہ کو ظاہر کرے گا اور تیرے سایہ کو لمبا کر دے گا۔ دنیا میں ایک نذیر آیا ﴿۶۳۳﴾ پر دنیا نے اُسے قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کرے گا اور بڑے زورآور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔ عنقریب اسے ایک ملک عظیم دیا جائے گا (یعنی اُس کو قبولیت بخشی جائے گی اور خلق کثیر کے دل اس کی طرف مائل کئے جائیں گے) اور خزائن اُس پر کھولے جائیں گے (یعنی خزائن معارف وحقائق کھولے جائیں گے کیونکہ آسمانی مال جو خدائے تعالیٰ کے خاص بندوں کو ملتا ہے جس کو وہ دنیا میں تقسیم کرتے ہیں۔ دنیا کا درہم ودینار نہیں بلکہ حکمت ومعرفت ہے جیسا کہ خداتعالیٰ نے اس کی طرف اشارہ کر کے

فرمایا ہے کہ یُؤْتِی الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا [1] خیر مال کو کہتے ہیں۔ سو پاک مال حکمت ہی ہے جس کی طرف حدیث نبوی میں بھی اشارہ ہے کہ انّما انا قاسم و اللّٰہ ھو المُعطی. یہی مال ہے جو مسیح موعود کے نشانوں میں سے ایک نشان ہے) یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے اور تمہاری آنکھوں میں عجیب۔ ہم عنقریب تم میں ہی اور تمہارے اردگرد نشان دکھلاویں گے حجت قائم ہو جائے گی اور فتح کھلی کھلی ہوگی۔ کیا یہ
لوگ کہتے ہیں کہ ہم لوگ ایک بھاری جماعت ہیں یہ سب بھاگ جائیں گے اور پیٹھ پھیر لیں گے اگرچہ لوگ تجھے چھوڑ دیں گے پر میں نہیں چھوڑوں گا اور اگر لوگ تجھے نہیں بچائیں گے پر میں بچاؤں گا میں اپنی چمکار دکھلاؤں گا اور قدرت نمائی سے تجھے اٹھاؤں گا اے ابراہیم تجھ پر سلام ہم نے تجھے خالص دوستی کے ساتھ چن لیا۔ خدا تیرے سب کام درست کر دے گا اور تیری ساری مرادیں تجھے دے گا تو مجھ سے ایسا ہے جیسی میری توحید اور تفرید۔ خدا ایسا نہیں جو تجھے چھوڑ دے۔ جب تک وہ خبیث کو طیّب سے جدا نہ کرے۔ وہ تیرے مجد کو زیادہ کرے گا اور تیری ذرّیت کو بڑھائے گا اور من بعد تیرے خاندان کا تجھ سے ہی ابتداء قرار دیا جائے گا میں تجھے زمین کے کناروں تک عزت کے ساتھ شہرت دُوں گا اور تیرا ذکر بلند کروں گا اور تیری محبت دلوں میں ڈال دُوں گا۔ **جعلناک المسیح ابن مریم** (ہم نے تجھ کو مسیح ابن مریم بنایا) ان کو کہہ دے کہ میں عیسیٰ کے قدم پر آیا ہوں۔ یہ کہیں گے کہ ہم نے پہلوں سے ایسا نہیں سُنا۔ سو تُو ان کو جواب دے کہ تمہارے معلومات وسیع نہیں خدا بہتر جانتا ہے۔ تم ظاہر لفظ ﴿۶۳۴﴾
اور ابہام پر قانع ہو اور اصل حقیقت تم پر مکشوف نہیں۔ جو شخص کعبہ کی بنیاد کو ایک حکمت الٰہی کا مسئلہ سمجھتا ہے وہ بڑا عقلمند ہے کیونکہ اس کو اسرار ملکوتی سے حصّہ ہے۔ ایک اولوالعزم پیدا ہوگا۔ وہ حسن اور احسان میں تیرا نظیر ہوگا وہ تیری ہی نسل سے ہوگا۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند ﴿۶۳۵﴾

[1] البقرة: ۲۷۰

مظھر الحق و العُلاء کانّ اللّٰہ نزل من السماء۔
یاتی علیک زمان مختلف بازواج مختلفة وتریٰ نسلا بعیدا ولنحیینک حیٰوةً طیّبة. ثمانین حولًا او قریبًا من ذالک. انک باعیننا سمیتک المتوکل یحمدک اللّٰہ من عرشہٖ. کذّبوا باٰیٰتنا وکانوا بھا یستھزء ون سیکفیکھم اللہ ویردھا الیک لا تبدیل لکلمات اللّٰہ ان ربک فعال لما یرید۔ یہ عبارت اشتہار دہم جولائی ۱۸۸۸ء کی پیشگوئی کی ہے۔

اب جس قدر میں نے بطور نمونہ کے پیشگوئیاں بیان کی ہیں۔ درحقیقت میرے صدق یا کذب کے آزمانے کے لئے یہی کافی ہے اور جو شخص اپنے تئیں ملہم قرار دے کر مجھے کاذب اور جہنمی خیال کرتا ہے اُس کے لئے فیصلہ کا طریق یہ ہے کہ وہ بھی اپنی نسبت چند ایسے اپنے
﴿۶۳۶﴾ الہامات کسی اخبار وغیرہ کے ذریعہ سے شائع کرے جس میں ایسی ہی صاف اور صریح پیشگوئیاں ہوں۔ تب خود لوگ ظہور کے وقت اندازہ کرلیں گے کہ کون شخص مقبول الٰہی ہے اور کون مردود الٰہی۔ ورنہ صرف دعووں سے کچھ ثابت نہیں ہوسکتا۔ اور خدائے تعالیٰ کی عنایات خاصہ میں سے ایک یہ بھی مجھ پر ہے کہ اُس نے علم حقائق و معارف قرآنی مجھ کو عطا کیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ مطہرین کی علامتوں میں سے یہ بھی ایک عظیم الشان علامت ہے کہ علم معارف قرآن حاصل ہو۔ کیونکہ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے لَا یَمَسُّہٗۤ اِلَّا الۡمُطَھَّرُوۡنَ[1] سو فریق مخالف پر بھی لازم ہے کہ جس قدر مَیں اب تک معارف قرآن کریم اپنی متفرق کتابوں میں بیان کرچکا ہوں۔ اس کے مقابل پر کچھ اپنے معارف کا نمونہ دکھلاویں اور کوئی رسالہ چھاپ کر مشتہر کریں تا لوگ دیکھ لیں کہ جو دقائق علم و معرفت اہل اللہ کو ملتے ہیں۔ وہ کہاں تک اُن کو حاصل ہیں مگر بشرطیکہ کتابوں کی نقل نہ ہو۔

﴿۶۳۷﴾ ناظرین پر واضح رہے کہ میاں عبد الحق نے مباہلہ کی بھی درخواست کی تھی۔ لیکن اب تک میں نہیں سمجھ سکتا کہ ایسے اختلافی مسائل میں جن کی وجہ سے کوئی فریق کافر یا ظالم

[1] الواقعة: ۸۰

نہیں ٹھہر سکتا کیوں کر مباہلہ جائز ہے۔ قرآن کریم سے ظاہر ہے کہ مباہلہ میں دونوں فریق کا اس بات پر یقین چاہیئے کہ فریق مخالف میرا کاذب ہے۔ یعنی عمداً اسچائی سے روگرداں ہے مخطی نہیں ہے۔ تا ہر یک فریق **لعنت اللّٰہ علی الکاذبین** کہہ سکے۔ اب اگر میاں عبدالحق اپنے قصور فہم کی وجہ سے مجھے کاذب خیال کرتے ہیں لیکن میں انہیں کاذب نہیں کہتا بلکہ مخطی جانتا ہوں اور مخطی مسلمان پر لعنت جائز نہیں۔ کیا بجائے **لعنت اللّٰہ علی الکاذبین** یہ کہنا جائز ہے کہ **لعنت اللہ علی المخطئین**۔ کوئی مجھے سمجھاوے کہ اگر میں مباہلہ میں فریق مخالفِ حق پر لعنت کروں تو کس طور سے کروں۔ اگر میں لعنت اللہ علی الکاذبین کہوں تو یہ صحیح نہیں کیونکہ میں اپنے مخالفین کو کاذب تو نہیں سمجھتا بلکہ ماوّل مخطی سمجھتا ہوں جو نصوص کو اُنکے ظاہر سے پھیر کر بلا قیام قرینہ باطن کی طرف لے جاتے ہیں اور کذب اس شے کا نام ہے جو عمداً اپنے بیان میں اس یقین کی مخالفت کی جائے جو دل میں حاصل ہے۔ مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ آج مجھے روزہ ہے اور خوب جانتا ہے کہ ابھی میں روٹی کھا کے آیا ہوں سو یہ شخص کاذب ہے۔ غرض کذب اور چیز ہے اور خطا اَور چیز۔ اور خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ کاذبوں پر لعنت کرو۔ یہ تو نہیں فرماتا کہ **مخطیوں** پر لعنت کرو۔ اگر مخطی سے مباہلہ اور ملاعنہ جائز ہوتا تو اسلام کے تمام فرقے جو باہم اختلاف سے بھرے ہوئے ہیں۔ بے شک باہم مباہلہ وملاعنہ کر سکتے تھے اور بلا شبہ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اسلام کا روئے زمین سے خاتمہ ہو جاتا۔ اور مباہلہ میں جماعت کا ہونا بھی ضروری ہے۔ نص قرآن کریم جماعت کو ضروری ٹھہراتی ہے۔ لیکن میاں عبدالحق نے اب تک ظاہر نہیں کیا کہ مشاہیر علماء کی جماعت اس قدر میرے ساتھ ہے جو مباہلہ کے لئے تیار ہے اور نساء ابناء بھی ہیں۔ پھر جب شرائط مباہلہ متحقق نہیں تو مباہلہ کیونکر ہو۔ اور مباہلہ میں یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ اوّل ازالہ شبہات کیا جائے بجز اس صورت کے کہ کاذب قرار دینے میں کوئی تامّل اور شبہ کی جگہ باقی نہ ہو۔ لیکن میاں عبدالحق بحث مباحثہ کا تو نام تک بھی نہیں لیتے۔

﴿۶۳۸﴾

ایک پُرانا خیال جو دل میں جما ہوا ہے کہ مسیح عیسیٰ ابن مریم آسمان سے نازل ہوں گے اِسی ﴿۶۳۹﴾
خیال کو اس طرح پر سمجھ لیا ہے کہ گویا سچ مچ حضرت مسیح ابن مریم رسول اللہ جن پر انجیل نازل
ہوئی تھی کسی زمانہ میں آسمان سے اُتریں گے حالانکہ یہ ایک بھاری غلطی ہے۔ جو شخص فوت
ہو چکا اور جس کا فوت ہونا قرآن کریم کی تیس آیات سے بپایہ ثبوت پہنچ گیا وہ کہاں سے اب
زمین پر آ جائے گا۔ قرآن شریف کی آیات بیّنات محکمات کو کونسی حدیث منسوخ کر دے گی۔
فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ [1] سچ ہے کہ خدا تعالیٰ زندہ کرنے پر قادر ہے۔ مگر
یہ قدرت اس کی وعدہ کے مخالف ہے۔ اُس نے صریح اور صاف لفظوں میں فرما دیا ہے کہ جو لوگ
مر گئے پھر دنیا میں نہیں آیا کرتے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى
عَلَيْهَا الْمَوْتَ [2] اور جیسا کہ فرماتا ہے ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ [3] الجزو نمبر ۱۸
یعنی تم مرنے کے بعد قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے اور جیسا کہ فرماتا ہے حَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ
اَهْلَكْنٰهَاۤ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ [4] اور جیسا کہ فرماتا ہے وَمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ [5]۔
اور اگر یہ کہو کہ معجزہ کے طور پر مردے زندہ ہوتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ حقیقی موت ﴿۶۴۰﴾
نہیں ہوگی بلکہ غشی یا نیند وغیرہ کی قسم سے ہوگی۔ کیونکہ مَاتَ کے معنے لغت میں نَامَ کے بھی
ہیں دیکھو قاموس۔ غرض وہ موتٰی جو ایک دم کے لئے زندہ ہو گئے ہوں وہ حقیقی موت سے باہر
ہیں۔ اور کوئی اِس بات کا ثبوت نہیں دے سکتا کہ کبھی حقیقی اور واقعی طور پر کوئی مردہ زندہ
ہو گیا اور دنیا میں واپس آیا اور اپنا ترکہ مقسومہ واپس لیا اور پھر دنیا میں رہنے لگا اور خود موت
کا لفظ قرآن کریم میں ذوالوجوہ ہے۔ کافر کا نام بھی مردہ رکھا ہے۔ اور ہوا و ہوس سے مرنا
بھی ایک قسم کی موت ہے اور قریب الموت کا نام بھی میّت ہے۔ اور یہی تینوں وجوہ
استعمال حیات میں بھی پائی جاتی ہیں۔ یعنی حیات بھی تین قسم کی ہیں۔ لیکن آیت
فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ بیّنات محکمات میں سے ہے اور نہ صرف ایک آیت

[1] الجاثیہ:۷ [2] الزمر:۴۳ [3] المؤمنون:۱۷ [4] الانبیاء: ۹۶ [5] الحجر:۴۹

بلکہ اس قسم کی بہت سی آیات قرآن شریف میں موجود ہیں کہ جو مر گیا وہ ہرگز پھر دنیا میں واپس نہیں آئے گا۔ اور یہ تو ظاہر ہو چکا کہ حضرت مسیح فی الواقعہ فوت ہو چکے ہیں۔ پھر باوجود اس
﴿۶۴۱﴾ قرینہ صحیحہ بیّنہ کے اگر حدیثوں میں ابن مریم کے نزول کا ذکر آیا ہے تو کیا یہ عقلمندی ہے کہ یہ خیال کیا جائے کہ وہی ابن مریم رسول اللہ آسمان سے اُتر آئے گا۔ مثلاً دیکھئے کہ اللہ جلّ شانہٗ سورۂ بقرۃ میں فرماتا ہے کہ اے بنی اسرائیل ہماری اس نعمت کو یاد کرو کہ ہم نے آل فرعون سے تمہیں چھڑایا تھا جب وہ تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو رکھ لیتے تھے اور وہ زمانہ یاد کرو جب دریا نے تمہیں راہ دیا تھا اور فرعون اس کے لشکر کے سمیت غرق کیا گیا تھا اور وہ زمانہ یاد کرو جب تم نے موسیٰ کو کہا تھا کہ ہم بغیر دیکھے خدا پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اور وہ زمانہ یاد کرو جب ہم نے تمہیں بدلی کا سایہ دیا اور تمہارے لئے من وسلویٰ اتارا اور وہ زمانہ یاد کرو جب ہم نے تم سے عہد لیا اور کوہ طُور تمہارے سر کے اوپر ہم نے رکھا تھا پھر تم نے سرکشی اختیار کی۔ اور وہ زمانہ یاد کرو جب ہم نے تم سے عہد لیا تھا کہ تم نے خون نہ کرنا اور اپنے عزیزوں کو اُن کے گھروں سے نہ نکالنا اور تم نے اقرار کر لیا تھا کہ ہم اس عہد پر قائم رہیں گے لیکن تم پھر بھی ناحق کا خون کرتے اور اپنے عزیزوں کو ان کے گھروں سے نکالتے رہے۔
﴿۶۴۲﴾ تمہاری یہی عادت رہی کہ جب کوئی نبی تمہاری طرف بھیجا گیا تو بعض کو تم نے جھٹلایا اور بعض کے درپے قتل ہوئے یا قتل ہی کر دیا۔

اب فرمایئے کہ اگر یہ کلمات بطور استعارہ نہیں ہیں اور ان تمام آیات کو ظاہر پر حمل کرنا چاہیئے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ جو لوگ درحقیقت ان آیات کے مخاطب ہیں جن کو آل فرعون سے نجات دی گئی تھی اور جن کو دریا نے راہ دیا تھا اور جن پر من وسلویٰ اتارے گئے تھے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک زندہ ہی تھے

یا مرنے کے بعد پھر زندہ ہو کر آ گئے تھے۔ کیا آپ لوگ جب مسجدوں میں بیٹھ کر قرآن کریم کا ترجمہ پڑھاتے ہیں تو ان آیات کے معنے یہ سمجھایا کرتے ہیں کہ اِن آیات کے مخاطبین ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت تک بقید حیات تھے یا قبروں سے زندہ ہو کر پھر دنیا میں آ گئے تھے۔ اگر کوئی طالب علم آپ سے سوال کرے کہ اِن آیات کے ظاہر مفہوم سے تو یہی معنے نکلتے ہیں کہ مخاطب وہی لوگ ہیں جو حضرت موسیٰ اور دوسرے نبیوں کے وقت میں
﴿۶۴۳﴾ موجود تھے کیا اب یہ اعتقاد رکھا جائے کہ وہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں زندہ تھے یا زندہ ہو کر پھر دنیا میں آ گئے تھے۔ تو کیا آپ کا یہی جواب نہیں کہ بھائی وہ تو سب فوت ہو گئے اور اب مجازی طور پر مخاطب اُن کی نسل ہی ہے جو اُن کے کاموں پر راضی ہے گویا انہیں کا وجود ہے یا یوں کہو کہ گویا وہی ہیں۔ تو اب سمجھ لو کہ یہی مثال ابن مریم کے نزول کی ہے۔ سُنّت اللہ اسی طرح پر ہے کہ مراتب وجود دَوری ہیں اور بعض کے ارواح بعض کی صورت مثالی لے کر اس عالم میں آتے ہیں اور روحانیت ان کی بکلّی ایک دوسرے پر منطبق ہوتی ہے۔ آیت تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ [1] کو غور سے پڑھو اس بات کو خوب غور سے سوچنا چاہیئے کہ ابن مریم کے آنے کی اس اُمّت میں کیا ضرورت تھی اور یہ بات کس حکمت اور سرِّ مخفی پر مبنی ہے کہ ابن مریم کے آنے کی خبر دی گئی داؤد یا موسیٰ یا سلیمان کے آنے کی خبر نہیں دی گئی۔ اس کی کیا حقیقت ہے اور کیا اصل ہے اور کیا بھید ہے۔ سو جب ہم عمیق نگاہ سے دیکھتے ہیں اور سطحی خیال کو چھوڑ کر غور کرتے کرتے بحر تدبّر اور تفکّر میں بہت نیچے چلے جاتے ہیں تو اس گہرا
﴿۶۴۴﴾ غوطہ مارنے سے یہ گوہرِ معرفت ہمارے ہاتھ آتا ہے کہ اس پیشگوئی کے بیان کرنے سے اصل مطلب یہ ہے کہ تا محمد مصطفیٰ حبیب اللہ اور موسیٰ کلیم اللہ میں جو عند اللہ مماثلت تامہ ہے اور اُن کی اُمّتوں پر جو احسانات حضرت احدیت متشابہ اور متشاکل طور پر واقع ہیں اُن کو بتصریح بپایہ ثبوت پہنچایا جائے۔ اور ظاہر ہے کہ موسوی شریعت کے آخری زمانہ میں بہت کچھ

[1] البقرة: ۱۱۹

فساد یہودیوں میں واقع ہوگیا تھا اور انواع واقسام کے فرقے اُن میں پیدا ہوگئے تھے اور باہمی ہمدردی اور محبت اور حقوق اخوت سب دُور ہو کر بجائے اس کے تباغض وتحاسد اور کینہ اور عداوت باہمی پیدا ہوگئے تھے اور خدا تعالیٰ کی پرستش اور خوفِ الٰہی بھی اُن کے دلوں میں سے اُٹھ گیا تھا اور جھگڑے اور فساد اور دنیا پرستی کے خیالات اور انواع اقسام کے مکر زاہدوں اور مولویوں اور دنیا داروں میں اپنے اپنے طرز کے موافق پیدا ہوگئے تھے اور اُن کے ہاتھ میں بجائے مذہب کے صرف رسم اور عادت رہ گئی تھی۔ اور حقیقی نیکی سے بکلّی بے خبر ہوگئے تھے اور دلوں میں از حد سختی بڑھ گئی تھی۔ ایسے زمانہ میں خدائے تعالیٰ نے مسیح ابن مریم کو بنی اسرائیل ﴿۶۴۵﴾
کے نبیوں کا خاتم الانبیاء کر کے بھیجا۔ مسیح ابن مریم تلوار یا نیزہ کے ساتھ نہیں بھیجا گیا تھا اور نہ اس کو جہاد کا حکم تھا بلکہ صرف حجت اور بیان کی تلوار اس کو دی گئی تھی تا یہودیوں کی اندرونی حالت درست کرے اور توریت کے احکام پر دوبارہ اُن کو قائم کردے۔ ایسا ہی شریعت محمدؐیہ کے آخری زمانہ میں جو یہ زمانہ ہے اکثر مسلمانوں نے سراسر یہودیوں کا رنگ قبول کر لیا اور اپنے باطن کی رُو سے اُسی طرز کے یہودی ہوگئے جو حضرت مسیح کے وقت میں تھے۔ لہٰذا خدائے تعالیٰ نے تجدید احکام فرقان کریم کے لئے ایک شخص کو بعینہٖ مسیح ابن مریم کے رنگ پر بھیج دیا اور استعارہ کے طور پر اس کا نام بھی مسیح عیسیٰ ابن مریم رکھا۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ کا پورا نام فرقان کریم میں یہی ہے۔ **کما قال اللّٰہ تعالیٰ** اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ[۱]۔ سو چونکہ اس بات کا ظاہر کرنا منظور تھا کہ جب آخری زمانہ میں اس اُمّت میں فساد واقع ہوا تو اِس اُمّت کو بھی ایک مسیح ابن مریم دیا گیا جیسا کہ حضرت موسیٰ کی اُمّت کو دیا گیا تھا۔ لہٰذا ﴿۶۴۶﴾
یہ ضروری ہوا کہ اس آنے والے کا نام بھی ابن مریم ہی رکھا جائے تا یہ احسان باری تعالیٰ کا ہر یک آنکھ کے سامنے آجائے اور تا اُمّت موسویہ اور اُمّت محمدیہ میں از رو

[۱] ال عمران:۴۶

مورد احسانات حضرت عزّت ہونے کے پوری پوری مماثلت ثابت ہو جائے۔ کیا یہ سچ نہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب القیامت لوگوں کا نام یہودی رکھا ہے پھر اگر اُسی نبی نے ایسے شخص کا نام ابن مریم رکھ دیا ہو جو اِن یہودیوں کی اصلاح کے لئے بھیجا گیا ہو تو اس میں کونسی تعجب اور قباحت اور استبعاد کی بات ہے۔ بلاغت میں یہ قاعدہ ہوتا ہے کہ ایک فقرہ کے مناسب حال دوسرا فقرہ بیان کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً جیسے کوئی کہے کہ تمام دنیا فرعون بن گئی ہے تو اس فقرہ کے مناسب حال یہی ہے کہ اب کوئی موسیٰ اُن کی اصلاح کے لئے آنا چاہیئے لیکن اگر اس طرح کہا جائے کہ تمام دنیا فرعون بن گئی ہے اُن کی اصلاح کے لئے اب عیسیٰ آنا چاہیئے تو کیسا بُرا اور بے محل معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ فرعون کے ساتھ موسیٰ کا جوڑ ہے نہ عیسیٰ کا۔ اِسی طرح جب آخری زمانہ کی اُمّت محمدیہ کو یہودی قرار دیا اور یہودی بھی وہ یہودی جو شریعت موسوی کے آخری عہد میں تھے جن کے لئے حضرت مسیح بھیجے گئے تھے اور تمام خصلتیں اُن کی بیان کر دی گئیں اور بعینہٖ اُن کو یہودی بنا دیا تو کیا اس کے مقابل پر یہ موزوں نہ تھا کہ جب تم یہودی بن جاؤ گے تو تمہارے لئے عیسیٰ ابن مریم بھیجا جائے گا۔ دجّالیت حقیقت میں یہودیوں کا ہی ورثہ تھا اور اُن سے نصاریٰ کو پہنچا۔ اور دجّال اس گروہ کو کہتے ہیں جو کذّاب ہو۔ اور زمین کو نجس کرے اور حق کے ساتھ باطل کو ملا وے۔ سو یہ صفت حضرت مسیح کے وقت میں یہودیوں میں کمال درجہ پر تھی پھر نصاریٰ نے اُن سے لی۔ سو مسیح ایسی دجّالی صفت کے معدوم کرنے کے لئے آسمانی حربہ لے کر اُترا ہے وہ حربہ دنیا کے کاریگروں نے نہیں بنایا بلکہ وہ آسمانی حربہ ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ مثیل موسےٰ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو موسیٰ سے افضل ہیں تو پھر مثیل مسیح کیوں ایک اُمّتی آیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مثیل موسیٰ کی شان نبوت ثابت کرنے کے لئے اور خاتم الانبیاء کی عظمت دکھانے

﴿۶۴۷﴾

﴿۶۴۸﴾ کے لئے اگر کوئی نبی آتا تو پھر خاتم الانبیاءؐ کی شان عظیم میں رخنہ پڑتا۔ اور یہ تو ثابت ہے کہ اس مسیح کو اسرائیلی مسیح پر ایک جزئی فضیلت حاصل ہے کیونکہ اِس کی دعوت عام ہے اور اس کی خاص تھی اور اس کو طفیلی طور پر تمام مخالف فرقوں کے اوہام دور کرنے کے لئے ضروری طور پر وہ حکمت اور معرفت سکھلائی گئی ہے جو مسیح ابن مریم کو نہیں سکھلائی تھی کیونکہ بغیر ضرورت کے کوئی علم عطا نہیں ہوتا۔ **و ماننزّله اِلّا بقدرٍ معلوم۔**

قرآن کریم کے رُو سے مثیل مسیح کا آخری زمانہ میں اس اُمّت میں آنا اس طور سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم اپنے کئی مقامات میں فرماتا ہے کہ اس اُمّت کو اسی طرز سے خلافت دی جائیگی اور اسی طرز سے اس اُمّت میں خلیفے آئیں گے جو اہل کتاب میں آئے تھے۔ اب ظاہر ہے کہ اہل کتاب کے خلفاء کا خاتمہ مسیح ابن مریم پر ہوا تھا جو بغیر سیف و سنان کے آیا تھا۔ مسیح درحقیقت آخری خلیفہ موسیٰ علیہ السلام کا تھا۔ لہٰذا حسب وعدہ قرآن کریم ضرور تھا کہ اس اُمّت کے خلفاء کا خاتمہ بھی مسیح پر ہی ہوتا اور جیسے موسوی شریعت کا ابتداء موسیٰ سے ہوا اور انتہاء مسیح ابن مریم پر۔ ایسا ہی اس اُمّت کے لئے ہو۔ **فَطُوْبٰی لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ۔**

﴿۶۴۹﴾ اور احادیث میں جو نزول مسیح ابن مریم کا لفظ ہے ہم اس میں بہ بسط تمام لکھ آئے ہیں کہ نزول کے لفظ سے درحقیقت آسمان سے نازل ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کھلے کھلے طور پر قرآن شریف میں آیا ہے قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا رَّسُوْلًا[1] تو کیا اس سے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آسمان سے ہی اُترے تھے بلکہ قرآن شریف میں یہ بھی آیت ہے وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ [2] یعنی دنیا کی تمام چیزوں کے ہمارے پاس خزانے ہیں مگر بقدر ضرورت و بمقتضائے مصلحت و حکمت ہم اُن کو اُتارتے ہیں۔ اس آیت سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ ہر یک چیز جو دنیا میں پائی جاتی

[1] الطلاق: ۱۱، ۱۲ [2] الحجر: ۲۲

ہے وہ آسمان سے ہی اُتری ہے۔ اس طرح پر کہ اِن چیزوں کے علل موجبہ اُسی خالق حقیقی کی طرف سے ہیں اور نیز اس طرح پر کہ اُسی کے الہام اور القاء اور سمجھانے اور عقل اور فہم بخشنے سے ہر یک صنعت ظہور میں آتی ہے لیکن زمانہ کی ضرورت سے زیادہ ظہور میں نہیں آتی اور ہر یک مامور من اللہ کو وسعت معلومات بھی زمانہ کی ضرورت کے موافق دی جاتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس قرآن کریم کے دقائق و معارف و ﴿۶۵۰﴾
حقائق بھی زمانہ کی ضرورت کے موافق ہی کھلتے ہیں۔ مثلاً جس زمانہ میں ہم ہیں اور جن معارف فرقانیہ کے بمقابل دجّالی فرقوں کی ہمیں اس وقت ضرورت آپڑی ہے وہ ضرورت اُن لوگوں کو نہیں تھی جنہوں نے اِن دجّالی فرقوں کا زمانہ نہیں پایا۔ سو وہ باتیں اُن پر مخفی رہیں اور ہم پر کھولی گئیں۔ مثلاً اس بات کی انتظار میں بہت لوگ گذر گئے کہ سچ مچ مسیح ابن مریم ہی دوبارہ دنیا میں آجائے گا اور خدائے تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت نے قبل از وقت اُن پر یہ راز نہ کھولا کہ مسیح کے دوبارہ آنے سے کیا مراد ہے۔ اب جو یہودیت کی صفتوں کا عام وبا پھیل گیا اور مسیح کے زندہ ماننے سے نصاریٰ کو اپنے مشرکانہ خیالات میں بہت سی کامیابی ہوئی۔ اس لئے خدائے تعالیٰ نے چاہا کہ اب اصل حقیقت ظاہر کرے۔ سو اس نے ظاہر کر دیا کہ مسلمانوں کا مسیح مسلمانوں میں سے ہی ہوگا جیسا کہ بنی اسرائیل کا مسیح بنی اسرائیل میں سے ہی تھا۔ اور اچھی طرح کھول دیا کہ اسرائیلی مسیح فوت ہو چکا ہے اور یہ بھی بیان کر دیا کہ فوت شدہ پھر دنیا میں آنہیں ﴿۶۵۱﴾
سکتا۔ جیسا کہ جابرؓ کی حدیث میں بھی مشکوٰۃ کے باب مناقب میں اسی کے مطابق لکھا ہے اور وہ یہ ہے قال قد سبق القول منّی انّھم لا یرجعون. رواہ الترمذی یعنی جو لوگ دنیا سے گذر گئے پھر وہ دنیا میں نہیں آئیں گے۔

قرآن کریم کی شان بلند جو اُسی کے بیان سے ظاہر ہوتی ہے

وکل العلم فی القراٰن لٰکن
تقاصر منہ افھام الرّجال

جاننا چاہیئے کہ اس زمانہ میں اسباب ضلالت میں سے ایک بڑا سبب یہ ہے کہ اکثر لوگوں کی نظر میں عظمت قرآن شریف کی باقی نہیں رہی۔ایک گروہ مسلمانوں کا ایسا فلاسفہ ضالّہ کا مقلّد ہوگیا ہے کہ وہ ہر ایک امر کا عقل سے ہی فیصلہ کرنا چاہتے ہیں۔اُن کا بیان ہے ﴿۶۵۲﴾ کہ اعلیٰ درجہ کا حکم جو تصفیہ تنازعات کے لئے انسان کو ملا ہے وہ عقل ہی ہے۔ایسے ہی لوگ جب دیکھتے ہیں کہ وجود جبرائیل اور عزرائیل اور دیگر ملائکہ کرام جیسا کہ شریعت کی کتابوں میں لکھا ہے اور وجود جنت و جہنم جیسا کہ قرآن کریم سے ثابت ہوتا ہے وہ تمام صداقتیں عقلی طور پر بپایۂ ثبوت نہیں پہنچتیں تو فی الفور اُن سے منکر ہو جاتے ہیں اور تاویلات رکیکہ شروع کر دیتے ہیں کہ ملائک سے صرف قوتیں مراد ہیں اور وحی رسالت صرف ایک ملکہ ہے اور جنت اور جہنّم صرف ایک روحانی راحت یا رنج کا نام ہے۔ان بے چاروں کو خبر نہیں کہ آلہ دریافت مجہولات صرف عقل نہیں ہے وبس۔ بلکہ اعلیٰ درجہ کی صداقتیں اور انتہائی مقام کے معارف تو وہی ہیں جو مبلغ عقل سے صدہا درجہ بلند تر ہیں جو بذریعہ مکاشفات صحیحہ ثابت ہوتی ہیں۔اور اگر صداقتوں کا محک صرف عقل کو ہی ٹھہرایا جائے تو بڑے بڑے عجائبات کارخانہ الوہیت کے در پردۂ مستوری و محجوبی رہیں گے اور سلسلہ معرفت کا محض ناتمام اور ناقص اور ادھورا رہ جائے گا اور کسی حالت میں انسان ﴿۶۵۳﴾ شکوک اور شبہات سے مَخلصی نہیں پا سکے گا اور اس یک طرفہ معرفت کا آخری نتیجہ یہ ہوگا

کہ بوجہ نہ ثابت ہونے بالائی رہنمائی کے اور بباعث نہ معلوم ہونے تحریکات طاقت بالا کے خود اس صانع کی ذات کے بارہ میں طرح طرح کے وساوس دلوں میں پیدا ہو جائیں گے سو ایسا خیال کہ خالق حقیقی کے تمام دقیق در دقیق بھیدوں کے سمجھنے کے لئے صرف عقل ہی کافی ہے کس قدر خام اور ناسعادتی پر دلالت کر رہا ہے۔

اور ان لوگوں کے مقابل پر دوسرا گروہ یہ ہے کہ جس نے عقل کو بکلّی معطّل کی طرح چھوڑ دیا ہے۔ اور ایسا ہی قرآن شریف کو بھی چھوڑ کر جو سرچشمہ تمام علوم الٰہیہ ہے صرف روایات واقوال بے سروپا کو مضبوط پکڑ لیا ہے۔ سو ہم ان دونوں گروہ کو اس بات کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ قرآن کریم کی عظمت ونورانیت کا قدر کریں اور اس کے نور کی رہنمائی سے عقل کو بھی دخل دیں اور کسی غیر کا قول تو کیا چیز ہے اگر کوئی حدیث بھی قرآن کریم کے مخالف پاویں تو فی الفور اس کو ﴿۶۵۴﴾ چھوڑ دیں جیسا کہ اللہ جلّ شانہٗ قرآن کریم میں آپ فرماتا ہے فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَہٗ یُؤۡمِنُوۡنَ [1] یعنی قرآن کریم کے بعد کس حدیث پر ایمان لاؤ گے۔ اور ظاہر ہے کہ ہم مسلمانوں کے پاس وہ نص جو اوّل درجہ پر قطعی اور یقینی ہے قرآن کریم ہی ہے۔ اکثر احادیث اگر صحیح بھی ہوں تو مفید ظن ہیں وَالظَّنُّ لَا یُغۡنِیۡ مِنَ الۡحَقِّ شَیۡئًا مندرجہ ذیل صفات قرآن کریم کی غور سے پڑھو اور پھر انصافاً خود ہی کہو کہ کیا مناسب ہے کہ اس کلام کو چھوڑ کر کوئی اور ہادی یا حَکَم مقرر کیا جائے۔ اور وہ آیات یہ ہیں۔ اِنَّ ہٰذَا الۡقُرۡاٰنَ یَہۡدِیۡ لِلَّتِیۡ ہِیَ اَقۡوَمُ [2]۔ اِنَّ فِیۡ ہٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوۡمٍ عٰبِدِیۡنَ [3]۔ وَ اِنَّہٗ لَتَذۡکِرَۃٌ لِّلۡمُتَّقِیۡنَ وَ اِنَّہٗ لَحَقُّ الۡیَقِیۡنِ [4]۔ حِکۡمَۃٌۢ بَالِغَۃٌ [5]۔ تِبۡیَانًا لِّکُلِّ شَیۡءٍ [6]۔ نُوۡرٌ عَلٰی نُوۡرٍ [7]۔ شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوۡرِ [8]۔ اَلرَّحۡمٰنُ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ [9]۔ اَنۡزَلَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ وَ الۡمِیۡزَانَ [10]۔ ہُدًی لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الۡہُدٰی وَ الۡفُرۡقَانِ [11] اِنَّہٗ لَقَوۡلٌ فَصۡلٌ [12] لَا رَیۡبَ فِیۡہِ [13] وَمَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَہُمُ الَّذِی اخۡتَلَفُوۡا فِیۡہِ ۙ وَ ہُدًی وَّ رَحۡمَۃً لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ [14]

[1] الاعراف:۱۸۶ [2] بنی اسرائیل:۱۰ [3] الانبیاء:۱۰۷ [4] الحاقۃ:۴۹، ۵۲ [5] القمر:۶ [6] النحل:۹۰ [7] النور:۳۶ [8] یونس:۵۸ [9] الرحمٰن:۲، ۳ [10] الشوریٰ:۱۸ [11] البقرۃ:۱۸۶ [12] الطارق:۱۴ [13] البقرۃ:۳ [14] النحل:۶۵

﴿۶۵۵﴾ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ^١^ . لَا يَأْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ^٢^ .
هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ^٣^ . فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ
يُؤْمِنُوْنَ ^٤^ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ^٥^ .
یعنی یہ قرآن اس راہ کی طرف ہدایت کرتا ہے جو نہایت سیدھی ہے اِس میں اُن لوگوں کے لئے جو پرستار ہیں حقیقی پرستش کی تعلیم ہے اور یہ اُن کے لئے جو متقی ہیں کمالات تقویٰ کے یاد دلانے والا ہے یہ حکمت ہے جو کمال کو پہنچی ہوئی ہے اور یہ یقینی سچائی ہے اور اس میں ہر یک چیز کا بیان ہے یہ نورٌ علٰی نور اور سینوں کو شفا بخشنے والا ہے۔ رحمٰن نے قرآن کو سکھلایا۔ ایسی کتاب نازل کی جو اپنی ذات میں حق ہے اور حق کے وزن کرنے کے لئے ایک ترازو ہے وہ لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور اجمالی ہدایتوں کی اس میں تشریح ہے اور وہ اپنے دلائل کے ساتھ حق اور باطل میں فرق کرتا ہے اور وہ قول فصل ہے اور شک اور شبہ سے خالی ہے ہم نے اِس کو اس لئے
﴿۶۵۶﴾ تجھ پر اتارا ہے کہ تا امور متنازعہ فیہ کا اس سے فیصلہ کر دیں اور مومنوں کے لئے ہدایت اور رحمت کا سامان طیار کر دیں۔ اِس میں وہ تمام صداقتیں موجود ہیں جو پہلی کتابوں میں متفرق اور پراگندہ طور پر موجود تھیں ایک ذرّہ باطل کا اس میں دخل نہیں نہ آگے سے اور نہ پیچھے سے۔ یہ لوگوں کے لئے روشن دلیلیں ہیں اور جو یقین لانے والے ہوں اُن کے لئے ہدایت و رحمت ہے سو ایسی کونسی حدیث ہے جس پر تم اللہ اور اُس کی آیات کو چھوڑ کر ایمان لاؤ گے یعنی اگر کوئی حدیث قرآن کریم سے مخالف ہو تو ہرگز نہیں ماننی چاہیئے بلکہ ردّ کر دینی چاہیئے۔ ہاں اگر کوئی حدیث بذریعہ تاویل قرآن کریم کے بیان سے مطابق آسکے مان لینا چاہیئے۔ پھر بعد اس کے ترجمہ بقیہ آیات کا یہ ہے کہ اُن کو کہہ دے کہ خدائے تعالیٰ کے فضل و رحمت سے یہ قرآن ایک بیش قیمت مال ہے سو اس کو تم خوشی سے قبول کرو۔ یہ اُن مالوں سے اچھا ہے جو تم جمع کرتے ہو یہ اس بات

١ البيّنة: ۴ ٢ . حٰم السجدة: ۴۳ ٣ . الجاثية: ۲۱ ٤ الجاثية: ۷ ٥ يونس: ۵۹

کی طرف اشارہ ہے کہ علم اور حکمت کی مانند کوئی مال نہیں۔ یہ وہی مال ہے جس کی نسبت پیشگوئی
کے طور پر لکھا تھا کہ مسیح دنیا میں آکر اس مال کو اس قدر تقسیم کرے گا کہ لوگ لیتے لیتے تھک
جائیں گے۔ یہ نہیں کہ مسیح درم و دینار کو جو مصداق آیت اِنَّمَآ اَمۡوَالُکُمۡ وَاَوۡلَادُکُمۡ فِتۡنَةٌ [1] ﴿۶۵۷﴾
ہے جمع کرے گا اور دانستہ ہر یک کو مال کثیر دے کر فتنہ میں ڈال دے گا مسیح کی پہلی فطرت کو
بھی ایسے مال سے مناسبت نہیں۔ وہ خود انجیل میں بیان کر چکا ہے کہ مومن کا مال درم و دینار
نہیں بلکہ جواہر حقائق و معارف اُس کا مال ہیں۔ یہی مال انبیاء خدائے تعالیٰ سے پاتے ہیں
اور اسی کو تقسیم کرتے ہیں۔ اسی مال کی طرف اشارہ ہے کہ اِنّما انا قاسم و اللّٰہ ھو
المُعطی. حدیثوں میں یہ بات بوضاحت لکھی گئی ہے کہ مسیح موعود اُس وقت دنیا میں آئے
گا کہ جب علم قرآن زمین پر سے اُٹھ جائے گا اور جہل شیوع پا جائے گا۔ یہ وہی زمانہ ہے
جس کی طرف ایک حدیث میں یہ اشارہ ہے لو کان الایمان معلّقًا عند الثریا لنالہٗ
رجل من فارس. یہ وہ زمانہ ہے جو اس عاجز پر کشفی طور پر ظاہر ہوا جو کمال طغیان اس کا
اس سن ہجری میں شروع ہوگا جو آیت وَ اِنَّا عَلٰی ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوۡنَ [2] میں
بحساب جمل مخفی ہے یعنی ۱۲۷۴ھ۔

اس مقام کو غور سے دیکھو اور جلدی سے نکل نہ جاؤ۔ اور خدا سے دعا مانگو کہ وہ تمہارے ﴿۶۵۸﴾
سینوں کو کھول دے۔ آپ لوگ تھوڑے سے تامّل کے ساتھ یہ بات سمجھ سکتے ہیں کہ
حدیثوں میں یہ وارد ہے کہ آخری زمانہ میں قرآن زمین سے اٹھا لیا جائے گا اور
علم قرآن مفقود ہو جائے گا اور جہل پھیل جائے گا اور ایمانی ذوق اور حلاوت
دلوں سے دور ہو جائے گی۔ پھر ان حدیثوں میں یہ حدیث بھی ہے کہ اگر ایمان
ثریّا کے پاس جا ٹھہرے گا یعنی زمین پر اس کا نام و نشان نہیں رہے گا تو ایک آدمی
فارسیوں میں سے اپنا ہاتھ پھیلائے گا اور وہیں ثریا کے پاس سے اس کو لے لیگا

[1]. التغابن: ۱۶ [2]. المؤمنون: ۱۹

اب تم خود سمجھ سکتے ہو کہ اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جب جہل اور بے ایمانی اور ضلالت جو دوسری حدیثوں میں دُخان کے ساتھ تعبیر کی گئی ہے دنیا میں پھیل جائے گی اور زمین میں حقیقی ایمانداری ایسی کم ہو جائے گی کہ گویا وہ آسمان پر اُٹھ گئی ہوگی اور قرآن کریم ایسا متروک ہو جائے گا کہ گویا وہ خدائے تعالیٰ کی طرف اٹھایا گیا ہوگا۔ تب ضرور ہے کہ فارس کی اصل سے ایک شخص پیدا ہو اور ایمان کو ثریا سے لے کر پھر زمین پر نازل ہو۔ سو یقیناً
﴿۶۵۹﴾ سمجھو کہ نازل ہونے والا ابن مریم یہی ہے جس نے عیسیٰ بن مریم کی طرح اپنے زمانہ میں کسی ایسے شیخ والد روحانی کو نہ پایا جو اس کی روحانی پیدائش کا موجب ٹھہرتا۔ تب خدائے تعالیٰ خود اس کا متولّی ہوا اور تربیت کی کنار میں لیا اور اس اپنے بندے کا نام ابن مریم رکھا۔ کیونکہ اُس نے مخلوق میں سے اپنی روحانی والدہ کا تو مُنہ دیکھا جس کے ذریعہ سے اُس نے قالب اسلام کا پایا لیکن حقیقت اسلام کی اس کو بغیر انسانوں کے ذریعہ کے حاصل ہوئی۔ تب وہ وجود روحانی پا کر خدائے تعالیٰ کی طرف اُٹھایا گیا کیونکہ خدائے تعالیٰ نے اپنے ماسوا سے اسکو موت دیکر اپنی طرف اُٹھالیا اور پھر ایمان اور عرفان کے ذخیرہ کے ساتھ خلق اللہ کی طرف نازل کیا سو وہ ایمان اور عرفان کا ثریا سے دُنیا میں تحفہ لایا اور زمین جو سُنسان پڑی تھی اور تاریک تھی اس کے روشن اور آباد کرنے کے فکر میں لگ گیا۔ پس مثالی صورت کے طور پر یہی عیسیٰ بن مریم ہے جو بغیر باپ کے پیدا ہوا کیا تم ثابت کر سکتے ہو کہ اس کا کوئی والد روحانی ہے۔ کیا تم ثبوت دے سکتے ہو کہ تمہارے سلاسل اربعہ میں سے کسی سلسلہ میں یہ داخل ہے۔
﴿۶۶۰﴾ پھر اگر یہ **ابن مریم نہیں تو کون ہے؟**

اور اگر اب بھی تمہیں شک ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ مسلمانوں کے ساتھ جزئی اختلافات کی وجہ سے لعنت بازی صدیقوں کا کام نہیں۔ مومن لعّان نہیں ہوتا۔ لیکن ایک طریق بہت آسان ہے اور وہ درحقیقت قائم مقام مباہلہ ہی ہے جس سے کاذب اور صادق اور مقبول اور مردود کی تفریق ہو سکتی ہے۔ اور وہ یہ ہے جو ذیل میں موٹی قلم سے لکھتا ہوں۔

اے حضرات مولوی صاحبان ! آپ لوگوں کا یہ خیال کہ ہم مومن ہیں اور یہ شخص کافر اور ہم صادق ہیں اور یہ شخص کاذب اور ہم متبع اسلام ہیں اور یہ شخص مُلحد اور ہم مقبول الٰہی ہیں اور یہ شخص مردود اور ہم جنّتی ہیں اور یہ شخص جہنمی ۔ اگرچہ غور کرنیوالوں کی نظر میں قرآن کریم ﴿۶۶۱﴾
کی رُو سے بخوبی فیصلہ پا چکا ہے اور اس رسالہ کے پڑھنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ حق پر کون ہے اور باطل پر کون ۔ لیکن ایک اور بھی طریق فیصلہ ہے جس کی رُو سے صادقوں اور کاذبوں اور مقبولوں اور مردُودوں میں فرق ہوسکتا ہے ۔ عادت اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ اگر مقبول اور مردُود اپنی اپنی جگہ پر خدائے تعالیٰ سے کوئی آسمانی مدد چاہیں تو وہ مقبول کی ضرور مدد کرتا ہے اور کسی ایسے امر سے جو ﴿۶۶۲﴾
انسان کی طاقت سے بالاتر ہے اس مقبول کی قبولیت ظاہر کر دیتا ہے ۔ سو چونکہ آپ لوگ اہل حق ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور آپکی جماعت میں وہ لوگ بھی ہیں جو ملہم ہونے کے مدعی ہیں جیسے مولوی محی الدین وعبد الرحمٰن صاحب لکھو والے اور میاں عبد الحق صاحب غزنوی جو اس عاجز کو کافر اور جہنّمی ٹھہراتے ہیں لہٰذا آپ پر واجب ہے کہ اس آسمانی ذریعہ سے بھی دیکھ لیں کہ آسمان پر مقبول کس کا نام ہے اور مردود کس کا نام ﴿۶۶۳﴾

میں اس بات کو منظور کرتا ہوں کہ آپ دس ہفتہ تک اِس بات کے فیصلہ کے لئے احکم الحاکمین کی طرف توجہ کریں تا اگر آپ سچے ہیں تو آپکی سچائی کا کوئی نشان یا کوئی اعلیٰ درجہ کی پیشگوئی جو راستبازوں کو ملتی ہے آپ کو دی جائے۔ ایسا ہی دوسری طرف میں بھی توجہ کروں گا اور مجھے خداوند کریم وقدیر کی طرف سے یقین دلایا گیا ہے کہ اگر آپ نے اس طور سے میرا مقابلہ کیا تو میری فتح ہوگی۔ میں اس مقابلہ میں کسی پر لعنت کرنا نہیں چاہتا اور نہ کروں گا۔ اور آپ کا ﴿۶۶۴﴾ اختیار ہے جو چاہیں کریں۔ لیکن اگر آپ لوگ اعراض کر گئے تو گریز پر حمل کیا جائیگا۔ میری اس تحریر کے مخاطب مولوی محی الدین۔ عبدالرحمٰن صاحب لکھووالے اور میاں عبدالحق صاحب غزنوی اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اور مولوی عبدالجبّار صاحب غزنوی اور مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی ہیں اور باقی انہیں کے زیر اثر آجائیں گے۔

﴿۶۶۵﴾ جو ہمارا تھا وہ اب دلبر کا سارا ہوگیا — آج ہم دلبر کے اور دلبر ہمارا ہوگیا
شکر للہ مل گیا ہم کو وہ لعل بے بدل — کیا ہوا گر قوم کا دل سنگِ خارا ہوگیا

مسیح موعود ہونے کا ثبوت

اس میں تو کچھ شک نہیں کہ اس بات کے ثابت ہونے کے بعد کہ درحقیقت حضرت مسیح ابن مریم اسرائیلی نبی فوت ہوگیا ہے ہریک مسلمان کو یہ ماننا پڑے گا کہ فوت شدہ نبی ہرگز دنیا میں دوبارہ نہیں آسکتا۔ کیونکہ قرآن اور حدیث دونوں بالاتفاق اِس بات پر شاہد ہیں کہ جو شخص مر گیا پھر دنیا میں ہرگز نہیں آئے گا اور قرآن کریم اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ [1] کہہ کر ہمیشہ کے لئے اس دنیا سے اُن کو رخصت کرتا ہے۔ اور قصہ عزیر وغیرہ جو قرآن کریم میں ہے اس بات کے مخالف نہیں کیونکہ لغت میں موت بمعنی نوم اور غشی بھی آیا ہے۔ دیکھو ﴿۶۶۶﴾ قاموس۔ اور جو عزیر کے قصہ میں ہڈیوں پر گوشت چڑھانے کا ذکر ہے وہ حقیقت میں ایک الگ بیان ہے جس میں یہ جتلانا منظور ہے کہ رحم میں خدائے تعالیٰ ایک مردہ کو زندہ کرتا ہے اور اس کی ہڈیوں پر گوشت چڑھاتا ہے اور پھر اس میں جان ڈالتا ہے ماسوا اس کے کسی آیت یا حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ عزیر دوبارہ زندہ ہوکر پھر بھی فوت ہوا۔ پس اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ عزیر کی زندگی دوم دنیوی زندگی نہیں تھی ورنہ بعد اس کے ضرور کہیں اس کی موت کا بھی ذکر ہوتا۔ ایسا ہی قرآن کریم میں جو بعض لوگوں کی دوبارہ زندگی لکھی ہے وہ بھی دنیوی زندگی نہیں۔

اب حدیثوں پر نظر غور کرنے سے بخوبی یہ ثابت ہوتا ہے کہ آخری زمانہ میں ابن مریم اُترنے والا ہے جس کی یہ تعریفیں لکھی ہیں کہ وہ گندم گوں ہوگا اور بال اس کے سیدھے ہوں گے اور مسلمان کہلائے گا اور مسلمانوں کے باہمی اختلافات دُور کرنے کے لئے آئے گا اور مغز شریعت جس کو وہ بھول گئے ہوں گے انہیں یاد دلائے گا اور ضرور ہے کہ وہ اس وقت نازل ہو جس وقت انتہا تک شر اور فتن پہنچ جائیں اور مسلمانوں پر

[1] الانبیاء: ۹۶

وہ تنزّل کا زمانہ ہو جو یہودیوں پر اُن کے آخری دنوں میں آیا تھا۔

﴿۶۶۷﴾ اِس زمانہ کے بعض نوتعلیم یافتہ ایسے شخص کے آنے سے ہی شک میں ہیں جو ابن مریم کے نام پر آئے گا وہ کہتے ہیں کہ یہ عظیم الشان شخص جو حدیثوں میں بیان کیا گیا ہے اگر واقعی طور پر ایسا آدمی آنے والا تھا تو چاہیئے تھا کہ قرآن کریم میں اس کا کچھ ذکر ہوتا جیسا کہ دابۃ الارض اور دخان اور یاجوج ماجوج کا ذکر ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ لوگ سراسر غلطی پر ہیں خدائے تعالیٰ نے اپنے کشف صریح سے اس عاجز پر ظاہر کیا ہے کہ قرآن کریم میں مثالی طور پر ابن مریم کے آنے کا ذکر ہے اور وہ یوں ہے کہ خدائے تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیل موسیٰ قرار دیا ہے جیسا کہ فرماتا ہے اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا [1] اس آیت میں خدائے تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو موسیٰ کی طرح اور کفار کو فرعون کی طرح ٹھہرایا۔ اور پھر دوسری جگہ فرمایا وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ﴿۶۶۸﴾ يَعْبُدُوْنَنِىْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِىْ شَيْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ الجزو نمبر ۱۸ سورۃ النور [2] یعنی خدائے تعالیٰ نے اس اُمّت کے مومنوں اور نیکوکاروں کے لئے وعدہ فرمایا ہے کہ انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا کہ اس نے پہلوں کو بنایا تھا یعنی اُسی طرز اور طریق کے موافق اور نیز اُسی مدت اور زمانہ کے مشابہ اور اُسی صورت جلالی اور جمالی کی مانند جو بنی اسرائیل میں سنّت اللہ گذر چکی ہے اس اُمّت میں بھی خلیفے بنائے جائیں گے اور اُن کا سِلسلہ خلافت اس سلسلے سے کم نہیں ہوگا۔ جو بنی اسرائیل کے خلفاء کے لئے مقرر کیا گیا تھا اور نہ ان کی طرز خلافت اس طرز سے مبائن و مخالف ہوگی جو بنی اسرائیل کے خلیفوں کے لئے مقرر کی گئی تھی۔ پھر آگے فرمایا ہے کہ ان خلیفوں کے ذریعے سے زمین پر دین

[1] . المزمل: ۱۶ [2] . النور: ۵۶

جما دیا جائے گا اور خدا خوف کے دنوں کے بعد امن کے دن لائے گا۔ خالصًا اُسی کی بندگی کریں گے اور کوئی اس کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ لیکن اس زمانہ کے بعد پھر کفر پھیل جائے گا۔ مماثلت تامہ کا اشارہ جو **کما استخلف الذین من قبلھم** سے سمجھا جاتا ہے۔ صاف دلالت کر رہا ہے کہ یہ مماثلت مدت ایام خلافت اور خلیفوں کی طرز اصلاح اور طرزِ ظہور سے متعلق ہے۔ سو چونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل میں خلیفۃ اللہ ہونیکا منصب حضرت موسیٰ سے شروع ہوا اور ایک مدت دراز تک نوبت بہ نوبت انبیاء بنی اسرائیل میں رہ کر آخر چودہ (سو) برس کے پورے ہوتے تک حضرت عیسیٰ ابن مریم پر یہ سلسلہ ختم ہوا حضرت عیسیٰ ابن مریم ایسے خلیفۃ اللہ تھے کہ ظاہری عنان حکومت اُن کے ہاتھ میں نہیں آئی تھی اور سیاست ملکی اور اس دنیوی بادشاہی سے ان کو کچھ علاقہ نہیں تھا اور دنیا کے ہتھیاروں سے وہ کچھ کام نہیں لیتے تھے بلکہ اس ہتھیار سے کام لیتے تھے جو اُن کے انفاس طیّبہ میں تھا۔ یعنی اس موجّہ بیان سے جو اُن کی زبان پر جاری کیا گیا تھا جس کے ساتھ بہت سی برکتیں تھیں اور جس کے ذریعہ سے وہ مرے ہوئے دلوں کو زندہ کرتے تھے اور بہرے کانوں کو کھولتے تھے اور مادرزاد اندھوں کو سچائی کی روشنی دکھا دیتے تھے اُن کا وہ دم ازلی کافر کو مارتا تھا اور اُس پر پوری حجت کرتا تھا لیکن مومن کو زندگی بخشتا تھا۔ وہ بغیر باپ کے پیدا کئے گئے تھے اور ظاہری اسباب اُن کے پاس نہیں تھے اور ہر بات میں خدائے تعالیٰ اُن کا متولّی تھا۔ وہ اُس وقت آئے تھے کہ جبکہ یہودیوں نے نہ صرف دین کو بلکہ انسانیت کی خصلتیں بھی چھوڑ دی تھیں اور بے رحمی اور خودغرضی اور کینہ اور بُغض اور ظلم اور حسد اور بے جا جوش نفس امّارہ کے اُن میں ترقی کر گئے تھے۔ اور نہ صرف بنی نوع کے حقوق کو انہوں نے چھوڑ دیا تھا بلکہ غلبہ شقاوت کی وجہ سے حضرت محسنِ حقیقی سے عبودیت اور اطاعت اور سچے اخلاص کا رشتہ بھی توڑ بیٹھے تھے۔ صرف بے مغز استخوان کی طرح توریت کے چند الفاظ اُن کے پاس تھے جو قہر الٰہی کی وجہ سے ان کی حقیقت تک وہ نہیں پہنچ سکتے تھے

کیونکہ ایمانی فراست اور زیرکی بالکل اُن میں سے اُٹھ گئی تھی اور اُن کے نفوس مظلمہ پر جہل غالب آ گیا تھا اور سفلی مکاریاں اور کراہت کے کام اُن سے سرزد ہوتے تھے اور جھوٹ اور ریاکاری اور غدّاری اُن میں انتہا تک پہنچ گئی تھی۔ ایسے وقت میں اُن کی طرف مسیح ابن مریم بھیجا گیا تھا جو بنی اسرائیل کے مسیحوں اور خلیفوں میں سے آخری مسیح اور آخری خلیفۃ اللہ تھا جو
﴿۶۷۱﴾ برخلاف سُنّت اکثر نبیوں کے بغیر تلوار اور نیزہ کے آیا تھا۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ شریعت موسوی میں خلیفۃ اللہ کو مسیح کہتے تھے اور حضرت داؤد کے وقت اور یا اُن سے کچھ عرصہ پہلے یہ لفظ بنی اسرائیل میں شائع ہو گیا تھا۔ بہرحال اگرچہ بنی اسرائیل میں کئی مسیح آئے لیکن سب سے پیچھے آنے والا مسیح وہی ہے جس کا نام قرآن کریم میں مسیح عیسیٰ ابن مریم بیان کیا گیا ہے۔ بنی اسرائیل میں مریمیں بھی کئی تھیں اور ان کے بیٹے بھی کئی تھے لیکن مسیح عیسیٰ بن مریم یعنی اِن تینوں ناموں سے ایک مرکب نام بنی اسرائیل میں اُس وقت اور کوئی نہیں پایا گیا۔ سو مسیح عیسیٰ ابن مریم یہودیوں کی اس خراب حالت میں آیا جس کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ آیات موصوفہ بالا میں ابھی ہم بیان کر چکے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کا اس اُمّت کے لئے وعدہ تھا کہ بنی اسرائیل کی طرز پر ان میں بھی خلیفے پیدا ہوں گے۔ اب ہم جب اس طرز کو نظر کے سامنے لاتے ہیں تو ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ ضرور تھا کہ آخری خلیفہ اس اُمّت کا مسیح ابن مریم کی صورت مثالی پر آوے اور اس زمانہ میں
﴿۶۷۲﴾ آوے کہ جو اُس وقت سے مشابہ ہو جس وقت میں بعد حضرت موسیٰ کے مسیح ابن مریم آئے تھے یعنی چودھویں صدی میں یا اس کے قریب اُس کا ظہور ہو اور ایسا ہی بغیر سیف وسنان کے اور بغیر آلات حرب کے آوے جیسا کہ حضرت مسیح ابن مریم آئے تھے اور نیز ایسے ہی لوگوں کی اصلاح کیلئے آوے جیسا کہ مسیح ابن مریم اُس وقت کے خراب اندرون یہودیوں کی اصلاح کے لئے آئے تھے۔ اور جب آیات ممدوحہ بالا کو غور سے دیکھتے ہیں تو ہمیں ان کے اندر سے یہ آواز سُنائی دیتی ہے کہ ضرور آخری خلیفہ اس اُمّت کا جو چودھویں صدی کے سر پر ظہور کرے گا حضرت مسیح کی صورت مثالی پر آئے گا اور بغیر آلاتِ حرب ظہور کرے گا

دو سلسلوں کی مماثلت میں یہی قاعدہ ہے کہ اوّل اور آخر میں اشد درجہ کی مشابہت اُن میں ہوتی ہے۔ کیونکہ ایک لمبے سلسلہ اور ایک طوالانی مدت میں تمام درمیانی افراد کا مفصل حال معلوم کرنا طول بلا طائل ہے۔ پس جبکہ قرآن کریم نے صاف صاف بتلا دیا کہ خلافت اسلامی کا سلسلہ اپنی ترقی اور تنزّل اور اپنی جلالی اور جمالی حالت کی رو سے خلافت اسرائیلی سے بکلی مطابق و مشابہ و مماثل ہوگا اور یہ بھی بتلا دیا کہ نبی عربی امّی مثیل موسیٰ ہے تو اس ضمن میں قطعی اور یقینی ﴿۶۷۳﴾ طور پر بتلایا گیا کہ جیسے اسلام میں سر دفتر الٰہی خلیفوں کا مثیل موسیٰ ہے جو اس سلسلہ اسلامیہ کا سپہ سالار اور بادشاہ اور تختِ عزت کے اوّل درجہ پر بیٹھنے والا اور تمام برکات کا مصدر اور اپنی روحانی اولاد کا مورث اعلیٰ ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ ایسا ہی اس سلسلہ کا خاتم باعتبار نسبت تامہ وہ مسیح عیسیٰ بن مریم ہے جو اس اُمّت کے لوگوں میں سے بحکم ربی مسیحی صفات سے رنگین ہوگیا ہے اور فرمان **جَعَلْنَاکَ الْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ** نے اُس کو در حقیقت وہی بنا دیا ہے وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا [1]۔ اور اس آنے والے کا نام جو **احمد** رکھا گیا ہے وہ بھی اس کے مثیل ہونے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ **محمدؐ** جلالی نام ہے اور **احمد** جمالی۔ اور احمد اور عیسیٰ اپنے جمالی معنوں کی رُو سے ایک ہی ہیں۔ اسی کی طرف یہ اشارہ ہے وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُہٗۤ اَحْمَدُ [2]۔ مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فقط احمد ہی نہیں بلکہ محمد بھی ہیں یعنی جامع جلال و جمال ہیں۔ لیکن آخری زمانہ میں برطبق پیشگوئی مجرّد ﴿۶۷۴﴾ احمد جو اپنے اندر حقیقت عیسویت رکھتا ہے بھیجا گیا۔ وہ حی و قیوم خدا جو اس بات پر قادر ہے جو انسان کو حیوان بلکہ شرّ الحیوانات بنا دے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے جَعَلَ مِنْھُمُ الْقِرَدَۃَ وَالْخَنَازِیْرَ [3] اور فرمایا کہ کُوْنُوْا قِرَدَۃً خٰسِئِیْنَ [4] کیا وہ ایک انسان کو دوسرے انسان کی صورت مثالی پر نہیں بنا سکتا۔ بَلٰی وَھُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ [5]۔ پھر جب کہ انسانیت کی حقیقت پر فنا طاری ہونے کے وقت میں ایک ایسے ہی انسان کی ضرورت تھی

[1] الاحزاب:۲۸ [2] الصّف:۷ [3] المائدۃ:۶۱ [4] البقرۃ:۶۶ [5] یٰسٓ:۸۲

جس کا محض خدائے تعالیٰ کے ہاتھ سے تولّد ہوتا۔ جس کا آسمان پر ابن مریم نام ہے تو کیوں خدائے تعالیٰ کی قادریّت اس ابن مریم کے پیدا کرنے سے مجبور رہ سکتی۔ سو اُس نے محض اپنے فضل سے بغیر وسیلہ کسی زمینی والد کے اس ابن مریم کو روحانی پیدائش اور روحانی زندگی بخشی جیسا کہ اس نے خود اس کو اپنے الہام میں فرمایا **ثم احییناک بعد ما اھلکنا القرون الاولیٰ و جعلناک المسیح ابن مریم**۔ یعنی پھر ہم نے تجھے زندہ کیا بعد اس کے جو پہلے قرنوں کو ہم نے ہلاک کر دیا اور تجھے ہم نے مسیح ابن مریم بنایا یعنی بعد اس کے جو عام طور پر مشائخ اور علماء میں موت روحانی پھیل گئی۔ انجیل میں بھی اِسی کی طرف اشارہ ہے کہ مسیح ستاروں کے گرنے کے بعد آئے گا۔

﴿۶۷۵﴾ اب اس تحقیق سے ثابت ہے کہ مسیح ابن مریم کی آخری زمانہ میں آنے کی قرآن شریف میں پیشگوئی موجود ہے۔ قرآن شریف نے جو مسیح کے نکلنے کی چودہ[۱۴۰۰] سو برس تک مدّت ٹھہرائی ہے بہت سے اولیاء بھی اپنے مکاشفات کی رُو سے اس مدت کو مانتے ہیں اور آیت وَ اِنَّا عَلٰی ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ[۱] جس کے بحساب جمل ۱۲۷۴ عدد ہیں۔ اسلامی چاند کی سلخ کی راتوں کی طرف اشارہ کرتی ہے جس میں نئے چاند کے نکلنے کی اشارت چھپی ہوئی ہے جو غلام احمد قادیانی کے عددوں میں بحساب جمل پائی جاتی ہے اور یہ آیت کہ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ[۲] درحقیقت اسی مسیح ابن مریم کے زمانہ سے متعلق ہے کیونکہ تمام ادیان پر روحانی غلبہ بجز اس زمانہ کے کسی اور زمانہ میں ہرگز ممکن نہیں تھا وجہ یہ کہ یہی زمانہ ہے کہ جس میں ہزارہا قسم کے اعتراضات اور شبہات پیدا ہو گئے ہیں اور انواع اقسام کے عقلی حملے اسلام پر کئے گئے ہیں۔ اور خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا
﴿۶۷۶﴾ نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ[۳] یعنی ہر یک چیز کے ہمارے پاس خزانے ہیں مگر بقدر معلوم اور بقدر ضرورت ہم اُن کو اُتارتے ہیں۔ سو جس قدر معارف و حقائق بطون قرآن کریم میں

[۱] المؤمنون: ۱۹ [۲] الصّف: ۱۰ [۳] الحجر: ۲۲

چُھپے ہوئے ہیں جو ہریک قسم کے ادیان فلسفیہ وغیر فلسفیہ کو مقہور و مغلوب کرتے ہیں اُن کے ظہور کا زمانہ یہی تھا۔ کیونکہ وہ بجُز تحریک ضرورت پیش آمدہ کے ظاہر نہیں ہو سکتے تھے سو اب مخالفانہ حملے جو نئے فلسفہ کی طرف سے ہوئے تو اُن معارف کے ظاہر ہونے کا وقت آ گیا اور ممکن نہیں تھا کہ بغیر اس کے کہ وہ معارف ظاہر ہوں اسلام تمام ادیان باطلہ پر فتح پا سکے کیونکہ سیفی فتح کچھ چیز نہیں اور چند روزہ اقبال کے دور ہونے سے وہ فتح بھی معدوم ہو جاتی ہے۔ سچی اور حقیقی فتح وہ ہے جو معارف اور حقائق اور کامل صداقتوں کے لشکر کے ساتھ حاصل ہو۔ سو وہ یہ فتح ہے جو اب اسلام کو نصیب ہو رہی ہے۔ بلا شبہ یہ پیشگوئی اسی زمانہ کے حق میں ہے اور سلف صالح بھی ایسا ہی سمجھتے آئے ہیں۔ یہ زمانہ درحقیقت ایک ایسا زمانہ ہے جو بالطبع تقاضا کر رہا ہے جو قرآن شریف اپنے اُن تمام بطون کو ظاہر کرے جو اُس کے اندر مخفی چلے آتے ﴿۶۷۷﴾
ہیں کیونکہ بطنی معارف قرآن کریم کے جن کا وجود احادیث صحیحہ اور آیات بیّنہ سے ثابت ہے فضول طور پر کبھی ظہور نہیں کرتے بلکہ یہ معجزہ فرقانی ایسے ہی وقت میں اپنا جلوہ دکھاتا ہے جبکہ اس روحانی معجزہ کے ظہور کی اشد ضرورت پیش آتی ہے۔ سو اس زمانہ میں کامل طور پر یہ ضرورتیں پیش آ گئی ہیں۔ انسانوں نے مخالفانہ علوم میں بہت ترقی کر لی ہے اور کچھ شک نہیں کہ اگر اس نازک وقت میں بطنی علوم قرآن کریم کے ظاہر نہ ہوں گے تو موٹی تعلیم جس پر حال کے علماء قائم ہیں کبھی اور کسی صورت میں مقابلہ مخالفین کا نہیں کر سکتے اور ان کو مغلوب کرنا تو کیا خود مغلوب ہو جانے کے قوی خطرہ میں پھنسے ہوئے ہیں۔ یہ بات ہریک فہیم کو جلدی سمجھ میں آ سکتی ہے کہ اللہ جلَّ شَانُہٗ کی کوئی مصنوع دقائق و غرائب خواص سے خالی نہیں۔ اور اگر ایک مکھی کے خواص اور عجائبات کی قیامت تک تفتیش و تحقیقات کرتے جائیں تو بھی کبھی ختم نہیں ہو سکتی۔ تو اب سوچنا چاہیئے کہ کیا خواص و عجائبات قرآن کریم کے اپنے قدر و اندازہ میں مکھی جتنے بھی نہیں۔ بلا شبہ وہ عجائبات تمام مخلوقات کے ﴿۶۷۸﴾

مجموعی عجائبات سے بہت بڑھ کر ہیں اور اُن کا انکار درحقیقت قرآن کریم کے منجانب اللہ ہونے کا انکار ہے کیونکہ دنیا میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں کہ جو خدائے تعالیٰ کی طرف سے صادر ہو اور اُس میں بے انتہاء عجائبات نہ پائے جائیں۔ اب یہ عذر کہ اگر ہم قرآن کریم کے ایسے دقائق و معارف بھی مان لیں جو پہلوں نے دریافت نہیں کئے تو اس میں اجماع کی کسر شان ہے۔ گویا ہمیں یہ کہنا پڑے گا کہ جو پہلے اماموں کو معلوم نہیں ہوا تھا وہ ہم نے معلوم کرلیا۔ یہ خیال ان مُلّا لوگوں کا بالکل فاسد ہے۔ اُن کو سوچنا چاہیئے کہ جبکہ یہ ممکن ہے کہ بعض نباتات وغیرہ میں زمانۂ حال میں کوئی ایسی خاصیت ثابت ہو جائے جو پہلوں پر نہیں کھلی تو کیا یہ ممکن نہیں کہ قرآن کریم کے بعض عجیب حقائق و معارف اب ایسے کھل جائیں جو پہلوں پر کھل نہیں سکے کیونکہ اس وقت اُن کے کھلنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ ہاں ایمان اور عقائد کے متعلق جو ضروری پاتے ہیں جو شریعت سے علاقہ رکھتے ہیں جو مسلمان بننے کے لئے ضروری ہیں۔ وہ تو ہر یک کی اطلاع کے لئے کھلے کھلے بیان کے ساتھ قرآن شریف میں درج ہیں لیکن وہ نکات و
﴿۶۷۹﴾ حقائق جو معرفت کو زیادہ کرتے ہیں وہ ہمیشہ حسب ضرورت کھلتے رہتے ہیں اور نئے نئے فسادوں کے وقت نئے نئے پُر حکمت معانی بمنصۂ ظہور آتے رہتے ہیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ قرآن کریم بذات خود معجزہ ہے اور بڑی بھاری وجہ اعجاز کی اس میں یہ ہے کہ وہ جامع حقائق غیر متناہیہ ہے۔ مگر بغیر وقت کے وہ ظاہر نہیں ہوتے۔ جیسے جیسے وقت کے مشکلات تقاضہ کرتی ہیں وہ معارف خفیہ ظاہر ہوتے جاتے ہیں۔ دیکھو دنیوی علوم جو اکثر مخالف قرآن کریم اور غفلت میں ڈالنے والے ہیں۔ کیسے آج کل ایک زور سے ترقی کررہے ہیں اور زمانہ اپنے علوم ریاضی اور طبعی اور فلسفہ کی تحقیقاتوں میں کیسی ایک عجیب طور کی تبدیلیاں دکھلا رہا ہے۔ کیا ایسے نازک وقت میں ضرور نہ تھا کہ ایمانی اور عرفانی ترقیات کے لئے بھی دروازہ کھولا جاتا۔ تا شرور محدثہ کی مدافعت کے لئے آسانی پیدا ہو جاتی۔ سو یقیناً سمجھو کہ وہ

دروازہ کھولا گیا ہے اور خدائے تعالیٰ نے ارادہ کرلیا ہے کہ تا قرآن کریم کے عجائبات مخفیہ اس دنیا کے متکبّر فلسفیوں پر ظاہر کرے۔ اب نیم مُلّاں دشمن اسلام اس ارادہ کو روک نہیں سکتے۔ اگر اپنی شرارتوں سے باز نہیں آئیں گے تو ہلاک کئے جائیں گے اور قہری طمانچہ حضرت قہار کا ایسا ﴿۶۸۰﴾ لگے گا کہ خاک میں مل جائیں گے۔ اِن نادانوں کو حالت موجودہ پر بالکل نظر نہیں۔ چاہتے ہیں کہ قرآن کریم مغلوب اور کمزور اور ضعیف اور حقیر سا نظر آوے لیکن اب وہ ایک جنگی بہادر کی طرح نکلے گا۔ ہاں وہ ایک شیر کی طرح میدان میں آئے گا اور دنیا کے تمام فلسفہ کو کھا جائے گا اور اپنا غلبہ دکھائے گا اور **لِیُظْهِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ** کی پیشگوئی کو پوری کردے گا اور پیشگوئی **وَلَیُمَکِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمْ** کو روحانی طور سے کمال تک پہنچائے گا۔ کیونکہ دین کا زمین پر بوجہ کمال قائم ہوجانا محض جبر اور اکراہ سے ممکن نہیں۔ دین اُس وقت زمین پر قائم ہوتا ہے کہ جب اس کے مقابل پر کوئی دین کھڑا نہ رہے اور تمام مخالف سپر ڈال دیں۔ سو اب وہی وقت آگیا۔ اب وہ وقت نادان مولویوں کے روکنے سے رک نہیں سکتا۔ اب وہ ابن مریم جسکا روحانی باپ زمین پر بجُز معلّم حقیقی کے کوئی نہیں جو اس وجہ سے آدم سے بھی مشابہت رکھتا ہے بہت سا خزانہ قرآن کریم کا لوگوں میں تقسیم کرے گا یہاں تک کہ لوگ قبول کرتے کرتے تھک ﴿۶۸۱﴾ جائیں گے اور **لا یقبلہ احد** کا مصداق بن جائیں گے اور ہر یک طبیعت اپنے ظرف کے مطابق پُر ہوجائے گی۔ وہ خلافت جو آدم سے شروع ہوئی تھی خدائے تعالیٰ کی کامل اور بے تغیر حکمت نے آخر کار آدم پر ہی ختم کردی یہی حکمت اس الہام میں ہے کہ **اردت ان استخلف فخلقت اٰدم** یعنی میں نے ارادہ کیا کہ اپنا خلیفہ بناؤں سو میں نے آدم کو پیدا کردیا۔ چونکہ استدارت زمانہ کا یہی وقت ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ اس پر ناطق ہیں اس لئے خدائے تعالیٰ نے آخر اور اوّل کے لفظ کو ایک ہی کرنے کے لئے آخری خلیفے کا نام آدم رکھا اور آدم اور عیسیٰ میں کسی وجہ سے روحانی مبائنت نہیں بلکہ مشابہت ہے اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ کَمَثَلِ اٰدَمَ۔[۱]

[۱] . اٰل عمران: ۶۰

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ خدائے تعالیٰ نے اگرچہ ایک طرز جدید سے قرآن کریم میں صاف طور پر بیان کر دیا کہ آخری خلیفہ اسلام کے الٰہی خلیفوں کا روحانی طور پر ایسے خلیفہ کا روپ اور رنگ لے کر آئے گا جو اسرائیلی خلیفوں میں سے آخری خلیفہ تھا یعنی مسیح ابن مریم لیکن کیا وجہ ﴿۶۸۲﴾ کہ خدائے تعالیٰ نے اس پیشگوئی میں مسیح ابن مریم کا بصراحت نام لیا۔ گو مطلب وہی نکل آیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تا لوگ غلط فہمی سے بلا میں نہ پڑ جائیں۔ کیونکہ اگر خدائے تعالیٰ صاف طور پر نام لے کر بیان کر دیتا کہ اس اُمّت کا آخری خلیفہ یہی مسیح ابن مریم ہی ہوگا تو نادان مولویوں کے لئے بلا پر بلا پیدا ہو جاتی اور غلط فہمی کی آفت ترقی کر جاتی۔ سو خدائے تعالیٰ نے اپنے بیان میں دو مسلک اختیار کرنا پسند رکھا۔ ایک وہ مسلک جو حدیثوں میں ہے جس میں ابن مریم کا لفظ موجود ہے۔ اور دوسرا وہ مسلک جو قرآن کریم میں ہے جس کا ابھی بیان ہو چکا ہے۔ اب ثبوت اِس بات کا کہ وہ مسیح موعود جس کے آنے کا قرآن کریم میں وعدہ دیا گیا ہے یہ عاجز ہی ہے۔ اِن تمام دلائل اور علامات اور قرائن سے جو ذیل میں لکھتا ہوں ہر یک طالب حق پر بخوبی کھل جائے گا۔

از انجملہ ایک یہ ہے کہ یہ عاجز ایسے وقت میں آیا ہے جس وقت میں مسیح موعود آنا چاہیئے تھا کیونکہ حدیث **الآیات بعد المأتین** جس کے یہ معنے ہیں کہ آیات کبریٰ تیرھویں صدی ﴿۶۸۳﴾ میں ظہور پذیر ہوں گی اسی پر قطعی اور یقینی دلالت کرتی ہے کہ مسیح موعود کا تیرھویں صدی میں ظہور یا پیدائش واقع ہو۔ بات یہ ہے کہ آیات صغریٰ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت مبارک سے ہی ظاہر ہونی شروع ہو گئی تھیں۔ پس بلاشبہ الآیات سے آیات کبریٰ مراد ہیں جو کسی طرح سے دو سو برس کے اندر ظاہر نہیں ہو سکتی تھیں لہذا علماء کا اسی پر اتفاق ہو گیا ہے کہ بعد المأتین سے مراد تیرھویں صدی ہے اور الآیات سے مراد آیات کبریٰ ہیں جو ظہور مسیح موعود اور دجّال اور یاجوج ماجوج وغیرہ ہیں اور ہر یک شخص

سمجھ سکتا ہے کہ اس وقت جو ظہور مسیح موعود کا وقت ہے کسی نے بجز اس عاجز کے دعویٰ نہیں کیا کہ میں مسیح موعود ہوں بلکہ اس مدّت تیرہ سو برس میں کبھی کسی مسلمان کی طرف سے ایسا دعویٰ نہیں ہوا کہ میں مسیح موعود ہوں۔ ہاں عیسائیوں نے مختلف زمانوں میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تھا اور کچھ تھوڑا عرصہ ہوا ہے کہ ایک عیسائی نے امریکہ میں بھی مسیح ابن مریم ہونے کا دم مارا تھا۔ لیکن ان مشرک عیسائیوں کے دعوؔی کو کسی نے قبول نہیں کیا۔ ہاں ﴿۶۸۴﴾
ضرور تھا کہ وہ ایسا دعویٰ کرتے تا انجیل کی وہ پیشگوئی پوری ہو جاتی کہ بہتیرے میرے نام پر آئیں گے اور کہیں گے کہ میں مسیح ہوں۔ پر سچا مسیح ان سب کے آخر میں آئے گا اور مسیح نے اپنے حواریوں کو نصیحت کی تھی کہ تم نے آخر کا منتظر رہنا، میرے آنے کا۔ یعنی میرے نام پر جو آئے گا اس کا نشان یہ ہے کہ اُس وقت سورج اور چاند تاریک ہو جائے گا۔ اور ستارے زمین پر گر جائیں گے اور آسمان کی قوتیں سُست ہو جائیں گی۔ تب تم آسمان پر ابن آدم کا نشان دیکھو گے۔ یہ تمام اشارہ اس بات کی طرف تھا کہ اس وقت نور علم کا اُٹھ جائے گا اور ربّانی علماء فوت ہو جائیں گے اور جہالت کی تاریکی پھیل جائے گی۔ تب ابن مریم آسمانی حکم سے ظاہر ہوگا۔ یہی اشارہ سورۃ الزلزال میں ہے کہ اُس وقت زمین پر سخت زلزلہ آئے گا اور زمین اپنے تمام خزائن اور دفائن باہر نکال دے گی یعنی علوم ارضیہ کی خوب ترقی ہوگی مگر آسمانی علوم کی نہیں یَوۡمَ تَاۡتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیۡنٍ [1]۔

﴿۶۸۵﴾ **ازانجملہ** ایک یہ ہے کہ مکاشفات اکابر اولیاء بالاتفاق اسؔ بات پر شاہد ہیں کہ مسیح موعود کا ظہور چودھویں صدی سے پہلے یا چودھویں صدی کے سر پر ہوگا اور اس سے تجاوز نہیں کرے گا چنانچہ ہم نمونہ کے طور پر کسی قدر اس رسالہ میں لکھ بھی آئے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اس وقت میں بجُز اس عاجز کے اور کوئی شخص دعوے دار اس منصب کا نہیں ہوا۔

ازانجملہ ایک یہ ہے کہ مدت ہوئی کہ گروہ دجّال ظاہر ہو گیا ہے اور بڑے زور سے اس کا ظہور ہو رہا ہے اور اس کا گدھا بھی جو درحقیقت اُسی کا بنایا ہوا ہے جیسا کہ

[1] الدخان: ۱۱

احادیث صحیحہ کا منشاء ہے مشرق ومغرب کا سیر کر رہا ہے اور وہ گدھا دجّال کا بنایا ہوا ہوتا جو حدیث کے منشاء کے موافق ہے اس دلیل سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر ایسا گدھا معمولی طور پر کسی گدھی کے شکم سے پیدا ہوتا تو اس قسم کے بہت سے گدھے اب بھی موجود ہونے چاہیئے تھے کیونکہ بچے کی مشابہت قد وقامت اور سیر وسیاحت اور قوت وطاقت میں اس کے والدین سے ضروری ہے۔ لہٰذا احادیث صحیحہ کا اشارہ اسی بات کی طرف ہے کہ وہ گدھا دجّال کا اپنا ہی بنایا ہوا ہوگا پھر اگر وہ ریل نہیں تو اَور کیا ہے۔ ایسا ہی یاجوج ماجوج کی قومیں بھی بڑے زور ﴿۶۸۶﴾ سے خروج کر رہی ہیں۔ دابۃ الارض بھی جا بجا نظر آتا ہے۔ ایک تاریک دُخان نے بھی آسمان سے نازل ہو کر دنیا کو ڈھانک لیا ہے۔ پھر اگر ایسے وقت میں مسیح ظاہر نہ ہوتا تو پیشگوئی میں کذب لازم آتا سو مسیح موعود جس نے اپنے تئیں ظاہر کیا وہ یہی عاجز ہے۔

اگر یہ شبہ پیش کیا جائے کہ دجّال کی علامتیں کامل طور پر ان انگریز پادریوں کے فرقوں میں کہاں پائی جاتی ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم کامل طور پر اسی رسالہ میں ثابت کر آئے ہیں کہ درحقیقت یہی لوگ دجّال معہود ہیں۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو تمام علامات ان پر صادق آرہی ہیں۔ اور ان لوگوں نے بباعث اپنی صنعتوں اور تدبیروں اور حکیمانہ یدطولیٰ اور وسعت مالی کے ہر یک چیز گویا اپنے قابو میں کر رکھی ہے۔ اور یہ علامت کہ دجّال صرف چالیس دن رہے گا اور بعض دن برس کی طرح ہوں گے یہ حقیقت پر محمول نہیں ہوسکتی کیونکہ بعض حدیثوں میں بجائے چالیس دن کے چالیس سال بلکہ پینتالیس برس بھی آیا ہے پھر اگر بعض دن برس کے برابر ہوں گے تو اس سے لازم آتا ہے کہ مسیح ابن مریم فوت بھی ہو جائے اور دجّال ہنوز ﴿۶۸۷﴾ باقی رہے۔ لہٰذا اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ سب الفاظ قابل تاویل ہیں دجّال کے فوت ہونے سے مراد اس قوم کا استیصال نہیں بلکہ اس مذہب کے دلائل اور حجج کا استیصال ہے۔ اور کچھ شک نہیں کہ جو مذہب دلائل یقینیہ کے رو سے بکلّی مغلوب ہو جائے

اور اس کی ذلّت اور رسوائی ظاہر ہو جائے وہ بلاشبہ میّت کے ہی حکم میں ہوتا ہے۔
بعض یہ شبہ بھی پیش کرتے ہیں کہ ایک سوال کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ جب دجّال کے زمانہ میں دن لمبے ہو جائیں گے یعنی برس کی مانند یا اس سے کم تو تم نے نمازوں کا اندازہ کر لیا کرنا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم کو انہیں ظاہری معنوں پر یقین تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صرف فرضی طور پر ایک سوال کا جواب حسب منشاء سائل دیا گیا تھا اور اصلی واقعہ کا بیان کرنا مدعا نہ تھا بلکہ آپ نے صاف صاف فرما دیا تھا کہ سائر ایامه کایّامکم۔ ماسوا اس کے یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ ایسے امور میں جو عملی طور پر سکھلائے نہیں جاتے اور نہ اُن کی جزئیات مخف یہ سمجھائی جاتی ہیں۔ انبیاء سے بھی اجتہاد کے وقت امکانِ سہو و خطا ہے۔ ﴿۶۸۸﴾
مثلاً اس خواب کی بناء پر جس کا قرآن کریم میں ذکر ہے جو بعض مومنوں کے لئے موجب ابتلاء کا ہوئی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منوّرہ سے مکّہ معظّمہ کا قصد کیا اور کئی دن تک منزل در منزل طے کر کے اس بلدہ مبارکہ تک پہنچے مگر کفار نے طواف خانہ کعبہ سے روک دیا اور اُس وقت اس رؤیا کی تعبیر ظہور میں نہ آئی۔ لیکن کچھ شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِسی امید پر یہ سفر کیا تھا کہ اب کے سفر میں ہی طواف میسّر آ جائے گا اور بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب وحی میں داخل ہے لیکن اس وحی کے اصل معنے سمجھنے میں جو غلطی ہوئی اس پر متنبّہ نہیں کیا گیا تھا تبھی تو خدا جانے کئی روز تک مصائب سفر اُٹھا کر مکہ معظّمہ میں پہنچے۔ اگر راہ میں متنبّہ کیا جاتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ضرور مدینہ منورہ میں واپس آ جاتے پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں نے آپ کے روبرو ہاتھ ناپنے شروع کئے تھے تو آپ کو اس غلطی پر متنبّہ نہیں کیا گیا یہاں تک کہ آپ فوت ہو گئے اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی یہی رائے تھی کہ درحقیقت جس بیوی کے لمبے ہاتھ ہیں وہی سب سے پہلے فوت ہو گی۔ ﴿۶۸۹﴾
اِسی وجہ سے باوجودیکہ آپ کے رُوبرو باہم ہاتھ ناپے گئے مگر آپ نے منع نہ فرمایا

کہ یہ حرکت تو خلاف منشاء پیشگوئی ہے۔ اِسی طرح ابن صیّاد کی نسبت صاف طور پر وحی نہیں کھلی تھی اور آنحضرت کا اوّل اوّل یہی خیال تھا کہ ابن صیّاد ہی دجّال ہے۔ مگر آخر میں یہ رائے بدل گئی تھی۔ ایسا ہی سورۂ روم کی پیشگوئی کے متعلق جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شرط لگائی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرمایا کہ بضع کا لفظ لغت عرب میں نو برس تک اطلاق پاتا ہے اور میں بخوبی مطلع نہیں کیا گیا کہ نو برس کی حد کے اندر کس سال یہ پیشگوئی پوری ہوگی۔ ایسا ہی وہ حدیث جس کے یہ الفاظ ہیں **فذهب وهلی الٰی انها الیمامة او الهجر فاذا هی المدینة یثرب**۔ صاف صاف ظاہر کر رہی ہے کہ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اجتہاد سے پیشگوئی کا محل و مصداق سمجھا تھا وہ غلط نکلا۔ اور حضرت مسیح کی پیشگوئیوں کا ﴿۶۹۰﴾ سب سے عجب تر حال ہے۔ بارہا انہوں نے کسی پیشگوئی کے معنے کچھ سمجھے اور آخر کچھ اور ہی ظہور میں آیا۔ یہودا اسکریوطی کو ایک پیشگوئی میں بہشت کا بارھواں تخت دیا لیکن وہ بکلّی بہشت سے محروم رہا۔ اور پطرس کو کبھی بہشت کی کنجیاں دیں اور کبھی اُس کو شیطان بنایا۔ اسی طرح انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کا مکاشفہ کچھ بہت صاف نہیں تھا اور کئی پیشگوئیاں ان کی بسبب غلط فہمی کے پوری نہیں ہوسکیں مگر اپنے اصلی معنوں پر پوری ہوگئیں۔ بہرحال ان تمام باتوں سے یقینی طور پر یہ اصول قائم ہوتا ہے کہ پیشگوئیوں کی تاویل اور تعبیر میں انبیاء علیہم السلام کبھی غلطی بھی کھاتے ہیں۔ جس قدر الفاظ وحی کے ہوتے ہیں وہ تو بلاشبہ اول درجہ کے سچے ہوتے ہیں مگر نبیوں کی عادت ہوتی ہے کہ کبھی اجتہادی طور پر بھی اپنی طرف سے اُن کی کسی قدر تفصیل کرتے ہیں۔ اور چونکہ وہ انسان ہیں اس لئے تفسیر میں کبھی احتمال خطا کا ہوتا ہے۔ لیکن امور دینیہ ایمانیہ میں اس خطا کی گنجائش نہیں ہوتی۔ کیونکہ ان کی تبلیغ میں منجانب اللہ بڑا اہتمام ہوتا ہے اور وہ نبیوں کو عملی طور پر بھی سکھلائی جاتی ہیں چنانچہ ﴿۶۹۱﴾ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہشت اور دوزخ بھی دکھایا گیا اور آیات متواترہ محکمہ بیّنہ سے

جنت اور نار کی حقیقت بھی ظاہر کی گئی ہے پھر کیوں کر ممکن تھا کہ اس کی تفسیر میں غلطی کر سکتے غلطی کا احتمال صرف ایسی پیشگوئیوں میں ہوتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ خود اپنی کسی مصلحت کی وجہ سے مبہم اور مجمل رکھنا چاہتا ہے اور مسائل دینیہ سے اُن کا کچھ علاقہ نہیں ہوتا۔ یہ ایک نہایت دقیق راز ہے جس کے یاد رکھنے سے معرفت صحیحہ مرتبہ نبوت کی حاصل ہوتی ہے اور اسی بناء پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ابن مریم اور دجّال کی حقیقت کاملہ بوجہ نہ موجود ہونے کسی نمونہ کے موبمو منکشف نہ ہوئی ہو اور نہ دجّال کے ستّر باع کے گدھے کی اصل کیفیت کھلی ہو اور نہ یاجوج ماجوج کی عمیق تہ تک وحی الٰہی نے اطلاع دی ہو اور نہ دابۃ الارض کی ماہیت **کَمَا ھِیَ** ظاہر فرمائی گئی اور صرف امثلہ قریبہ اور صور متشابہ اور امور متشاکلہ کے طرز بیان میں جہاں تک غیب محض کی تفہیم بذریعہ انسانی قویٰ کے ممکن ہے اجمالی طور پر سمجھایا گیا ہو تو کچھ تعجب کی بات نہیں اور ایسے امور میں اگر وقت ظہور کچھ جزئیات غیر معلومہ ظاہر ہو جائیں تو شان ﴿۶۹۲﴾ نبوت پر کچھ جائے حرف نہیں۔ مگر قرآن اور حدیث پر غور کرنے سے یہ بخوبی ثابت ہو گیا ہے کہ ہمارے سیّد و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تو یقینی اور قطعی طور پر سمجھ لیا تھا کہ وہ ابن مریم جو رسول اللہ نبی ناصری صاحب انجیل ہے وہ ہرگز دوبارہ دنیا میں نہیں آئے گا۔ بلکہ اس کا کوئی مسمّٰی آئے گا جو بوجہ مماثلت روحانی اس کے نام کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے پائے گا۔

اور منجملہ اُن علامات کے جو اس عاجز کے مسیح موعود ہونے کے بارہ میں پائی جاتی ہیں وہ خدمات خاصہ ہیں جو اس عاجز کو مسیح ابن مریم کی خدمات کے رنگ پر سپرد کی گئی ہیں۔ کیونکہ مسیح اُس وقت یہودیوں میں آیا تھا کہ جب توریت کا مغز اور بطن یہودیوں کے دلوں پر سے اُٹھایا گیا تھا اور وہ زمانہ حضرت موسیٰ سے چودہ سو برس بعد تھا کہ جب مسیح ابن مریم یہودیوں کی اصلاح کے لئے بھیجا گیا تھا۔ پس ایسے ہی زمانہ میں یہ عاجز آیا کہ جب قرآن کریم کا مغز اور بطن مسلمانوں کے دلوں پر سے اٹھایا گیا اور یہ زمانہ بھی حضرت مثیل موسیٰ کے وقت سے اُسی ﴿۶۹۳﴾ زمانہ کے قریب قریب گذر چکا تھا جو حضرت موسیٰ اور عیسیٰ کے درمیان میں زمانہ تھا۔

ازانجملہ ایک یہ کہ ضرور تھا کہ آنے والا ابن مریم الف ششم کے آخر میں پیدا ہوتا۔ کیونکہ ظلمت عامہ اور تامہ کے عام طور پر پھیلنے کی وجہ سے اور حقیقت انسانیہ پر ایک فنا طاری ہونے کے باعث سے وہ روحانی طور پر ابو البشر یعنی آدم کی صورت پر پیدا ہونے والا ہے اور بڑے علامات اور نشان اُس کے وقت ظہور کے انجیل اور فرقان میں یہ لکھے ہیں کہ اس سے پہلے روحانی طور پر عالمِ کون میں ایک فساد پیدا ہو جائے گا۔ آسمانی نور کی جگہ دُخان لے لے گا اور ایک عالم پر دخان کی تاریکی طاری ہو جائے گی۔ ستارے گر جائیں گے زمین پر ایک سخت زلزلہ آجائے گا۔ مرد جو حقیقت کے طالب ہوتے ہیں تھوڑے رہ جائیں گے۔ اور دنیا میں کثرت سے عورتیں پھیل جائیں گی یعنی سفلی لذّات کے طالب بہت ہو جائیں گے جو سفلی خزائن اور دفائن کو زمین سے باہر نکالیں گے مگر آسمانی خزائن سے بے بہرہ ہو جائیں گے تب وہ آدم جس کا دوسرا نام ابن مریم بھی ہے بغیر وسیلہ ہاتھوں کے پیدا کیا جائے گا اسی کی طرف وہ الہام اشارہ کر رہا ہے جو براہین مٓیں درج ہو چکا ہے اور وہ یہ ہے **اردت ان استخلف فخلقت ادم** یعنی میں نے ارادہ کیا جو اپنا خلیفہ بناؤں سو میں نے آدم کو پیدا کیا۔ آدم اور ابن مریم درحقیقت ایک ہی مفہوم پر مشتمل ہے۔ صرف اسقدر فرق ہے کہ آدم کا لفظ قحط الرجال کے زمانہ پر ایک دلالت تامہ رکھتا ہے اور ابن مریم کا لفظ دلالت ناقصہ۔ مگر دونوں لفظوں کے استعمال سے حضرت باری کا مدعا اور مراد ایک ہی ہے۔ اسی کی طرف اس الہام کا بھی اشارہ ہے جو براہین میں درج ہے اور وہ یہ ہے **ان السّمٰوات والارض کانتا رتقا ففتقناھما۔ کنت کنزًا مخفیا فاحببت ان اعرف** ۔ یعنی زمین و آسمان بند تھے اور حقائق و معارف پوشیدہ ہو گئے تھے سو ہم نے اُن کو اس شخص کے بھیجنے سے کھول دیا۔ میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا سو میں نے چاہا کہ شناخت کیا جاؤں۔ ﴿۶۹۴﴾

اب جبکہ اس تمام تقریر سے ظاہر ہوا کہ ضرور ہے کہ آخر الخلفاء آدم کے نام پر آتا۔

اور ظاہر ہے کہ آدم کے ظہور کا وقت روز ششم قریب عصر ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ اور توریت
سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے ہر یک منصف کو ماننا پڑے گا کہ وہ آدم اور ابن مریم یہی ﴿۶۹۵﴾
عاجز ہے۔ کیونکہ اوّل تو ایسا دعویٰ اس عاجز سے پہلے کبھی کسی نے نہیں کیا اور اس عاجز کا یہ دعویٰ
دس برس سے شائع ہو رہا ہے اور براہین احمدیہ میں مدّت سے یہ الہام چھپ چکا ہے کہ خدائے
تعالیٰ نے اس عاجز کی نسبت فرمایا ہے کہ یہ آدم ہے اور یہ خدائے تعالیٰ کی ایک باریک اور کامل
حکمت ہے کہ اس طوفان نزاع کے وقت سے دس برس پہلے ہی اُس نے اس عاجز کا نام آدم
اور عیسیٰ رکھ دیا تا غور کرنے والوں کے لئے نشان ہو اور تا اُس تکلّف اور تاویل کا خیال دور
ہو جاوے جو خام طبع لوگوں کے دلوں میں بسا ہوا ہے۔ سو اس حکیم مطلق نے اس عاجز کا نام
آدم اور خلیفۃ اللہ رکھ کر اور **انّی جاعل فی الارض خلیفہ** کی کھلے کھلے طور پر **براہین احمدیہ**
میں بشارت دے کر لوگوں کو توجہ دلائی کہ تا اِس خلیفۃ اللہ آدم کی اطاعت کریں اور اطاعت
کرنے والی جماعت سے باہر نہ رہیں اور ابلیس کی طرح ٹھوکر نہ کھاویں اور **من شذّ شُذّ فی
النّار** کی تہدید سے بچیں اور اپنے الہاموں کی حقیقت کو سمجھیں لیکن انہوں نے کورانہ لکیر کا نام
جماعت رکھا اور حقیقی جماعت جو بنظر ظاہر بیناں ایک **فئہ قلیلہ** اور **قلیلاً ما ھم** میں داخل ﴿۶۹۶﴾
ہے اس سے مُنہ پھیر لیا اور اس عاجز کو جو خدائے تعالیٰ نے آدم مقرر کر کے بھیجا اس کا یہ نشان
رکھا کہ الف ششم میں جو قائم مقام روز ششم ہے یعنی آخری حصّہ الف میں جو وقت عصر سے
مشابہ ہے اس عاجز کو پیدا کیا جیسا کہ وہ فرماتا ہے اِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ
سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ [1]۔ اور ضرور تھا کہ وہ ابن مریم جس کا انجیل اور فرقان میں آدم بھی نام
رکھا گیا ہے وہ آدم کی طرز پر الف ششم کے آخر میں ظہور کرتا۔ سو آدم اوّل کی پیدائش
سے الف ششم میں ظاہر ہونے والا یہی عاجز ہے۔ بہت سی حدیثوں سے
ثابت ہو گیا ہے کہ بنی آدم کی عمر سات ہزار برس ہے اور آخری آدم پہلے آدم کی
طرز ظہور پر الف ششم کے آخر میں جو روز ششم کے حکم میں ہے پیدا ہونے والا ہے

[1] الحج: ۴۸

سو وہ یہی ہے جو پیدا ہو گیا۔ **فالحمد للّٰہ علٰی ذٰلک.**

ازانجملہ ایک یہ ہے کہ مسیح کے نزول کی علامت یہ لکھی ہے کہ دو فرشتوں کے پروں پر اس نے
اپنی ہتھیلیاں رکھی ہوئی ہوں گی ۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس کا دایاں اور بایاں ہاتھ ﴿۶۹۷﴾
جو تحصیل علوم عقلی اور انوار باطنی کا ذریعہ ہے آسمانی موکلوں کے سہارے پر ہوگا اور وہ مکتب اور
کتابوں اور مشائخ سے نہیں بلکہ خدائے تعالیٰ سے علم لدنّی پائے گا اور اس کی ضروریات
زندگی کا بھی خدا ہی متولّی اور متکفّل ہوگا۔ جیسا کہ عرصہ دس سال سے براہین احمدیہ میں اس
عاجز کی نسبت یہ الہام چھپ چکا ہے کہ **انک باعیننا سمّیتک المتوکل وعلمنٰہُ
من لدنا علمًا** یعنی تُو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے ہم نے تیرا نام متوکّل رکھا اور اپنی طرف
سے علم سکھلایا۔ یاد رہے کہ **اجنحہ** سے مراد جو حدیث میں ہے صفات اور قویٰ ملکیہ ہیں جیسا
کہ صاحب لمعات شارح مشکوٰۃ نے حدیث مندرجہ ذیل کی شرح میں یہی معنے لکھے ہیں۔ **عن
زید ابن ثابت قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم طوبیٰ للشام قلنا لای
ذٰلک یارسول اللّٰہ قال لان ملائکۃ الرحمٰن باسطۃ اجنحتھا علیھا رواہ احمد
والترمذی**۔ یہ بات بہت سی حدیثوں اور قرآن کریم سے ثابت ہے کہ جو شخص کامل انقطاع اور ﴿۶۹۸﴾
کامل توکل کا مرتبہ پیدا کر لیتا ہے تو فرشتے اس کے خادم کئے جاتے ہیں اور ہر یک فرشتہ اپنے
منصب کے موافق اس کی خدمت کرتا ہے **وقال اللّٰہ تعالٰی** : اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا
رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ
الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ[۱] ایسا ہی خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ[۲] یعنی اُٹھایا
ہم نے اُن کو جنگلوں میں اور دریاؤں میں۔ اب کیا اس کے یہ معنے کرنے چاہئیں کہ حقیقت
میں خدائے تعالیٰ اپنی گود میں لے کر اُٹھائے پھرا۔ سو اسی طرح ملائک کے پروں پر ہاتھ رکھنا
حقیقت پر محمول نہیں۔

اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ عاجز ایسی علامت متذکرہ بالا کے ساتھ آیا ہے اور **اجنحہ** ملائکہ
پر اس عاجز کے دونوں ہاتھ ہیں اور غیبی قوتوں کے سہارے سے **علوم لدنّی** کھل رہے ہیں۔ اگر کوئی

[۱] حٰمٓ السجدۃ: ۳۱ [۲] بنی اسرائیل: ۷۱

شخص نابینا نہیں تو صریح اس علامت سے دیکھ لے گا اور دوسرے میں اس کی نظیر نہیں پائیگا۔

ازانجملہ ایک یہ ہے کہ مسیح کی علامت یہ لکھی ہے کہ اُس کے دم سے کافر مرے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے مخالف اور منکر کسی بات میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے کیونکہ اس کے دلائل کاملہ کے سامنے مر جائیں گے۔ سو عنقریب لوگ دیکھیں گے کہ حقیقت میں مخالف حجت اور دلیل بینہ کی رو سے مر گئے۔ ﴿۶۹۹﴾

ازانجملہ ایک یہ ہے کہ مسیح جب آئے گا تو لوگوں کے عقائد اور خیالات کی غلطیاں نکالے گا جیسا کہ بخاری میں یہی حدیث لکھی ہے کہ مسیح ابن مریم حَکَم اور عدل ہونے کی حالت میں نازل ہوگا۔ پس حَکَم اور عدل کے لفظ سے ہر یک دانا سمجھ سکتا ہے کہ مسیح بہتوں کے فہم اور سمجھ کے مخالف حق اور عدل کے ساتھ حکم کرے گا اور جیسے حَکَم عدل سے نادان لوگ ناراض ہو جاتے ہیں ایسا ہی اس سے بھی ہوں گے۔ سو یہ عاجز حَکَم ہو کر آیا اور تمام غلط اوہام کا غلط اوہام ہونا ظاہر کر دیا۔ چنانچہ لوگ اوّل یہ سمجھ رہے تھے کہ وہی مسیح ابن مریم نبی ناصری جو فوت ہو چکا ہے پھر دوبارہ دنیا میں آجائے گا۔ سو پہلے یہی غلطی ان کی دور کر دی گئی اور اُن لوگوں کو سچا ٹھہرایا گیا جو مسلمانوں میں سے مسیح کی موت کے قائل تھے یا جیسے عیسائیوں میں سے یونی ٹیرین ﴿۷۰۰﴾ فرقہ جو اسی بات کا قائل ہے کہ مسیح مر گیا اور پھر دنیا میں نہیں آئے گا اور ظاہر کر دیا گیا کہ قرآن کریم کی تیس آیتوں سے مسیح ابن مریم کا فوت ہونا ثابت ہوتا ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ کسی نبی کی وفات ایسی صراحت سے قرآن کریم میں نہیں لکھی جیسی مسیح ابن مریم کی۔ اور یہ وہ امر ہے جسکو ہم شرطی طور پر قرآن کریم کی رو سے پیش کر سکتے ہیں۔ اور ہم نے مسیح کی موت کا ثبوت دینے کے بعد یہ بھی ثابت کر دیا کہ وعدہ صرف یہ تھا کہ جب چودھویں صدی تک اس اُمّت کے ایّام پہنچ جائیں گے تو خدائے تعالیٰ اس لطف واحسان کی طرح جو حضرت موسیٰ کی اُمت سے اُس اُمت کے آخری زمانہ میں کیا تھا۔ مثیل موسیٰ کی ایک غافل اُمت پر بھی اُن کے آخری زمانہ میں وہی احسان کرے گا

اور اسی اُمت میں سے ایک کو مسیح ابن مریم بنا کر بھیجے گا سو وہ مسلمانوں میں سے ہی آوے گا۔ جیسا کہ اسرائیلی ابن مریم بنی اسرائیل میں سے ہی آیا۔

﴿۷۰۱﴾ ایسا ہی لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ مسیح وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں دفن کیا جائے گا لیکن وہ اس بے ادبی کو نہیں سمجھتے تھے کہ ایسے نالائق اور بے ادب کون آدمی ہوں گے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو کھودیں گے۔ اور یہ کس قدر لغو حرکت ہے کہ رسول مقبول کی قبر کھودی جاوے اور پاک نبی کی ہڈیاں لوگوں کو دکھائی جاویں۔ بلکہ یہ معیّت روحانی کی طرف اشارہ ہے۔ ایسا ہی بہت سی غلطیاں ہیں جو نکل رہی ہیں۔

ازانجملہ ایک یہ ہے کہ مسیح موعود جو آنے والا ہے اس کی علامت یہ لکھی ہے کہ وہ نبی اللہ ہوگا یعنی خدائے تعالیٰ سے وحی پانے والا۔ لیکن اس جگہ نبوت تامہ کاملہ مراد نہیں کیونکہ نبوت تامہ کاملہ پر مہر لگ چکی ہے بلکہ وہ نبوت مراد ہے جو محدثیت کے مفہوم تک محدود ہے جو مشکوٰۃ نبوت محمدیہ سے نور حاصل کرتی ہے۔ سو یہ نعمت خاص طور پر اس عاجز کو دی گئی ہے اور اگرچہ ہر یک کو رؤیا صحیحہ اور مکاشفات میں سے کسی قدر حصہ ہے۔ مگر مخالفین کے دل میں اگر گمان اور

﴿۷۰۲﴾ شک ہو تو وہ مقابلہ کر کے آزما سکتے ہیں کہ جو کچھ اس عاجز کو رؤیا صالحہ اور مکاشفہ اور استجابت دعا اور الہامات صحیحہ صادقہ سے حصّہ وافرہ نبیوں کے قریب قریب دیا گیا ہے وہ دوسروں کو تمام حال کے مسلمانوں میں سے ہرگز نہیں دیا گیا اور یہ ایک بڑا محک آزمائش ہے کیونکہ آسمانی تائید کی مانند صادق کے صدق پر اور کوئی گواہ نہیں۔ جو شخص خدائے تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے بے شک خدائے تعالیٰ اس کے ساتھ ہوتا ہے اور ایک خاص طور پر مقابلہ کے میدانوں میں اس کی دستگیری فرماتا ہے۔ چونکہ میں حق پر ہوں اور دیکھتا ہوں کہ خدا میرے ساتھ ہے جس نے مجھے بھیجا ہے اس لئے میں بڑے اطمینان اور یقین کامل سے کہتا ہوں کہ اگر میری ساری قوم کیا پنجاب کے رہنے والے اور کیا ہندوستان کے باشندے اور کیا عرب کے مسلمان اور کیا روم اور فارس کے کلمہ گو اور کیا افریقہ اور دیگر بلاد کے اہل اسلام

اور اُن کے علماء اور اُن کے فقراء اور اُن کے مشائخ اور اُن کے صلحاء اور اُن کے مرد اور اُن کی عورتیں مجھے کاذب خیال کر کے پھر میرے مقابل پر دیکھنا چاہیں کہ قبولیت کے نشان مجھ میں ہیں یا اُن میں۔ اور آسمانی دروازے مجھ پر کھلتے ہیں یا اُن پر۔ اور وہ محبوب حقیقی اپنی خاص عنایات اور اپنے علوم لدنیہ اور معارف روحانیہ کے القاء کی وجہ سے میرے ساتھ ہے یا اُن ﴿۷۰۳﴾
کے ساتھ۔ تو بہت جلد اُن پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہ خاص فضل اور خاص رحمت جس سے دل مورد فیوض کیا جاتا ہے اسی عاجز پر اس کی قوم سے زیادہ ہے۔ کوئی شخص اس بیان کو تکبّر کے رنگ میں نہ سمجھے بلکہ یہ تحدیث نعمت کی قسم میں سے ہے **وذٰلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء** ۔ اسی کی طرف اشارہ ان الہامات میں ہے **قل انی امرت و انا اول المؤمنین ۔ الحمد للّٰہ الذی اذھب عنی الحزن و اٰتانی ما لم یؤت احد من العٰلمین ۔ احد من العٰلمین** سے مراد زمانہ حال کے لوگ یا آئندہ زمانہ کے ہیں۔ **واللّٰہ اعلم بالصواب**۔

ازانجملہ بعض مکاشفات مولوی عبداللہ صاحب غزنوی مرحوم ہیں جو اس عاجز کے زمانہ ظہور سے پہلے گذر چکے ہیں۔ چنانچہ ایک یہ ہے کہ آج کی تاریخ ۱۷ جون ۱۸۹۱ء سے عرصہ چار ماہ کا گذرا ہے کہ **حافظ محمد یوسف صاحب** جو ایک مرد صالح بے ریا متقی اور متبع سُنّت اور اوّل درجہ کے رفیق اور مخلص مولوی عبداللہ صاحب غزنوی ہیں وہ قادیان میں اس عاجز کے پاس آئے اور باتوں کے سلسلہ میں بیان کیا کہ مولوی عبداللہ صاحب مرحوم نے اپنی وفات سے کچھ دن ﴿۷۰۴﴾
پہلے اپنے کشف سے ایک پیشگوئی کی تھی کہ ایک نور آسمان سے قادیان کی طرف نازل ہوا مگر افسوس کہ میری اولاد اس سے محروم رہ گئی۔ فقط ایک صاحب غلام نبی نارووالے نام اپنے اشتہار مرقومہ دوم ذیقعدہ میں لکھتے ہیں کہ یہ افتراء ہے اگر افتراء نہیں تو اُس راوی کا نام لینا چاہیئے جس کے روبرو مولوی صاحب مرحوم نے بیان کیا۔ سو اب ہم نے بیان کر دیا کہ وہ راوی کون ہے اور کس درجہ کا آدمی ہے۔ چاہیئے کہ حافظ صاحب سے دریافت کریں کہ افتراء ہے یا سچی بات ہے۔ **و من اظلم ممن افترٰی او کذّب و ابٰی.**

ایسا ہی فروری ۱۸۸۶ء میں بمقام ہوشیارپور منشی محمد یعقوب صاحب برادر حافظ محمد یوسف نے میرے پاس بیان کیا کہ مولوی عبداللہ صاحب غزنوی مرحوم سے ایک دن میں نے سُنا کہ وہ آپ کی نسبت یعنی اس عاجز کی نسبت کہتے تھے کہ میرے بعد ایک عظیم الشان کام کے لئے وہ مامور کئے جائیں گے۔ مگر مجھے یاد نہیں رہا کہ منشی محمد یعقوب صاحب کے منہ سے یہی الفاظ نکلے تھے یا انہیں کے ہم معنے اور الفاظ تھے۔ بہرحال انہوں نے بعض آدمیوں کے روبرو جن ﴿۷۰۵﴾ میں سے ایک میاں عبداللہ سنوری پٹیالہ کی ریاست کے رہنے والے ہیں اس مطلب کو انہیں الفاظ یا اور لفظوں میں بیان کیا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ اس وقت منشی الٰہی بخش صاحب اکونٹنٹ اور کئی اَور صاحب میرے مکان پر جو شیخ مہر علی صاحب رئیس کا مکان تھا موجود تھے مگر یہ معلوم نہیں کہ اس جلسہ میں کون کون موجود تھا جب یہ ذکر کیا گیا۔ مگر میاں عبداللہ سنوری نے میرے پاس بیان کیا کہ میں اس تذکرہ کے وقت موجود تھا اور میں نے اپنے کانوں سے سُنا۔

ازانجملہ ایک کشف ایک مجذوب کا ہے۔ جو اس زمانہ سے تیس یا اکتیس برس پہلے اس عالم بے بقا سے گذر چکا ہے۔ جس شخص کی زبان سے میں نے یہ کشف سنا ہے وہ ایک معمر سفید ریش آدمی ہے۔ جس کے چہرہ پر آثار صلاحیت وتقویٰ ظاہر ہیں جس کی نسبت اس کے جاننے والے بیان کرتے ہیں کہ یہ درحقیقت راست گو اور نیک بخت اور صالح آدمی ہیں۔ یہاں تک کہ مولوی عبدالقادر مدرس جمالپور ضلع لدھانہ نے جو ایک صالح آدمی ہے اس پیر سفید ریش کی بہت تعریف کی کہ درحقیقت یہ شخص متقی اور متبع سنّت اور راست گو ﴿۷۰۶﴾ ہے۔ اور نہ صرف انہوں نے آپ ہی تعریف کی بلکہ اپنی ایک تحریر میں یہ بھی لکھا کہ مولوی محمد حسن صاحب رئیس لدھیانہ کہ جو گروہ موحدین میں سے ایک منتخب اور شریف اور غایت درجہ کے خلیق اور بُردبار اور ثقہ ہیں جن کے والد صاحب مرحوم کا جو ایک باکمال بزرگ تھے یہ سفید ریش بڈھا قدیمی دوست اور ہم قوم اور پُرانے زمانہ سے تعارف

رکھنے والا اور اُن کی پُر فیض صحبتوں کے رنگ سے رنگین ہے بیان فرماتے تھے کہ حقیقت میں میاں کریم بخش یعنی یہ بزرگ سفید ریش بہت اچھا آدمی ہے اور اعتبار کے لائق ہے مجھ کو اس پر کسی طور سے شک نہیں ہے۔

اب وہ کشف جس طور سے میاں کریم بخش موصوف نے اپنے تحریری اظہار میں بیان کیا ہے اس اظہار کی نقل معہ اُن تمام شہادتوں کے جو اس کاغذ پر ثبت ہیں ذیل میں ہم لکھتے ہیں اور وہ یہ ہے:۔

میرا نام کریم بخش والد کا نام غلام رسول قوم اعوان ساکن جمالپور اعوانہ تحصیل لودھیانہ پیشہ زمینداری عمر تخمیناً چونسٹھ ۶۴ سال مذہب موحد اہلحدیث حلفاً بیان کرتا ہوں کہ تخمیناً تیس یا اکتیس ﴿۷۰۷﴾
سال کا گذرا ہوگا یعنی سمت ۱۹۱۷ میں جبکہ سن سترہ کا ایک مشہور قحط پڑا تھا ایک بزرگ گلاب شاہ نام جس نے مجھے توحید کا راہ سکھلایا اور جو بباعث اپنے کمالات فقر کے بہت مشہور ہو گیا تھا اور اصل باشندہ ضلع لاہور کا تھا ہمارے گاؤں جمالپور میں آرہا تھا اور ابتداء میں ایک فقیر سالک اور زاہد اور عابد تھا اور اسرار توحید اُس کے منہ سے نکلتے تھے لیکن آخر اس پر ایک ربودگی اور بیہوشی طاری ہوکر مجذوب ہو گیا اور بعض اوقات قبل از ظہور بعض غیب کی باتیں اس کی زبان پر جاری ہوتیں اور جس طرح وہ بیان کرتا آخر اُسی طرح پوری ہو جاتیں۔ چنانچہ ایک دفعہ اُس نے سمت سترہ کے قحط سے پہلے ایک قحط شدید کے آنے کی پیشگوئی کی تھی اور پیش از وقوع مجھے بھی خبر دی تھی۔ سو تھوڑے دنوں کے بعد سترہ کا قحط پڑ گیا تھا۔ اور ایک دفعہ اُس نے بتلایا تھا کہ موضع رام پور ریاست پٹیالہ تحصیل پائیلی کے قریب جہاں اب نہر چلتی ہے ہم نے وہاں نشان لگایا ہے کہ یہاں دریا چلے گا۔ پھر بعد ایک مدّت کے وہاں اُسی نشان کی جگہ پر نہر جاری ہوگئی جو درحقیقت دریا کی ہی ایک شاخ ہے۔ یہ پیشگوئی اُن کی سارے جمالپور میں ﴿۷۰۸﴾
مشہور ہے۔ ایسا ہی ایک دفعہ انہوں نے سمت سترہ کے قحط سے پہلے کہا تھا کہ اب بیوپاریوں کو

بہت فائدہ ہوگا۔ چنانچہ تھوڑے دنوں کے بعد قحط پڑا اور بیوپاری لوگوں کو اس قحط میں بہت فائدہ ہوا۔ ایسی ہی اُن کی اَور بھی کئی پیشگوئیاں تھیں جو پوری ہوتی رہیں۔

اس بزرگ نے ایک دفعہ جس بات کو عرصہ تیس سال کا گذرا ہوگا مجھ کو کہا کہ عیسیٰ اب جوان ہوگیا ہے اور لدھیانہ میں آکر قرآن کی غلطیاں نکالے گا اور قرآن کی رو سے فیصلہ کرے گا اور کہا کہ مولوی اس سے انکار کریں گے پھر کہا کہ مولوی انکار کر جائیں گے۔ تب میں نے تعجب کی راہ سے پوچھا کہ کیا قرآن میں بھی غلطیاں ہیں قرآن تو **اللہ** کا کلام ہے۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ تفسیروں پر تفسیریں ہوگئیں اور شاعری زبان پھیل گئی (یعنی مبالغہ پر مبالغہ کر کے حقیقتوں کو چھپایا گیا جیسے شاعر مبالغات پر زور دیکر اصل حقیقت کو چھپا دیتا ہے) پھر کہا کہ جب وہ عیسیٰ آئے گا تو فیصلہ قرآن سے کرے گا۔ پھر اس مجذوب نے بات کو دوہرا کر یہ بھی کہا تھا کہ قرآن پر کرے گا اور مولوی انکار کر جائیں گے۔ اور پھر یہ بھی کہا کہ انکار کریں گے ﴿۷۰۹﴾ اور جب وہ عیسیٰ لدھیانہ میں آئے گا تو قحط بہت پڑے گا۔ پھر میں نے پوچھا کہ عیسیٰ اب کہاں ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ بیچ قادیان کے یعنی قادیان میں تب میں نے کہا کہ قادیان تو لدھیانہ سے تین کوس ہے وہاں عیسیٰ کہاں ہے (لدھیانہ کے قریب ایک گاؤں ہے جس کا نام قادیان ہے) اس کا انہوں نے کچھ جواب نہ دیا۔ اور مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ ضلع گورداسپورہ میں بھی کوئی گاؤں ہے جس کا نام قادیان ہے۔ پھر میں نے اُن سے پوچھا کہ عیسیٰ علیہ السلام نبی اللہ آسمان پر اٹھائے گئے اور کعبہ پر اُتریں گے۔ تب انہوں نے جواب دیا۔ عیسیٰ ابن مریم نبی اللہ تو مر گیا ہے اب وہ نہیں آئے گا ہم نے اچھی طرح تحقیق کیا ہے کہ مر گیا ہے ہم بادشاہ ہیں جھوٹ نہیں بولیں گے اور کہا کہ جو آسمانوں والے صاحب ہیں وہ کسی کے پاس چل کر نہیں آیا کرتے۔

الـــــــمـــــــظهـــــــر

میاں کریم بخش بمقام لدھیانہ محلہ اقبال گنج ۱۴ جون ۱۸۹۱ء روز شنبہ

﴿۷۱۰﴾ نام اُن صاحبوں کے جنہوں نے اپنے کانوں سے اس بیان کو سُن کر میاں کریم بخش کے اظہار تحریری پر اُسی وقت اُن کے روبرو اپنی اپنی گواہیں لکھیں۔

میرے سامنے میاں کریم بخش نے مضمون مذکورہ صدر حرف بحرف لکھوایا۔ میر عباس علی بقلم خود	میرے روبرو میاں کریم بخش صاحب نے یہ بیان تحریر کرایا جو اوپر لکھا گیا ہے۔ عاجز رستم علی ڈپٹی انسپکٹر ریلوے پولیس ۱۴ جون ۹۱ء
اس عاجز کے روبرو میاں کریم بخش نے یہ بیان تحریر کرایا اور یہ مضمون بلا کمی بیشی حرف بہ حرف لکھا گیا۔ عبد اللہ پٹواری غوث گڑھ	میرے سامنے میاں کریم بخش نے یہ بیان حرف بحرف تحریر کرایا۔ الٰہ بخش بقلم خود سکنہ لدھانہ
میرے سامنے میاں کریم بخش نے مضمون مذکور الصدر حرف بہ حرف لکھوایا۔ غلام محمد از پکھو وال بقلم خود	میرے روبرو بیان مذکورہ بالا میاں کریم بخش نے حرف بہ حرف لکھوایا عطاء الرحمان ساکن دہلی

میرے روبرو میاں کریم بخش نے حرف بہ حرف حلفاً بیان مذکورہ بالا تحریر کرایا
عبد الحق خلف عبد السمیع ساکن لدھیانہ

﴿۷۱۱﴾

یہ بیان میاں کریم بخش نے حلفاً میرے روبرو لکھوایا ہے۔ عبد القادر مدرس جمالپور بقلم خود	اس عاجز کے رو برو میاں کریم بخش نے اظہار مذکورہ بالا حلفاً لکھوایا۔ سید فضل شاہ ساکن ریاست جموں
بیان بالا میری موجودگی میں حلفاً میاں کریم بخش سکنہ جمالپور نے لکھوایا ہے۔ کنہیا لال سیکنڈ ماسٹر راج سکول سنگرور ریاست جیند سکنہ لدھانہ	میرے رو برو بیان مذکورہ بالا حرف بہ حرف میاں کریم بخش نے حلفاً لکھوایا ہے۔ سیّد عنایت علی سکنہ لودھیانہ محلّہ صوفیاں

میرے روبرو بیان مذکورہ بالا کی میاں کریم بخش نے تصدیق کی۔ ناصر نواب

میرے روبرو میاں کریم بخش نے بیان مذکورہ بالا کی تصدیق کی۔ قاضی خواجہ علی بقلم خود

میاں کریم بخش نے حلفاً بیان مذکورہ بالا لکھوایا ہے
مولوی تاج محمد

میرے روبرو یہ مضمون مسمّی کریم بخش کو سنایا گیا اور اس نے تصدیق کیا۔
مراری لال کلرک نہر سرہند ڈویژن لودہانہ

﴿۱۲۷﴾ میاں کریم بخش نے وہ تمام بیان جو اس کی زبان سے لکھا گیا حلفاً تصدیق کیا۔
مولوی نصیر الدین واعظ ساکن بہولر ریاست بہاولپور۔ حال وارد لدھانہ

بیان مذکورہ بالا کو میاں کریم بخش نے میرے روبرو تصدیق کیا۔
محمد نجیب خان دفتر نہر سرہند ڈویژن لودھیانہ

اس بیان کے بعد پھر میاں کریم بخش نے بیان کیا کہ ایک بات میں بیان کرنے سے رہ گیا۔ اور وہ یہ ہے کہ اس مجذوب نے مجھے صاف صاف یہ بھی بتلا دیا تھا کہ اُس عیسیٰ کا نام **غلام احمد** ہے۔

اب وہ گواہیاں ذیل میں لکھی جاتی ہیں۔ جنھوں نے قسم کھا کر بیان کیا کہ درحقیقت میاں کریم بخش ایک مرد صالح اور نیک چلن آدمی ہے جس کا کبھی کوئی جھوٹ ثابت نہیں ہوا یہ گواہ اسی گاؤں کے یا اس کے قریب کے رہنے والے ہیں۔

ہم حلفاً بیان کرتے ہیں کہ میاں کریم بخش ایک راستباز آدمی ہے اور صوم وصلوٰۃ کا اعلیٰ درجہ کا پابند ہے اور
﴿۱۳۷﴾ ہم نے اپنی تمام عمر میں اس کی نسبت کوئی جھوٹ بات بولنے اور خلاف واقعہ بیان کرنے میں اتہام نہیں سُنا بلکہ آج تک ایک گنّا یا چھلّی تک کسی شخص کی نہیں توڑی۔ اور میاں گلاب شاہ بھی اس دیہہ میں ایک مشہور مجذوب گذرا اور اس مجذوب کے انتقال کو عرصہ تخمیناً پچیس سال کا ہوا ہے اس مجذوب کی اکثر پیش از وقوع باتیں بتلائی ہوئی ہمارے روبرو پوری ہوئی ہیں۔

العبد
خیرا یتی نمبردار جماپور

العبد
نور الدین ولد دتا ساکن جماپور

۲۶؍ جون ۱۸۸۳ء سے میں اس جگہ ملازم ہوں میں نے میاں کریم بخش کا کوئی جھوٹ آج تک نہیں معلوم کیا اور یہ شخص اول درجہ کا پابند صوم وصلوٰۃ اور راستباز آدمی ہے۔ اور موحد ہے۔
العبد
عبد القادر مدرس جماپور بقلم خود

میاں کریم بخش نیک آدمی ہے اور پکّا نمازی۔ میں نے اپنی تمام عمر میں اس کا کوئی جھوٹ نہیں سُنا حلفاً بیان کیا ہے اور میاں گلاب شاہ بہت اچھا فقیر تھا اس گلاب شاہ کو تمام زن و مرد اس دیہہ کے جانتے ہیں۔
العبد
نبی بخش ارائیں سکنہ جماپور

میاں کریم بخش سچا آدمی ہے اور پختہ نمازی ہے اور نماز جمعہ کا سخت پابند اور کم گو ہے العبد پیر محمد نمبردار بقلم خود سکنہ جمالپور	کریم بخش نمازی ہے اور بہت سچا آدمی ہے الہ دتا سکنہ جمالپور ﴿۷۱۵﴾
اوپر کا لکھا ہوا نہایت صحیح ہے اور کریم بخش نہایت سچا آدمی ہے اور نماز روزہ اور جمعہ کبھی قضا نہیں کیا اور کوئی جھوٹ اور افتراء کی بات اس کی نسبت ثابت نہیں ہوئی اور بہت کم گو آدمی ہے۔ العبد نور محمد ولد مادا سکنہ جمالپور	کریم بخش نہایت سچا اور نیک بخت اور کم گو اور پرہیزگار اور نمازی آدمی ہے اور سب عادتیں اس کی بہت اچھی ہیں۔ العبد روشن لال ولد قاسا نمبردار جمال پور عمر ۵۰ سال
میاں کریم بخش بہت سچا آدمی ہے اور کبھی اس شخص نے جھوٹھی گواہی نہیں دی اور نہ جھوٹ کی تہمت اس کو کسی نے میری ہوش میں لگائی۔ العبد خیالی ولد گورمکھ ترکھان سکنہ جمالپور	کریم بخش غلام رسول کا بیٹا بہت نیک آدمی ہے اور سچا ہے اور ہمیشہ جمعہ پڑھتا ہے اور کبھی اس نے جھوٹ نہیں بولا۔ العبد کاکا ولد چوہڑ سکنہ جمالپور
کریم بخش سچا آدمی ہے اور نیک بخت ہے اور نمازی ہے فقط اور میاں گلاب شاہ بہت اچھا مجذوب تھا۔ العبد بوٹا ولد احمد بقلم پیر محمد نمبردار	میاں کریم بخش بہت سچا اور نیک چلن آدمی ہے اور اس شخص نے کبھی جھوٹھی شہادت نہیں دی اور نہ سُنی۔ العبد ہیرالال ولد دوسندھی سکنہ جمالپور بقلم خود
میاں کریم بخش بہت سچا اور بہت نیک اور نمازی ہے اور میں نے اپنی ہوش میں اسکا کوئی جھوٹ نہیں سُنا۔ العبد گلزار شاہ بقلم خود ﴿۷۱۴﴾	میاں کریم بخش کو میں بخوبی جانتا ہوں کہ یہ شخص نیک بخت ہے اور بہت سچا ہے ۱۸۶۲ء سے میں اسکا واقف ہوں اور اس شخص کا جھوٹھ کوئی میں نے نہیں سُنا اور نہ کوئی بدچلنی اس کی سُنی گئی ہے اور یہ شخص نمازی ہے اور جمعہ پڑھنے بھی لدھیانہ آیا کرتا ہے۔ العبد امیر علی ولد نبی بخش آوان ساکن لدھیانہ برادر مولوی محمد حسن صاحب رئیس اعظم بقلم خود

کریم بخش پکّا نمازی ہے اور سچّا اور نیک بخت اور کبھی جھوٹھی شہادت اس نے نہیں دی۔

بقلم خود امان علی ولد چانن شاہ ٹھیکیدار ﴾۷۱۶﴿

مسمّی کریم بخش بہت سچا اور پکّا نمازی اور نیک چلن آدمی ہے اور کبھی اس کا کوئی جھوٹ بولنا ثابت نہیں ہوا۔ اور گلاب شاہ بہت اچھا فقیر تھا۔ اور اس ہمارے دیہہ میں بہت مدت تک رہے ہیں۔

العبد

اکبر ولد محمد پناہ سکنہ جمالپور

مسمی کریم بخش بڑا سچا آدمی اور پختہ نمازی ہے رمضان کے روزے ہمیشہ رکھتا ہے اور کبھی جمعہ قضا نہیں کرتا اور کبھی اس کا جھوٹ ثابت نہیں ہوا اور نہایت نیک چلن ہے۔

العبد

بقلم غلام محمد پسر روشن ذات آوان ساکن جمالپور

میں مسمی کریم بخش کو بہت نیک بخت جانتا ہوں۔ اور سچا ہے اور یہ شخص پکّا نمازی ہے۔

العبد

غلام محمد نائب مدرس مدرسہ جمالپور سکنہ پکھووال بقلم خود ﴾۷۱۷﴿

میاں کریم بخش بہت اچھا اور نیک چلن نمازی ہے اور جمعہ پڑھنے والا اور سچا آدمی ہے۔

العبد

نظام الدین سکنہ جمالپور بقلم خود نظام الدین

میاںؔ کریم بخش بہت اچھا اور نیک چلن اور نمازی اور جمعہ پڑھنے والا اور سچا آدمی ہے۔

العبد

شیرا ولد روشن گوجر از جمالپور

میاں کریم بخش بہت اچھا اور نیک چلن آدمی ہے اور اس شخص نے کبھی جھوٹی شہادت نہیں دی اور نہ سُنی۔

العبد

گوکل ولد متا باسو داز جمالپور

میاں کریم بخش آدمی نمازی ہے اور بہت سچا ہے

العبد

کریم بخش ولد غلام غوث آوان از جمالپور

کریم بخش بہت اچھا نیک بخت آدمی ہے اور سچا اور نمازی اور پرہیز گار ہے۔

العبد

لکھا ولد سوندھا ارائیں جمالپور

کریم بخش بہت نیک بخت ہے اور سچا ہے اور اس میں جھوٹ بولنے کی عادت نہیں

العبد

گنیشا مل سود جمالپور یہ بقلم لنڈے

کریم بخش پکا نمازی ہے اور بہت سچا آدمی ہے اور کبھی اس نے جھوٹی گواہی نہیں دی۔

العبد

گاندھی ولد عالم گوجر چوکیدار جمالپور

العبد
کرم بخش ساکن جماپور
العبد
پیر محمد سکنہ جمال پور اعوان
العبد
روشن سقہ جماپوریہ
العبد
بوٹا جھیور سکنہ جمال پور
العبد
غوث ولد نبی بخش سکنہ جمال پور آوان
العبد
کاکا ولد علی بخش سکنہ جماپور آوان
العبد
علی بخش ولد لہنا سکنہ جماپور
العبد
محمد بخش ولد روشن سکنہ جماپور آوان
العبد
شمس الدین گوجر سکنہ جماپور
العبد
نور محمد ولد عمرا آوان سکنہ جماپور
العبد
نہال ترکھان سکنہ جماپور
العبد
کریم بخش ولد جیوا موچی سکنہ جماپور
العبد
غوثو ولد بہالی آوان سکنہ جماپور

العبد
پیر بخش تیلی سکنہ جماپور ﴾۷۱۸﴿
العبد
خدا بخش سکنہ جمال پور اعوان
العبد
کاسو ولد اکو گوجر جمال پور
العبد
ٹھاکر داس پٹواری جمال پور
العبد
شاہ محمد سکنہ جمال پور آوان
العبد
فیضا ولد مادا سکنہ جماپور آوان
العبد
جمال شاہ فقیر سکنہ جماپور
العبد
کرم بخش ولد شمس الدین جماپوریہ
العبد
مالی سکنہ جماپور
العبد ﴾۷۱۹﴿
سوبھا بھگت سکنہ جماپور
العبد
عبدالحق ولد عمرا ذات آوان جماپوریہ
العبد
علی بخش ولد غلام رسول آوان

کریم بخش اچھا نیک بخت اور باشرع آدمی نہایت سچا پرہیزگار ہے
العبد
نہال نمبردار (مہر)

مکاشفہ مذکورہ بالا کی مؤید ایک رویا صالحہ ذیل میں بیان کی جاتی ہے جس کو ایک بزرگ **محمد** نام خاص مکہ کے رہنے والے عربی مکّی نے دیکھا ہے اور اس خواب کی مندرجہ ذیل عبارت خود انہیں کے مُنہ سے نکلی ہوئی بذریعہ ان کی ایک خاص تحریر کے مجھ کو ملی ہے اور وہ یہ ہے **اقول و انا محمد ابن احمد ن المکی من حارة شعب عامر انی رایت فی المنام فی سنة ١٣٠٥ ان ابی قائم و انا معه فنظرت الی جانب المشرق فرئیت عیسٰی** ﴾۷۲۰﴿ **علیه السلام نزل من السماء و انا ارید ان اتوضا فتوجهت الی البحر ثم توضئت و رجعت الی ابی فقلت یا ابی ان عیسی علیه السلام قد نزل فیکف اصلّی فقال لی ابی انه نزل علی دین الاسلام و دینه دین النبی صلی اللّٰہ علیه و سلم فصل مثل ما کنت تصلّی اولا فصلیت ثم استیقظت من منامی فقلت فی نفسی**

لا بد انشاء اللّٰہ ان ینزل عیسٰی علیہ السلام فی حیاتی و انظر ہ بعینی ۔یعنی میں جو محمد ابن احمد مکّی رہنے والا خاص مکّہ معظّمہ محلّہ شعب عامر کا ہوں کہتا ہوں کہ میں نے ۱۳۰۵ھ ہجری میں خواب میں دیکھا کہ ایک جگہ میرا باپ کھڑا ہے اور مَیں اس کے ساتھ ہوں اس وقت جو میں نے مشرق کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ عیسٰی علیہ السلام آسمان سے اُتر آیا اور میں ارادہ کر رہا ہوں کہ وضو کروں سو میں نے دریا کی طرف رُخ کیا پھر وضو کر کے اپنے باپ کی طرف چلا آیا۔تب میں نے اپنے باپ کو کہا کہ عیسےٰ علیہ السلام تو نازل ہو گیا اب میں کس طور سے نماز پڑھوں سو میرے باپ نے مجھے کہا کہ وہ دین اسلام پر اُترا ہے اور اس کا دین کوئی الگ دین نہیں بلکہ وہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی دین رکھتا ہے۔سو تُو اُسی ﴿۷۲۱﴾ طرح نماز پڑھ جیسے پہلے پڑھا کرتا تھا۔تب میں نے نماز پڑھ لی۔پھر میری آنکھ کھل گئی اور میں نے دل میں کہا کہ انشاء اللہ عیسٰی علیہ السلام میری زندگی میں اُتر آئے گا اور میں اس کو اپنی آنکھ سے دیکھ لوں گا۔

ازانجملہ اس عاجز کے مسیح موعود ہونے پر یہ نشان ہے کہ مسیح موعود کے ظہور کی خصوصیت کے ساتھ یہ علامت ہے کہ دجّال معہود کے خروج کے بعد نازل ہو۔کیونکہ یہ ایک واقعہ مسلّمہ ہے کہ دجّال معہود کے خروج کے بعد آنے والا وہی سچا مسیح ہے جو مسیح موعود کے نام سے موسوم ہے جس کا مسلم کی حدیث میں وجہ تسمیہ مسیح ہونے کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ مومنوں کی شدت اور محنت اور ابتلا کا غبار جو دجّال کی وجہ سے اُن کے طاری حال ہوگا اُن کے چہروں سے پونچھ دے گا یعنی دلیل اور حجت سے اُن کو غالب کر دکھائے گا۔سو اِس لئے وہ مسیح کہلائے گا کیونکہ مسح پونچھنے کو کہتے ہیں جس سے مسیح مشتق ہے۔اور ضرور ہے کہ وہ دجّال معہود کے بعد نازل ہو۔سو یہ عاجز دجّال معہود کے خروج کے بعد آیا ہے۔پس اس میں کچھ شک نہیں کہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ دجّال معہود یہی پادریوں اور عیسائی متکلموں کا گروہ ہے جس ﴿۷۲۲﴾ نے زمین کو اپنے ساحرانہ کاموں سے تہ و بالا کر دیا ہے اور جو ٹھیک ٹھیک اس وقت سے

زور کے ساتھ خروج کر رہا ہے اور جو اعداد آیت اِنَّا عَلٰی ذَھَابٍۭ بِہٖ لَقٰدِرُوْنَ[1] سے سمجھا
جاتا ہے یعنی ۱۸۵۷ء کا زمانہ۔☆ تو ساتھ ہی اس عاجز کا مسیح ہونا بھی ثابت ہو جائے گا۔ اور ہم ﴿۷۲۳﴾
پہلے بھی تحریر کر آئے ہیں کہ عیسائی واعظوں کا گروہ بلاشبہ دجّال معہود ہے۔ اگرچہ حدیثوں کے
ظاہر الفاظ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ دجّال ایک خاص آدمی ہے جو ایک آنکھ سے کانا اور دوسری
بھی عیب دار ہے لیکن چونکہ یہ حدیثیں جو پیشگوئیوں کی قسم سے ہیں مکاشفات کی نوع میں
سے ہیں جن پر موافق سُنّت اللہ کے استعارہ اور مجاز غالب ہوتا ہے۔ جیسا کہ مُلّا علی ﴿۷۲۴﴾
قاری نے بھی لکھا ہے اور جن کے معنے سلف صالح ہمیشہ استعارہ کے طور پر لیتے رہے
ہیں۔ اس لئے بوجہ قرآئن قویہ ہم دجّال کے لفظ سے صرف ایک شخص ہی مراد نہیں لے
سکتے۔ رویا اور مکاشفہ میں اسی طرح سُنّت اللہ واقع ہے کہ بعض اوقات ایک شخص نظر آتا
ہے اور اس سے مراد ایک گروہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ﴿۷۲۵﴾
عہد مبارک میں ایک شخص نے ایک عرب کے بادشاہ کو خواب میں دیکھا تھا تو
آپ نے فرمایا تھا کہ اس سے مراد ملک عرب ہے جو ایک گروہ ہے۔ اور اس
ہمارے بیان پر یہ قرینہ شاہد ناطق ہے کہ دجّال درحقیقت لغت کی رُو سے اسم جنس ہے

حاشیہ

☆ آیت اِنَّا عَلٰی ذَھَابٍۭ بِہٖ لَقٰدِرُوْنَ میں ۱۸۵۷ء کی طرف اشارہ ہے جس ﴿۷۲۲﴾
میں ہندوستان میں ایک مفسدہ عظیم ہو کر آثار باقیہ اسلامی سلطنت کے ملک ہند سے ناپدید
ہو گئے تھے کیونکہ اس آیت کے اعداد بحساب جمل ۱۲۷۴ ہیں اور ۱۲۷۴ کے زمانہ کو جب عیسوی
تاریخ میں دیکھنا چاہیں تو ۱۸۵۷ء ہوتا ہے۔ سو درحقیقت ضعف اسلام کا زمانہ ابتدائی یہی
۱۸۵۷ء ہے جس کی نسبت خدائے تعالیٰ آیت موصوفہ بالا میں فرماتا ہے کہ جب وہ زمانہ
آئیگا تو قرآن زمین پر سے اٹھایا جائیگا۔ سو ایسا ہی ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں کی حالت ہو گئی تھی کہ
بجز بدچلنی اور فسق و فجور کے اسلام کے رئیسوں کو اور کچھ یاد نہ تھا جس کا اثر عوام پر بہت پڑ گیا تھا
انہیں ایام میں انہوں نے ایک ناجائز اور ناگوار طریقہ سے سرکار انگریزی سے باوجود نمک خوار ﴿۷۲۳﴾
اور رعیت ہونے کے مقابلہ کیا۔ حالانکہ ایسا مقابلہ اور ایسا جہاد ان کے لئے شرعًا جائز نہ تھا

[1] المؤمنون: ۱۹

﴿۷۲۶﴾ جس سے ایسے لوگ مراد ہیں جو کذّاب ہوں۔ چنانچہ قاموس میں یہی معنے لکھے ہیں کہ دجّال اس گروہ کو کہتے ہیں کہ جو باطل کو حق کو ساتھ ملانے والا اور زمین کو نجس کرنے والا ہو۔ اور مشکوٰۃ کتاب الفتن میں مسلم کی ایک حدیث لکھی ہے جس میں دجّال کے ایک گروہ ہونے کی طرف صریح اشارہ کیا گیا ہے۔

﴿۷۲۷﴾ اب جاننا چاہیئے کہ دجّال معہود کی بڑی علامتیں حدیثوں میں یہ لکھی ہیں۔

(۱) آدم کی پیدائش سے قیامت کے دن تک کوئی فتنہ دجّال کے فتنے سے بڑھکر نہیں یعنی جس قدر دین اسلام کے تخریب کے لئے فتنہ اندازی اس سے ظہور میں آنے والی ہے اور کسی سے ابتداء دنیا سے قیامت کے وقت تک ظہور میں نہیں آئیگی۔ صحیح مسلم۔

(۲) دجّال کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم کشف اور رویا میں دیکھا کہ دہنی آنکھ سے وہ ﴿۷۲۸﴾ کانا ہے اور دوسری آنکھ بھی عیب سے خالی نہیں۔ یعنی دینی بصیرت اُن کو بکلّی نہیں دی گئی اور تحصیل دنیا کی وجوہ بھی حلال اور طیّب نہیں۔ بخاری اور مسلم۔

بقیہ حاشیہ

کیونکہ وہ اس گورنمنٹ کی رعیت اور ان کے زیر سایہ تھے اور رعیت کا اس گورنمنٹ کے مقابل پر سر اٹھانا جس کی وہ رعیت ہے اور جس کے زیر سایہ امن اور آزادی سے زندگی بسر کرتی ہے سخت حرام اور معصیت کبیرہ اور ایک نہایت مکروہ بدکاری ہے۔ جب ہم ۱۸۵۷ء کی سوانح کو دیکھتے ہیں اور اس زمانہ کے مولویوں کے فتووں پر نظر ڈالتے ہیں جنہوں نے عام طور پر مہریں لگادی تھیں جو انگریزوں کو قتل کر دینا چاہیئے تو ہم بحر ندامت میں ڈوب جاتے ہیں کہ یہ کیسے مولوی تھے اور کیسے اُن کے فتوے تھے۔ جن میں نہ رحم تھا نہ عقل تھی نہ اخلاق نہ انصاف۔ ان لوگوں نے ﴿۷۲۴﴾ چوروں اور قزاقوں اور حرامیوں کی طرح اپنی محسن گورنمنٹ پر حملہ کرنا شروع کیا اور اس کا نام جہاد رکھا۔ ننھے ننھے بچوں اور بے گناہ عورتوں کو قتل کیا اور نہایت بے رحمی سے انہیں پانی تک نہ دیا۔ کیا یہ حقیقی اسلام تھا یا یہودیوں کی خصلت تھی۔ کیا کوئی بتلا سکتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ایسے جہاد کا کسی جگہ حکم دیا ہے۔ پس اس حکیم وعلیم کا قرآن کریم میں یہ بیان فرمانا کہ ۱۸۵۷ء میں میرا کلام آسمان پر اُٹھایا جائیگا یہی معنے رکھتا ہے کہ مسلمان اس پر عمل نہیں کریں گے جیسا کہ

(۳) دجّال کے ساتھ بعض اسباب تنعّم اور آسائش جنت کی طرح ہوں گے اور بعض اسباب محنت اور بلا کے آگ یعنی دوزخ کی طرح ہوں گے (بخاری و مسلم) جس قدر عیسائی قوم نے تنعّم کے اسباب نئے سے نئے ایجاد کئے ہیں اور جو دوسری راہوں سے محنت اور بلا اور فقر اور فاقہ بھی اُن کے بعض انتظامات کی وجہ سے دیس کے لوگوں کو پکڑتا جاتا ہے اگر یہ دونوں حالتیں بہشت اور دوزخ کے نمونے نہیں ہیں تو اور کیا ہے۔

(۴) دجّال کے بعض دن برس کی طرح ہوں گے اور بعض دن مہینہ کی طرح اور بعض دن ہفتہ کی طرح مگر یہ نہیں کہ دنوں میں فرق ہوگا بلکہ اُس کے دن اپنی مقدار میں ایسے ہی ہوں گے جیسے تمہارے۔ مسلم۔

(۵) دجّال کے گدھے کا اس قدر جسم ہوگا کہ اس کے ایک کان سے دوسرے کان تک ستّر باع کا فاصلہ ہوگا۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس جسامت کی گدھی خدائے تعالیٰ نے پیدا نہیں کی تا امید کی جائے کہ ان کی اولاد سے یہ گدھا ہوگا۔ ﴿۷۲۹﴾

بقیہ حاشیہ

مسلمانوں نے ایسا ہی کیا۔ خدائے تعالیٰ پر یہ الزام لگانا کہ ایسے جہاد اور ایسی لڑائیاں اس کے حکم سے کی تھیں یہ دوسرا گناہ ہے۔ کیا خدائے تعالیٰ ہمیں یہی شریعت سکھلاتا ہے کہ ہم نیکی کی ﴿۷۲۵﴾ جگہ بدی کریں۔ اور اپنی محسن گورنمنٹ کے احسانات کا اس کو یہ صلہ دیں کہ اُن کی قوم کے صغر سن بچوں کو نہایت بے رحمی سے قتل کریں اور ان کی محبوبہ بیویوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں۔ بلا شبہ ہم یہ داغ مسلمانوں خاص کر اپنے اکثر مولویوں کی پیشانی سے دھو نہیں سکتے کہ وہ ۵۷ء میں مذہب کے پردہ میں ایسے گناہ عظیم کے مرتکب ہوئے جس کی ہم کسی قوم کی تواریخ میں نظیر نہیں دیکھتے اور نہ صرف اسی قدر بلکہ انہوں نے اور بھی ایسے بُرے کام کئے جو صرف وحشی حیوانات کی عادات ہیں نہ انسانوں کی خصلتیں۔ انہوں نے نہ سمجھا کہ اگر اُن کے ساتھ یہ سلوک کیا جائے کہ ایک ممنون منت اُن کا اُن کے بچوں کو مار دے اور ان کی عورتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کرے تو اُس وقت اُن کے دل میں کیا کیا خیال پیدا ہوگا۔ باوجود اس کے یہ مولوی ﴿۷۲۶﴾ لوگ اس بات کی شیخی مارتے ہیں کہ ہم بڑے متقی ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ نفاق سے زندگی

(۶) دجّال جب گدھے پر سوار ہوگا تو گدھا جس جلدی سے چلے گا اس کی یہ مثال ہے کہ جیسے بادل اس حالت میں چلتا ہے جبکہ پیچھے اس کے ہوا ہو۔ یہ ایک لطیف اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ دجّال کا گدھا کوئی جاندار مخلوق نہیں ہوگا بلکہ وہ کسی ہوائی مادہ کے زور سے چلے گا۔

(۷) زمین اور آسمان دونوں دجّال کے فرمانبردار ہوں گے یعنی خدائے تعالیٰ اس کی تدبیر کے ساتھ تقدیر موافق کر دے گا اور اس کے ہاتھ پر زمین کو اُس کی مرضی کے موافق آباد کریگا۔

(۸) دجّال مشرق کی طرف سے خروج کرے گا یعنی ملک ہند سے کیونکہ یہ ملک زمین حجاز سے مشرق کی طرف ہے۔ متفق علیہ۔

(۹) دجّال جس ویرانہ پر گذرے گا اُسے کہے گا کہ تُو اپنے خزانے باہر نکال۔ سو وہ تمام خزانے باہر نکل آئیں گے اور دجّال کے پیچھے پیچھے جائیں گے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دجّال زمین سے بہت فائدہ اٹھائے گا۔ اور اپنی تدبیروں سے زمین کو آباد کرے گا اور ویرانے کو خزانے کر کے دکھائے گا پھر آخر باب لُد پر قتل کیا جائیگا۔ لُد اُن ﴿۷۳۰﴾
لوگوں کو کہتے ہیں جو بے جا جھگڑنے والے ہوں۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے

بقیہ حاشیہ

بسر کرنا انہوں نے کہاں سے سیکھ لیا ہے۔ کتاب الٰہی کی غلط تفسیروں نے انہیں بہت خراب کیا ہے اور انکے دلی اور دماغی قویٰ پر بہت بُرا اثر ان سے پڑا ہے۔ اس زمانہ میں بلاشبہ کتاب الٰہی کے لئے ضروری ہے کہ اس کی ایک نئی اور صحیح تفسیر کی جائے کیونکہ حال میں جن تفسیروں کی تعلیم دی جاتی ہے وہ نہ اخلاقی حالت کو درست کر سکتی ہیں اور نہ ایمانی حالت پر نیک اثر ڈالتی ہیں بلکہ فطرتی سعادت اور نیک روشی کی مزاحم ہو رہی ہیں۔ کیوں مزاحم ہو رہی ہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دراصل اپنے اکثر زوائد کی وجہ سے قرآن کریم کی تعلیم نہیں ہے قرآنی تعلیم ایسے لوگوں کے دلوں سے مٹ گئی ہے کہ گویا قرآن آسمان پر اٹھایا گیا ہے۔ وہ ایمان جو قرآن نے سکھلایا تھا ﴿۷۲۷﴾
اس سے لوگ بے خبر ہیں وہ عرفان جو قرآن نے بخشا تھا اس سے لوگ غافل ہو گئے ہیں۔ ہاں یہ سچ ہے کہ قرآن پڑھتے ہیں مگر قرآن اُن کے حلق کے نیچے نہیں اُترتا۔ انہیں معنوں سے

کہ جب دجّال کے بے جا جھگڑے کمال تک پہنچ جائیں گے تب مسیح موعود ظہور کرے گا اور اس کے تمام جھگڑوں کا خاتمہ کر دے گا۔

(۱۰) دجّال خدا نہیں کہلائے گا بلکہ خدائے تعالیٰ کا قائل ہوگا بلکہ بعض انبیاء کا بھی۔ مسلم۔

اِن دسوںؔ علامتوں میں سے ایک بھاری علامت دجّال معہود کی یہ لکھی ہے کہ اُس کا فتنہ تمام اُن فتنوں سے بڑھ کر ہوگا کہ جو ربّانی دین کے مٹانے کے لئے ابتدا سے لوگ کرتے آئے ہیں اور ہم اسی رسالہ میں ثابت کر چکے ہیں کہ یہ علامت عیسائی مشنوں میں بخوبی ظاہر و ہویدا ہے۔

از انجملہ ایک بڑی بھاری علامت دجّال کی اُس کا گدھا ہے جس کے بین الاذنین کا اندازہ ستّر باع کیا گیا ہے اور ریل کی گاڑیوں کا اکثر اسی کے موافق سلسلہ طولانی ہوتا ہے اور اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ وہ دخان کے زور سے چلتی ہے جیسے بادل ہوا کے زور سے تیز حرکت کرتا ہے۔ اس جگہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھلے کھلے طور پر ریؔل گاڑی کی طرف اشارہ فرمایا ہے چونکہ یہ عیسائی قوم کا ایجاد ہے جن کا امام و مقتدا یہی دجّالی گروہ ہے اس لئے اِن گاڑیوں کو دجّال کا گدھا قرار دیا گیا۔ اب اس سے زیادہ اور کیا ثبوت ہوگا کہ علاماتِ خاصہ دجّال کے انہیں لوگوں میں پائے جاتے ہیں۔ انہیں لوگوں نے مکروں اور فریبوں کا اپنے وجود پر خاتمہ کر دیا ہے اور دین اسلام کو وہ ضرر پہنچایا ہے جس کی نظیر دنیا کے ابتداء سے نہیں پائی جاتی اور انہیں لوگوں کے متبعین کے پاس وہ گدھا بھی ہے جو دخان کے زور سے چلتا ہے جیسے بادل ہوا کے زور سے۔ اور انہیں لوگوں کے متبعین زمین کو ﴿۷۳۱﴾

بقیہ حاشیہ

کہا گیا ہے کہ آخری زمانہ میں قرآن آسمان پر اُٹھایا جائے گا۔ پھر انہیں حدیثوں میں لکھا ہے کہ پھر دوبارہ قرآن کو زمین پر لانے والا ایک مرد فارسی الاصل ہوگا جیسا کہ فرماتا ہے **لو کان الایمان معلقًا عند الثریا لناله رجل من فارس**۔ یہ حدیث درحقیقت اسی زمانہ کی طرف اشارہ کرتی ہے جو آیت اِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ میں اشارۃً بیان کیا گیا ہے۔ منہ

آباد کرتے جاتے ہیں اور جس ملک ویران پر قبضہ کرتے ہیں اس کو کہتے ہیں کہ تو اپنے خزانے باہر نکال۔ تب ہزارہا وجوہ تحصیل مال کی اُسی ملک سے نکال لیتے ہیں۔ زمین کو آباد کر دیتے ہیں امن کو قائم کر دیتے ہیں۔ لیکن وہ تمام خزائن انہیں کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں اور انہیں کے ملک کی طرف وہ تمام روپیہ کھنچا ہوا چلا جاتا ہے۔ اس بات کو کون نہیں جانتا کہ مثلاً ملک ہند کے خزانے یورپ کی طرف حرکت کر رہے ہیں۔ یورپ کے لوگ آپ ہی ان خزائن کو نکالتے ہیں اور پھر اپنے ملک کی طرف روانہ کرتے ہیں۔ ﴿۷۳۲﴾

غرض اِن تمام احادیث پر عمیق غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زمانہ کے لئے یہ پیشگوئی فرمائی ہے اور انہی لوگوں کا نام دجّال رکھا ہے اور قرآن کریم میں اگرچہ بتصریح کسی جگہ دجّال کے نکلنے کا ذکر نہیں کیا گیا لیکن کچھ شک نہیں کہ قرآن کریم نے دخان کا ذکر کر کے اسی کے ضمن میں دجّال کو داخل کر دیا ہے اور پھر اس زمانہ کا بیان بھی قرآن میں ہے کہ جب دنیا میں دخان کے بعد نور اللہ پھیلے گا اور اس نورانی زمانہ سے مراد وہی زمانہ ہے کہ جب مسیح موعود کے ظہور کے بعد پھر دنیا نیکی کی طرف رُخ کرے گی۔ کچھ شک نہیں کہ یہ زمانہ جو ہنوز دخانی زمانہ ہے سچائی کی حقیقت کو بہت دور چھوڑ گیا ہے اور دجّالی ظلمت نے دلوں پر ایک سخت اثر ڈالا ہے۔ اور کروڑہا مخلوقات شیاطین الانس کے اغوا سے توحید اور راستی اور ایمان سے باہر ہو گئی ہے۔ اب اگر فرض کیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دجّال کی جو عیسائی پادریوں کا گروہ ہے خبر نہیں دی جس کی نظیر دنیا کی ابتداء سے آج تک نہیں پائی جاتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کشفیہ پر سخت اعتراض ہوگا کہ ایسا بڑا ﴿۷۳۳﴾ فتنہ جو اُن کی اُمّت کے لئے درپیش تھا جس میں نہ ستّر ہزار بلکہ ستّر لاکھ سے زیادہ متفرق ملکوں میں لوگ دین اسلام سے انحراف کر چکے ہیں اس کی آنحضرت نے خبر نہیں دی۔ لیکن اگر جیسا کہ شرط انصاف ہے ہم تسلیم کر لیں کہ آنجناب نے اس دجّال کی خبر دی ہے۔ اور

اس کے گدھے کی بھی خبر دی ہے جو خشکی اور تری دونوں کو چیرتا ہوا دور دور ملکوں تک انہیں پہنچاتا ہے اور اُن کے یک چشم ہونے سے بھی اطلاع بخشی ہے اور اُن کی بہشت اور دوزخ اور روٹیوں کے پہاڑ اور خزانوں سے بھی مطلع فرمایا ہے۔ تو پھر اِن حدیثوں کے سوا جو دجّال کے حق میں ہیں اور کونسی حدیثیں ہمارے پاس ہیں جو اس دعویٰ کی تائید میں ہم پیش کریں۔ اور اگر ہم موجودہ حدیثوں کو اُن پر وارد نہ کریں بلکہ وہمی اور فرضی طور پر کوئی اور دجّال اپنے دل میں تراش رکھیں جو کسی اَور زمانہ میں ظاہر ہوگا تو پھر ان کے لئے حدیثیں کہاں سے لاویں۔ اور ظاہر ہے کہ موجود کو چھوڑ کر وہم اور خیال کی طرف دوڑنا بلاشبہ حق پوشی ہے۔ کیونکہ جو موجود ہوگیا ہے اور جس کو ہم نے بچشم خود دیکھ لیا ہے اور اس کے بے مثل فتنوں کو مشاہدہ کر لیا ہے اور ﴿۷۳۴﴾ تمام پیشگوئیوں کا اس کو مصداق بھی سمجھ لیا ہے۔ اگر پھر بھی ہم اس کو ان پیشگوئیوں کا حقیقی مورد نہ ٹھہراویں تو گویا ہماری یہ مرضی نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی پیشگوئی پوری ہو۔ حالانکہ سلف صالح کا یہ طریق تھا کہ اس بات پر سخت حریص تھے کہ پیشگوئی پوری ہوجائے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کی نسبت کہ حرم کعبہ میں ایک مینڈھا ذبح کیا جائے گا وہ لوگ مینڈھے کے ذبح ہونے کے منتظر نہ رہے بلکہ جب حضرت عبداللہ ابن زبیر شہید ہوئے تو انہوں نے یقیناً سمجھ لیا کہ یہی مینڈھا ہے حالانکہ حدیث میں انسان کا نام نہیں وہاں تو صاف مینڈھا لکھا ہے اور اس پیشگوئی کے متعلق بھی جو بخاری اور مسلم میں درج ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں سے پہلے وہ فوت ہوگی جس کے لمبے ہاتھ ہوں گے انہوں نے زینبؓ کی وفات کے وقت یقین کر لیا کہ پیشگوئی پوری ہوگئی۔ حالانکہ یہ بات اجماعی طور پر تسلیم ہو چکی تھی کہ سودہؓ کے لمبے ہاتھ ہیں وہی پہلے فوت ہوگی۔ اُن بزرگوں نے جب دیکھا کہ پیشگوئی کے الفاظ کو حقیقت پر حمل کرنے سے پیشگوئی ہی ہاتھ سے جاتی ہے تو لمبے ہاتھوں سے ایثار ﴿۷۳۵﴾ اور صدقہ کی صفت مراد لے لی۔ لیکن ہمارے زمانہ کے علماء کو اس بات سے

شرم آتی ہے کہ باوجود قرائن قویہ کے بھی کسی حدیث کے ظاہری معنے کو چھوڑ سکیں اور قرآن اور حدیث کو باہم تطبیق دے کر ابن مریم سے روحانی طور پر ابن مریم کا مصداق مراد لے لیں اور دجّال یک چشم سے روحانی یک چشمی کی تعبیر کر لیں اور قرآن کے انکار سے اپنے تئیں بچالیں۔ نہیں سوچتے کہ ابن مریم یا یک چشم کا لفظ بھی اُسی پاک مُنہ سے نکلا ہے جس سے لمبے ہاتھ کا لفظ نکلا تھا بلکہ لمبے ہاتھ کے حقیقی اور ظاہری معنے مراد ہونے پر تو تصدیقِ نبوی بھی ہو چکی تھی۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبروہی سرکنڈہ کے ساتھ ہاتھ ناپے گئے تھے اور سودہؓ کے ہاتھ سب سے لمبے نکلے تھے اور یہی قرار پایا تھا کہ سب سے پہلے سودہؓ فوت ہوگی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھوں کو ناپتے دیکھ کر بھی منع نہیں فرمایا تھا جس سے اجماعی طور پر سودہؓ کی وفات تمام بیویوں سے پہلے یقین کی گئی۔ لیکن آخر کار ظاہری معنے صحیح نہ نکلے۔ جس سے ثابت ہوا کہ اس پیشگوئی کی اصل حقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی معلوم نہیں تھی۔ ﴿۷۳۶﴾

اگر حال کے علماء ذرا سوچیں اور تواریخ کے صفحہ صفحہ پر نظر ڈالیں اور آدم کے وقت سے آج تک جو قریب چھ ہزار برس کے گذرا ہے جس قدر دین حق کے مقابلہ پر فتنہ اندازیاں ہوئی ہیں اُن کا حال کی فتنہ اندازیوں اور کوششوں سے موازنہ کریں تو خود انہیں اقرار کرنا پڑے گا جو باطل کو حق کے ساتھ ملانے کے لئے جس قدر منصوبے اس عیسائی قوم سے ظہور میں آئے اور آرہے ہیں اس کا کروڑم حصّہ بھی کسی دوسری قوم سے ہرگز ظہور میں نہیں آیا۔ اگرچہ ناحق کے خون کرنے والے، کتابوں کے جلانے والے، راستبازوں کو قید کرنے والے بہت گذرے ہیں مگر اُن کے فتنے دلوں کو تہ و بالا کرنے والے نہیں تھے بلکہ مومن لوگ دُکھ اُٹھا کر اَور بھی زیادہ استقامت میں ترقی کرتے تھے۔ لیکن اِن لوگوں کا فتنہ دلوں پر ہاتھ ڈالنے والا اور ایمان کو شبہات سے ناپاک کرنے والا ہے جو اعتقادوں کے بگاڑنے کے لئے زہر ہلاہل کا اثر رکھتا ہے۔ خیال کرنے کا مقام ہے کہ جس قوم نے

﴿۷۳۷﴾ چھ کروڑ کتاب وساوس اور شبہات کے پھیلانے کے لئے اب تک تقسیم کر دی اور آئندہ بھی بڑی سرگرمی سے یہ کارروائی جاری ہے۔ اس قوم کے مقابل پر کس زمانہ میں کوئی نظیر مل سکتی ہے۔ بلکہ چھ ہزار برس کی مدّت پر نظر ڈالنے سے کوئی نظیر پیدا نہیں ہوئی تو پھر کیا ابھی تک منشائے حدیث کے موافق ثابت نہیں ہوا کہ ان لوگوں کی فتنہ اندازی بے مثل و مانند ہے۔ زمانہ نے آخرکار جس فتنہ عظیمہ کو ظاہر کیا وہ یہی فتنہ ہے جس نے لاکھوں مسلمانوں کو گرجاؤں میں بٹھا دیا۔ کروڑہا کتابیں ردّ اسلام میں تالیف ہوگئیں۔ سو اس موجودہ فتنہ کو کَاَنْ لَّمْ یَکُنْ سمجھنا انہیں مولویوں کا کام ہے جن کے دل میں ہرگز یہ خیال نہیں کہ اپنی زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی پوری ہوتی دیکھ لیں۔

بعض نافہم مولوی بطور جرح یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ مسیح ابن مریم کی یہ علامت لکھی ہے کہ دجّال معہود کو وہ قتل کرے گا اور تمام اہل کتاب اس پر ایمان لے آویں گے اور اس خیال کی تائید میں یہ آیت پیش کرتے ہیں وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ[1]۔ میں کہتا ہوں کہ اگر اس آیت کے یہی معنے ہیں کہ مسیح کے نزول کے وقت تمام اہل کتاب ایمان لے آئیں گے تو پھر ہم ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ دجّال کفر کی حالت میں ہی قتل کیا جائے گا۔ ﴿۷۳۸﴾ ماسوا اس کے مسلم کی حدیث میں صاف لکھا ہے کہ دجّال کے ساتھ ستّر ہزار اہل کتاب شامل ہو جائیں گے اور اکثر کی اُن میں سے کفر پر موت ہوگی اور مسیح کی وفات کے بعد بھی اکثر لوگ کافر اور بے دین باقی رہ جائیں گے جن پر قیامت آئے گی اور قرآن کریم بھی صریح اور صاف طور پر اس پر شہادت دیتا ہے کیونکہ وہ فرماتا ہے۔ یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ وَمُطَھِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْۤا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ[2] یعنی میں تیرے متبعین کو تیرے منکرین پر یعنی یہود پر قیامت تک غلبہ دوں گا۔ پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ قیامت کے دن تک یہود کی نسل تھوڑی بہت

[1] النساء: ۱۶۰ [2] اٰل عمران: ۵۶

باقی رہ جائے گی اور پھر فرماتا ہے فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۤءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ [1]
یعنی ہم نے یہود اور نصاریٰ میں قیامت کے دن تک عداوت اور بُغض ڈال دیا ہے۔ اس آیت سے بھی صاف طور پر ثابت ہے کہ یہودی قیامت کے دن تک رہیں گے کیونکہ اگر وہ پہلے ہی حضرت عیسیٰ پر ایمان لے آئیں گے تو پھر سلسلہ عداوت اور بُغض کا قیامت تک کیوں کر ممتد ہوگا۔ لہٰذا ماننا پڑا کہ ایسا خیال کہ حضرت مسیح کے نزول کی یہ علامت ہے کہ تمام ﴿۷۳۹﴾
اہل کتاب اُس پر ایمان لے آویں گے صریح نص قرآن اور حدیث سے مخالف ہے۔

خلاصہ فیصلہ

ہمارا دعویٰ جو الہام الٰہی کی رُو سے پیدا ہوا اور قرآن کریم کی شہادتوں سے چمکا اور احادیث صحیحہ کی مسلسل تائیدوں سے ہریک دیکھنے والی آنکھ کو نظر آنے لگا وہ یہ ہے کہ حضرت مسیح عیسیٰ بن مریم رسول اللہ جن پر انجیل نازل ہوئی تھی وہ اس عالم سفلی سے انتقال کر گئے اور اس جہانِ فانی کو چھوڑ کر جہان جاودانی کے لوگوں میں جا ملے۔ اور اس جسد عنصری کے خواص اور لوازم کو ترک کر کے ان خواص اور لوازم سے متمتع ہو گئے جو صرف اُن لوگوں کو ملتے ہیں جو فوت ہو جاتے ہیں۔ اور ان لذّات سے بہرہ یاب ہو گئے جو محض اُن لوگوں کو دی جاتی ہیں جو موت کے پُل سے گذر کر محبوب حقیقی کو جا ملتے ہیں اور کچھ شک نہیں کہ جو شخص اس عالم کے لوگوں کو چھوڑتا ہے اور عالم ثانی کے لوگوں سے جا ملتا ﴿۷۴۰﴾
ہے اور اس عالم کے لوازم اور خواص چھوڑتا ہے اور عالم ثانی کے لوازم اور خواص قبول کر لیتا ہے اور اس عالم کی لذّات قطعاً چھوڑتا ہے اور عالم ثانی کے لذات پا لیتا ہے اور اس عالم کے مؤثرات ارضی وسماوی چھوڑتا ہے اور عالم ثانی کی غیر متبدّل زندگی حاصل کرتا ہے اور اِس عالم سے بکلّی گم اور ناپدید ہو جاتا ہے اور اُس عالم میں ظہور فرما ہوتا ہے

[1] المائدة: ۱۵

وہی ہے جس کو دوسرے لفظوں میں کہتے ہیں کہ مر گیا۔ اور اس بات میں کچھ بھی شبہ نہیں کہ یہ تبدیلی جو بہ تغیّر الفاظ موت کے نام سے موسوم ہے۔ حضرت مسیح کی دنیوی زندگی پر وارد ہو چکی ہے اور اس تبدیلی کے ضروری لوازم میں وہ اپنے اُن دوسرے بھائیوں سے کسی بات میں کم نہیں ہیں جو دنیا و مافیہا کو چھوڑ گئے۔ اس عالم کے لوگ جو مرنے کے بعد اُس جگہ پہنچتے ہیں اُن کی یہ علامات خاصہ ہیں کہ وہ نہ سوتے ہیں اور نہ اس عالم کی روٹی کھاتے ہیں اور نہ پانی پیتے ہیں اور نہ وہ بیمار ہوتے ہیں نہ انہیں پاخانہ اور پیشاب کی ضرورت ہوتی ہے نہ بالوں اور ناخنوں کے کٹانے کی انہیں حاجت پڑتی ہے اور نہ روشنی کے لئے وہ سورج اور چاند کے محتاج ﴿۷۴۱﴾ ہوتے ہیں اور نہ اُن پر زمانہ اثر کرتا ہے اور نہ ہوا کے ذریعہ سے وہ دم لیتے ہیں اور نہ کسی روشنی کے ذریعہ سے وہ دیکھتے ہیں۔ ایسا ہی وہ ہوا کے ذریعہ سے سنتے بھی نہیں اور نہ سونگھتے ہیں اور نہ توالد تناسل پر قادر ہوتے ہیں۔ غرض ایک پورا انقلاب اُن کی ہستی پر وارد ہو جاتا ہے جس کا نام موت رکھا گیا ہے۔ اُن کو جسم تو دیا جاتا ہے مگر وہ جسم اس عالم کے خواص اور لوازم نہیں رکھتا۔ ہاں وہ بہشت میں کھاتے پیتے بھی ہیں مگر وہ اس عالم کا طعام اور شراب نہیں جس کا جسم عنصری محتاج ہے بلکہ وہ ایسی نعمتیں ہیں جو نہ آنکھوں نے دیکھیں اور نہ کانوں نے سُنیں اور نہ دلوں میں کبھی گذریں۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر حضرت مسیح مرے نہیں اور اسی دنیوی زندگی کے ساتھ کسی آسمان پر بیٹھے ہیں تو کیا تمام لوازم جسم خاکی کے اُن میں خصوصیت کے ساتھ موجود ہیں جو دوسروں میں نہیں پائے جاتے۔ کیا وہ کبھی سوتے اور کبھی جاگتے ہیں اور کبھی اُٹھتے ہیں اور کبھی بیٹھتے ہیں اور کبھی دنیوی شراب اور طعام کو کھاتے پیتے ہیں اور کیا وہ اوقات ضروریہ میں پاخانہ پھرتے اور پیشاب بھی کرتے ہیں ﴿۷۴۲﴾ اور کیا وہ ضرورتوں کے وقت ناخنوں کو کٹاتے اور بالوں کو منڈواتے یا قصر شعر کرواتے ہیں۔ کیا اُن کے لیٹنے کے لئے کوئی چار پائی اور کوئی بستر بھی ہے۔ کیا وہ ہوا کے ساتھ دم لیتے

اور ہوا کے ذریعہ سے سونگھتے اور ہوا ہی کے ذریعہ سے سنتے اور روشنی کے ذریعہ سے دیکھتے ہیں۔ اور کیا وہ زمانہ کے اثر سے اب بڈھے ہو گئے ہیں؟ تو بلاشبہ اس کا جواب یہی دیا جائے گا کہ دنیوی ہستی کے لوازم اور خواص اُن میں باقی نہیں رہے بلکہ وہ ہر یک حالت میں اُن لوگوں کے ہمرنگ ہیں جو اس دُنیا کو فوت ہونے کی وجہ سے چھوڑ گئے ہیں اور نہ صرف ہمرنگ بلکہ اس فوت شدہ جماعت میں داخل ہیں۔ سو اس جواب سے تو اُن کی موت ہی ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ جبکہ انہوں نے فوت شدہ لوگوں کی طرح عالم ثانی کی زندگی کے تمام لوازم اختیار کر لئے جو فوت شدہ لوگوں کی علامات میں سے ہیں اور نہ صرف اختیار ہی کئے بلکہ اس جماعت میں جا ملے اور فرمان اِرْجِعِىٓ اِلٰى رَبِّكِ [1] کا قبول کر کے فَادْخُلِىْ فِىْ عِبٰدِىْ [2] کا مصداق ہو گئے۔ تو اب بھی اگر اُن کو فوت شدہ نہ کہا جائے تو اَور کیا کہا جاوے۔ ظاہر ہے کہ عالم دو ہی ہیں۔ ﴿۷۴۳﴾

ایک یہ دنیا کا عالم۔ جب تک انسان اس عالم میں ہوتا ہے اور اس عالم کے لوازم جیسے کھانا پینا پہننا دم لینا جاگنا سونا اور بدنی نشوونما یا تحلیل کی وجہ سے معرض تغیّر میں ہونا اس کے شامل حال ہوتے ہیں اُس وقت تک اُس کو زندہ کہا جاتا ہے اور جب یہ لوازم بکلّی اس سے دور ہو جاتے ہیں تب سب بول اُٹھتے ہیں کہ مر گیا اور پھر بمجرّد موت کے عالم ثانی کے لوازم اُس میں پیدا ہو جاتے ہیں بلکہ حق تو یہ ہے کہ جس جماعت میں انسان داخل ہوتا ہے اسی جماعت کے حالات پر اس کے حالات کا قیاس کیا جاتا ہے جو شخص اس دنیا کے لوگوں میں داخل ہے وہ اسی دنیا میں سے سمجھا جائے گا اور جو شخص اس دنیا کو چھوڑ گیا اور عالم ثانی کی جماعت میں جا ملا وہ اسی جماعت میں سے خیال کیا جائے گا۔ اب دیکھ لینا چاہیئے کہ مسیح کس جماعت میں داخل ہے جس جماعت میں داخل ہوگا اسی جماعت کے احکام اس پر وارد ہوں گے۔ خدائے تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ کوئی شخص فوت شدہ جماعت میں بغیر فوت ہونے کے داخل نہیں ہوسکتا

[1] الفجر: ۲۹ [2] الفجر: ۳۰

﴿۷۴۴﴾ لیکن یہ بات صحیح بخاری سے بھی معلوم ہو چکی ہے کہ مسیح ابن مریم فوت شدہ جماعت میں داخل ہے اور یحییٰ بن زکریا کے ساتھ دوسرے آسمان میں موجود ہے۔ اور خدائے تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے کہ کوئی شخص میری طرف بغیر مرنے کے آ نہیں سکتا۔ لیکن کچھ شک نہیں کہ مسیح اس کی طرف اُٹھایا گیا سو وہ ضرور مر گیا۔ خدائے تعالیٰ نے اپنی پاک کلام میں اس کو اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ [1] سے پکارا ہے۔ سو لفظ متوفّی جن عام معنوں سے تمام قرآن اور حدیثوں میں مستعمل ہے وہ یہی ہے کہ روح کو قبض کرنا اور جسم کو معطّل چھوڑ دینا یہ بڑے تعصّب کی بات ہے کہ تمام جہان کے لئے توتوفّی کے یہی معنے روح قبض کرنے کے ہوں لیکن مسیح ابن مریم کے لئے جسم قبض کرنے کے معنے لئے جاویں۔ کیا ہم خاص عیسیٰ کے لئے کوئی نئی لغت بنا سکتے ہیں جو کبھی اللہ اور رسول کے کلام میں مستعمل نہیں ہوئی اور نہ عرب کے شعراء اور زبان دان کبھی اس کو استعمال میں لائے۔ پھر جس حالت میں توفّی کے یہی شائع متعارفہ معنے ہیں کہ روح قبض کی جائے خواہ بطور ناقص یا بطور تام۔ تو پھر رفع سے رفع جسد کیوں مراد لیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس چیز پر قبضہ کیا جائے گا رفع بھی اُسی کا ہوگا۔ نہ یہ کہ قبض تو ﴿۷۴۵﴾ روح کا ہو اور جسم کا رفع کیا جائے۔ غرض برخلاف اس متبادر اور مسلسل معنوں کے جو قرآن شریف سے توفّی کے لفظ کی نسبت اوّل سے آخر تک سمجھے جاتے ہیں ایک نئے معنے اپنی طرف سے گھڑنا یہی تو الحاد اور تحریف ہے۔ خدائے تعالیٰ مسلمانوں کو اس سے بچاوے اگر یہ کہا جاوے کہ توفّی کے معنے تفسیروں میں کئی طور سے کئے گئے۔ تو میں کہتا ہوں کہ وہ مختلف اور متضاد اقوال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے نہیں لئے گئے ورنہ ممکن نہ تھا کہ وہ بیان جو چشمۂ وحی سے نکلا ہے اس میں اختلاف اور تناقض راہ پا سکتا بلکہ وہ مفسرین کے صرف اپنے اپنے بیانات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کبھی اُن کا کسی خاص معنے پر اجماع نہیں ہوا۔ اگر ان میں سے کسی کو وہ بصیرت دی جاتی جو اس

[1] اٰل عمران: ۵۶

عاجز کو دی گئی تو ضرور اسی ایک بات پر اُن کا اجماع ہو جاتا لیکن خدائے تعالیٰ نے اس قطعی اور یقینی علم سے اُن کو محروم رکھا تا اپنے ایک بندہ کو کامل طور پر یہ علم دے کر آدم صفی اللہ کی طرح اس کی علمی فضیلت کا ایک نشان ظاہر کرے۔

﴿۴۶۷﴾ اگر یہ کہا جائے کہ اکثر مفسّرین مسیح ابن مریم کی موت کے تو قائل ہیں لیکن یہ بھی تو کہتے ہیں کہ بعد اس کے زندہ ہو گئے۔ اس کے جواب میں مَیں کہتا ہوں کہ جن بزرگوں کو مسیح ابن مریم کے فوت ہونے کے بعد اُس کے زندہ ہو جانے کا اعتقاد ہے وہ ہرگز اس بات کے قائل نہیں کہ مسیح کو مرنے کے بعد دنیوی زندگی ملی تھی بلکہ وہ خود مانتے ہیں کہ مسیح کو مرنے کے بعد ایسی زندگی ملی تھی جو دنیوی زندگی سے بالکل مبائن اور مغائر اور عالم ثانی کی زندگی کے قسم میں سے تھی اور اس زندگی کے قسم میں سے تھی جو فوت کے بعد حضرت یحییٰ کو ملی، حضرت ادریس کو ملی، حضرت یوسف کو ملی، حضرت ابراہیم کو ملی، حضرت موسیٰ کو ملی، حضرت آدم کو ملی، اور جو سب سے زیادہ تر ہمارے سیّد و مولیٰ نبی عربی ہاشمی اُمّی کو ملی صلی اللہ علیه وعلی اٰله و اخوانه اجمعین.

اور اگر کوئی کہے کہ نہیں صاحب وہ زندگی جو مسیح کو مرنے کے بعد ملی وہ حقیقت میں دنیوی زندگی تھی تو ایسے قائل کو اس بات کا مان لینا لازم ہوگا کہ مسیح میں دنیوی زندگی کے لوازم موجود ہیں اور وہ اس عالم کے زندوں کی طرح ہوا کے ذریعہ سے دم لیتا ہے اور ہوا کے ذریعہ سے سونگھتا اور ہوا کے ذریعہ سے آوازیں سُنتا اور کھاتا پیتا اور تمام ﴿۴۶۷﴾ مکروہات، پیشاب اور پاخانہ وغیرہ کے اس کو لگے ہوئے ہیں لیکن قرآن شریف تو ان سب کی اُسکی ذات سے نفی کرتا ہے اور حدیثیں صاف اور بلند آواز سے کہہ رہی ہیں کہ مسیح کی زندگی تمام گذشتہ اور فوت شدہ نبیوں کی زندگی سے بالکل ہمرنگ ہے۔ چنانچہ معراج کی حدیث بھی اس پر دلالت کرتی ہے اور عیسائی لوگ بھی باوجود اس کے

کہ اُن کو مسیح کے فوت ہونیکے بعد زندہ اُٹھائے جانے پر بڑا اصرار ہے ہرگز یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ وہ آسمانوں میں دنیوی زندگی سے عمر بسر کرتے ہیں بلکہ محض موسیٰ اور داؤد اور دوسرے نبیوں کی زندگی کی مانند مسیح کی زندگی خیال کرتے ہیں کیونکہ مسیح کو خود اس بات کا اقرار ہے۔

اس جگہ یہ بھی ظاہر رہے کہ توفّی کے معنے وفات دینے کے صرف اجتہادی طور پر ہم نے معلوم نہیں کئے بلکہ مشکوٰۃ کے باب الحشر میں بخاری اور مسلم کی حدیث جو ابن عباس سے ہے صریح اور صاف طور پر اُس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آیت فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کی یہی تفسیر فرماتے ہیں کہ در حقیقت اس سے وفات ہی مراد ہے۔ بلکہ اسی حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ سوال حضرت مسیح سے عالم برزخ میں اُن کی وفات کے بعد کیا گیا تھا نہ یہ کہ قیامت میں کیا جائے گا۔ پس جس آیت کی تفسیر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی کھول دیا پھر اگر کوئی تفسیر نبوی کو بھی سُن کر شک میں رہے تو اس کے ایمان اور اسلام پر اگر افسوس اور تعجب نہ کریں تو اَور کیا کریں۔ دیکھو اس حدیث کو امام بخاری انہیں معنوں کی طرف اشارہ کرنے کی غرض سے اپنی صحیح کی کتاب التفسیر میں لایا ہے۔ دیکھو صفحہ ۶۶۵ بخاری۔ ﴿۴۸۷﴾

بعض صاحب اِن سب دلائل شافیہ کو سُن کر حضرت مسیح کی وفات کے قائل تو ہو جاتے ہیں مگر پھر وہ دوبارہ یہ وہم پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ ان کو زندہ کر کے پھر قبر میں سے اُٹھاوے۔ ہم اس وہم کے جواب میں کئی دفعہ بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں وعدہ کر چکا ہے کہ جو شخص ایک دفعہ مر چکا اور واقعی موت جو اس کے لئے مقدّر تھی اس پر وارد ہو چکی پھر دوبارہ دنیا میں نہیں بھیجا جائے گا اور نہ دنیا میں دو موتیں اُس پر وارد کی جائیں گی۔ اس جواب کے سننے کے بعد پھر وہ ایک اَور وہم پیش کرتے ہیں کہ قرآن کریم سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض مردے زندہ ہوگئے۔ جیسے وہ مُردہ جس کا خون بنی اسرائیل نے چھپا لیا تھا جس کا ذکر اس آیت میں ہے وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِیْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ [1] ﴿۴۸۹﴾

[1] البقرة: ۷۳

اس کا جواب یہ ہے کہ ایسے قصّوں میں قرآن شریف کی کسی عبارت سے نہیں نکلتا کہ فی الحقیقت کوئی مردہ زندہ ہوگیا تھا اور واقعی طور پر کسی قالب میں جان پڑ گئی تھی۔ بلکہ اس آیت پر نظر غور کرنے سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت نے ایک خون کر کے چھپا دیا تھا اور بعض بعض پر خون کی تہمت لگاتے تھے۔ سو خدائے تعالیٰ نے اصل مجرم کے پکڑنے کے لئے یہ تدبیر سمجھائی تھی کہ تم ایک گائے کو ذبح کر کے اس کی بوٹیاں اس لاش پر مارو۔ اور وہ تمام اشخاص جن پر شبہ ہے ان بوٹیوں کو نوبت بہ نوبت اس لاش پر ماریں۔ تب اصل خونی کے ہاتھ سے جب لاش پر بوٹی لگے گی تو لاش سے ایسی حرکات صادر ہوں گی جس سے خونی پکڑا جائے گا۔

اب اس قصّہ سے واقعی طور پر لاش کا زندہ ہونا ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ صرف ایک دھمکی تھی کہ تا چور بیدل ہو کر اپنے تئیں ظاہر کرے۔ لیکن ایسی تاویل سے عالم الغیب کا عجز ظاہر ہوتا ہے اور ایسی تاویلیں وہی لوگ کرتے ہیں کہ جن کو عالم ملکوت کے اسرار سے حصّہ نہیں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ طریق علم عمل الترب یعنی مسمریزم کا ﴿۷۵۰﴾ ایک شعبہ تھا جس کے بعض خواص میں سے یہ بھی ہے کہ جمادات یا مردہ حیوانات میں ایک حرکت مشابہ بحرکت حیوانات پیدا ہو کر اس سے بعض مشتبہ اور مجہول امور کا پتہ لگ سکتا ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ کسی سچائی کو ضائع نہ کریں اور ہر یک وہ حقیقت یا خاصیت جو عین صداقت ہے اس کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے سمجھیں۔ علم عمل الترب ایک عظیم الشان علم ہے جو طبعی کا ایک روحانی حصہ ہے جس میں بڑے بڑے خواص اور عجائبات پائے جاتے ہیں۔ اور اس کی اصلیت یہ ہے کہ انسان جس طرح باعتبار اپنے مجموعی وجود کے تمام چیزوں پر خلیفۃ اللہ ہے اور سب چیزیں اس کے تابع کر دی گئی ہیں اسی طرح انسان جس قدر اپنے اندر انسانی قویٰ رکھتا ہے تمام چیزیں ان قویٰ کی اس طرح پر تابع ہیں کہ شرائط مناسبہ کے ساتھ ان کا اثر قبول کر لیتی ہیں۔ انسان قوت فاعلہ کے ساتھ

دنیا میں بھیجا گیا ہے اور دوسری چیزیں قوت منفعلہ رکھتی ہیں۔ ادنیٰ اثر انسان کی قوتِ فاعلہ کا یہ ہے کہ ہر یک جاندار اس سے ایسا ہِل سکتا ہے کہ اس کے خادموں میں اپنے تئیں شمار کر لیتا ہے اور اس کا مسخر ہو جاتا ہے۔ فطرت نے جن انسانوں کو قوت فاعلہ کا بہت سا حصہ دیا ہے ﴿۷۵۱﴾
اُن سے عمل الترب کے عجیب عجیب خواص ظاہر ہوتے ہیں۔ درحقیقت انسان ایک ایسا جانور ہے کہ اس کے ظاہری اور باطنی قویٰ ترقی دینے سے ترقی پذیر ہو سکتے ہیں اور ان کی قوت فاعلی کا اثر بڑھ جاتا ہے۔ مثلاً جن لوگوں کو ہمارے ملک میں ڈائن کہتے ہیں ان کی صرف اس قدر حقیقت ہے کہ ان کی زہریلی نظر سے ضعیف الخلقت لوگ بچے وغیرہ کسی قدر متاثر ہو جاتے ہیں۔ بعض لوگ اپنی زہریلی نظر سے درندوں کو مغلوب اور متاثر کر کے آسانی سے اُن کا شکار کر لیتے ہیں۔ بعض اپنے تصوّرات ترب مشق کی وجہ سے دوسرے کے دل میں ڈال دیتے ہیں۔ بعض اپنی کیفیت ذوقی کا اثر اسی عمل کے زور سے دوسرے کے دل تک پہنچا سکتے ہیں۔ بعض بے جان چیزوں پر اثر ڈال کر ان میں حرکت پیدا کر دیتے ہیں۔ چنانچہ زمانہ حال میں بھی ان باتوں میں مشق رکھنے والے بہت نظر آتے ہیں۔ بعض کٹے ہوئے سر بکری وغیرہ کے عمل الترب کے زور سے ایسی حرکت میں لاتے ہیں کہ وہ ناچتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔
بعض عمل الترب کے زور سے چوروں کا پتہ لگا لیتے ہیں۔ قرآن شریف یا لوٹے کو حرکت دے ﴿۷۵۲﴾
کر جو چور کا پتہ نکالتے ہیں حقیقت میں یہ عمل الترب کی ایک شاخ ہے۔ اگرچہ اس کی شرائط ضرور یہ کے نہ پائے جانے کی وجہ سے غلطی واقع ہو۔ چنانچہ اسی وجہ سے بکثرت غلطی واقع ہوتی بھی ہے لیکن یہ غلطی اس عمل کی عزت اور عظمت کو گھٹا نہیں سکتی کیونکہ بہت سے تجارب صحیحہ سے اس کی اصلیت ثابت ہو چکی ہے۔ بے شک انسانی حیات اور شعور کا اثر دوسری چیزوں پر بھی پڑ سکتا ہے اور انسان کی قوت کشفی کا پرتوہ جمادات یا کسی مردہ حیوان پر پڑ کر اس کو بعض مجہولات کے استکشاف کا آلہ بنا سکتا ہے۔ چنانچہ قضیہ مذکورہ بالا جس کا

آیت مذکورہ بالا میں ذکر ہے اسی قسم میں سے ہے اور بعد میں جو آیت ہے
كَذٰلِكَ يُحۡىِ اللّٰهُ الۡمَوۡتٰى [1] یہ حیات حقیقی کا ثبوت نہیں بلکہ ایک اعجوبہ قدرت کے
ثابت ہونے سے دوسری قدرت کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ جابجا قرآن شریف میں یہی
طریق ہے یہاں تک کہ نباتات کے اُگنے کو احیاء موتٰی پر دلیل ٹھہرائی گئی ہے اور یہی آیت
كَذٰلِكَ يُحۡىِ اللّٰهُ الۡمَوۡتٰى ان مقامات میں بھی لکھی گئی ہے۔ اور یاد رکھنا چاہیئے کہ جو
قرآن کریم میں چار پرندوں کا ذکر لکھا ہے کہ ان کو اجزاء متفرقہ یعنی جدا جدا کر کے چار ﴿۷۵۳﴾
پہاڑیوں پر چھوڑا گیا تھا اور پھر وہ بلانے سے آگئے تھے یہ بھی عمل الترب کی طرف اشارہ ہے
کیونکہ عمل الترب کے تجارب بتلا رہے ہیں کہ انسان میں جمیع کائنات الارض کو اپنی طرف
کھینچنے کے لئے ایک قوت مقناطیسی ہے اور ممکن ہے کہ انسان کی قوتِ مقناطیسی اس حد تک
ترقی کرے کہ کسی پرند یا چرند کو صرف توجہ سے اپنی طرف کھینچ لے۔ فتدبّر و لا تغفل۔

اب پھر ہم اصل بحث کی طرف رجوع کر کے کہتے ہیں کہ تمام مقدّس لوگ جو اس دنیا
سے رخصت ہوگئے وہ دوسرے جہان میں زندہ ہیں۔ چنانچہ جب مسیح سے قیامت کے
منکروں نے سوال کیا کہ مُردوں کے جی اُٹھنے پر کیا دلیل ہے تو مسیح نے یہی جواب دیا کہ
خدائے تعالیٰ توریت میں فرماتا ہے کہ ابراہیم کا خدا اسحٰق کا خدا یعقوب کا خدا۔ سو خدا
زندوں کا خدا ہوتا ہے نہ مُردوں کا۔ اس سے مسیح نے اس بات کا اقرار کر لیا کہ ابراہیم اور
اسحٰق اور یعقوب سب زندہ ہیں۔ اور لعاذر کے قصہ میں بھی مسیح نے ابراہیم کا زندہ ہونا
مان لیا ہے اور اب تک عیسائی لوگ اس بات کا ثبوت نہیں دے سکے کہ مسیح کی زندگی کو
ابراہیم کی زندگی پر کیا ترجیح ہے اور مسیح کی زندگی میں وہ کون سے خاص لوازم ہیں جو ﴿۷۵۴﴾
ابراہیم کی زندگی میں نہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر ابراہیم کو ایک جسم نہ ملتا تو لعاذر اُس کی گود میں
کیوں کر بیٹھتا۔ مسیح نے انجیل میں خود اقرار کر لیا کہ ابراہیم جسم کے سمیت عالم ثانی میں

[1] البقرة: ۷۴

موجود ہے پھر مسیح کے جسم میں کونسی انوکھی بات ہے تا کوئی منصف یقین کرلیوے کہ مسیح تو جسم خاکی عنصری رکھتا ہے مگر ابراہیم کا نورانی جسم ہے۔ ہاں اگر یہ ثابت ہو جائے کہ مسیح کے جسم میں خاکی جسم کے لوازم موجود ہیں۔ جیسے روٹی کھانا۔ پانی پینا۔ پیشاب کرنا پاخانہ پھرنا وغیرہ وغیرہ اور ابراہیم کے جسم میں یہ لوازم موجود نہیں تو بھلا پھر کون ہے کہ اس ثبوت کے بعد پھر برسر انکار رہے۔ لیکن اب تک یہ ثبوت نہ عیسائی لوگ پیش کر سکے اور نہ مسلمانوں میں سے کسی نے پیش کیا بلکہ دونوں فریق کو صاف اقرار ہے کہ مسیح کی زندگی دوسرے نبیوں کی زندگی سے صاف متحد الحقیقت اور ہمرنگ اور ایک ذرہ مابہ الامتیاز درمیان نہیں۔ پھر بھلا ہم کیوں کر مان لیں کہ مسیح کسی نرالے جسم کے ساتھ آسمان پر بیٹھا ہے اور دوسرے سب بغیر جسم کے ہیں۔ ہم کو محض جبر اور تحکم کی راہ سے یہ سنایا جاتا ہے کہ اسی بات پر تمام اُمت کا اجماع ہے۔ لیکن جبکہ ﴿۷۵۵﴾
ہم دیکھتے ہیں کہ سلف اور خلف کا تو کسی ایک بات پر اتفاق ہی نہیں تو ہم کیوں کر قبول کر لیں کہ ہاں اجماع ہی ہے۔ بھلا اگر مسیح کی زندگی پر کسی کا اجماع ہے تو ایک قول تو دکھلاؤ جس میں سلف کے لوگوں نے مسیح کی زندگی ایک دنیوی زندگی قرار دی ہو اور دنیوی زندگی کے لوازم اُس میں قبول کر لئے ہوں اور دوسروں کو اس سے باہر رکھا ہو۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس بات پر تمام خلف وسلف کا اجماع معلوم ہوتا ہے کہ مسیح اس عالم کو چھوڑ کر دوسرے عالم کے لوگوں میں جا ملا ہے اور بلا کم وبیش انہیں کی زندگی کے موافق اس کی زندگی ہے گو بعض نے نادانی سے مسیح کی موت سے انکار کیا ہے مگر باوجود اس کے قبول کر لیا ہے کہ وہ مرنے والے لوگوں کی طرح اس عالم کو چھوڑ گیا ہے اور اس جماعت میں جا ملا جو مر گئے ہیں اور بکلّی اُن کے رنگ میں ہو گیا۔ بھلا کوئی دانشمند اُن سے پوچھے کہ اگر یہ موت نہیں تو اَور کیا ہے جس نے دُنیا کے عالم کو چھوڑ دیا اور دوسرے عالم میں جا پہنچا اور دنیا کے لوگوں کو چھوڑ دیا اور دوسرے جہان کے لوگوں میں سے

ایک ہو گیا۔ اگر اس کو فوت شدہ نہ کہیں تو اَور کیا کہیں۔

﴿۷۵۶﴾ اَور ہم لکھ چکے ہیں کہ قرآن کریم مسیح ابن مریم کو اپنی آیات کے تیس مقامات میں مار چکا ہے اور کیا عبارت النص کے طور پر اور کیا اشارۃ النص کے طور پر۔ کیا فحوائے نص کے طور پر ان کی موت پر شہادت دے رہا ہے۔ اور ایک بھی ایسی آیت نہیں پائی جاتی جو اُن کے زندہ ہونے اور زندہ اُٹھائے جانے پر ایک ذرّہ بھی اشارہ کرتی ہو۔ ہاں بعض بے اصل اور بیہُودہ اقوال تفسیروں میں پائے جاتے ہیں جن کی تائید میں نہ کوئی آیت قرآن کریم کی پیش کی گئی ہے اور نہ کوئی حدیث معرض بیان میں لائی گئی ہے اور باایں‌ہمہ ان اقوال کی بنا یقین پر نہیں کیوں کہ انہیں تفسیروں میں بعض اقوال کے مخالف بعض دوسرے اقوال بھی لکھے ہیں۔ مثلاً اگر کسی کا یہ مذہب لکھا ہے کہ مسیح ابن مریم جسد عنصری کے ساتھ زندہ ہی اٹھایا گیا تو ساتھ ہی اس کے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ بعض کا یہ بھی مذہب ہے کہ مسیح فوت ہو گیا ہے۔ بلکہ ثقات صحابہ کی روایت سے فوت ہو جانے کے قول کو ترجیح دی ہے۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہی مذہب بیان کیا گیا ہے۔

﴿۷۵۷﴾ رہی حدیثیں سو اُن میں کسی جگہ بیان نہیں کیا گیا کہ مسیح ابن مریم جو رسول اللہ تھا جس پر انجیل نازل ہوئی تھی جو فوت ہو چکا ہے درحقیقت وہی عالم آخرت کے لوگوں میں سے نکل کر پھر اس دنیا کے لوگوں میں آ جائے گا بلکہ حدیثوں میں ایک ایسی طرز اختیار کی گئی ہے جس سے ایک دانا انسان صریح سمجھ سکتا ہے کہ مسیح ابن مریم سے مراد مسیح ابن مریم نہیں ہے بلکہ اس کی صفات خاصہ میں کوئی اس کا مثیل مراد ہے۔ کیونکہ احادیث صحیحہ میں دو پہلو قائم کر کے ایک پہلو میں یہ ظاہر کرنا چاہا ہے کہ اسلام تنزّل کرتا کرتا اس حد تک پہنچ جائے گا کہ اس وقت کے مسلمان اُن یہودیوں کے مشابہ بلکہ بعینہٖ وہی ہو جائیں گے جو حضرت مسیح ابن مریم کے وقت میں موجود تھے

پھر دوسرے پہلو میں یہ ظاہر کیا ہے کہ اس تنزّل کے زمانہ میں کہ جب مسلمان لوگ ایسے یہودی بن جائیں گے کہ جو عیسیٰ بن مریم کے وقت میں تھے تو اُس وقت اُن کی اصلاح کے لئے ایک مسیح ابن مریم بھیجا جائے گا۔ اب ظاہر ہے کہ اگر اس پیشگوئی کے وہ دونوں ٹکڑے اکٹھے کر کے پڑھے جائیں جو ایک طرف اس اُمّت میں یہودیت کو قائم کرتے ہیں اور دوسری طرف مسیحیت کو۔ تو پھر اس بات کے سمجھنے کے لئے کوئی اشتباہ باقی نہیں رہتا کہ یہ دونوں صفتیں اسی اُمّت کے افراد کی ﴿۷۵۸﴾ طرف منسوب ہیں اور ان حدیثوں کی قرآن کریم کے منشاء سے اسی صورت میں تطبیق ہوگی کہ جب یہ دونوں صفتیں اسی اُمّت کے متعلق کی جائیں کیونکہ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں قرآن شریف وعدہ فرما چکا ہے کہ خلافت محمدیّہ کا سلسلہ باعتبار اوّل اور آخر کے بعینہٖ خلافت موسویہ کے سلسلہ سے مماثل ومشابہ ہے یعنی اس اُمت کے اعلیٰ اور ادنیٰ افراد کا بنی اسرائیل کی اُمّت سے تشابہ قلوب ہے اعلیٰ کی اعلیٰ سے اور ادنیٰ کی ادنیٰ سے۔ اور یہ دونوں سلسلے اپنی ترقی اور تنزّل کی حالت میں بالکل باہم مماثل اور مشابہ ہیں اور جیسا کہ موسوی شریعت چودہ سو برس کے قریب عمر پاکر اس مدت کے آخری ایام میں اوج اقبال سے گر گئی تھی اور ہر یک بات میں تنزّل راہ پا گیا تھا کیا دنیوی حکومت وسلطنت میں اور کیا دینی تقویٰ اور طہارت میں یہی تنزّل اسی مدّت کے موافق اسلامی شریعت میں بھی راہ پا گیا۔ اور موسوی شریعت میں تنزّل کے ایام کا مصلح جو منجانب اللہ آیا وہ مسیح ابن مریم تھا۔ پس ضرور تھا کہ دونو سلسلہ میں پوری مماثلت دکھلانے کی غرض سے اسلامی ﴿۷۵۹﴾ تنزّل کے زمانہ میں بھی کوئی مصلح مسیح ابن مریم کے رنگ پر آتا اور اسی زمانہ کے قریب قریب آتا جو موسوی شریعت کے تنزّل کا زمانہ تھا۔ یہ وہ تمام باتیں ہیں جو قرآن شریف سے مترشح ہوتی ہیں۔ جب ہم قرآن شریف پر غور کریں تو گویا وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر ہمیں بتلا رہا ہے کہ یہی سچ ہے تم اس کو قبول کرو۔ لیکن افسوس کہ ہمارے علماء سچائی کو دیکھ کر پھر اُس کو

قبول نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ کیا پہلے علماء میں یہ سمجھ اور فہم نہیں تھا جو تمہیں دیا گیا اور آپ ہی کتابوں میں پڑھتے ہیں کہ جب مسیح ابن مریم آئے گا تو وہ ایسے ایسے استنباط قرآن سے کرے گا جو علماء وقت کی نظر میں اجنبی معلوم ہوں گے اور اسی وجہ سے وہ آمادہ مخالفت ہو جائیں گے۔ دیکھو مجلد ثانی مکتوبات امام ربّانی صفحہ ۱۰۷۔ اور کتاب آثار القیامۃ مولوی صدیق حسن صاحب مرحوم۔ اب کیا ضرور نہ تھا کہ ایسا ہی ہوتا اور وہ قرائن جن سے ثابت ہوتا ہے کہ احادیث کا ہرگز یہ منشاء نہیں کہ مسیح ابن مریم سے بنی اسرائیل صاحبِ انجیل مراد ہے بہ تفصیل ذیل ہیں۔

﴿۷۶۰﴾ اوّل۔ یہی جو اوپر لکھا گیا ہے کہ ایسا خیال قرآن کریم کی اُن پیشگوئیوں کے مخالف ہے جن میں خلافت موسویہ اور خلافت محمدیہ کی ترقی اور تنزّل کا سلسلہ معہ اُس کے تمام لوازم کے ایک ہی طرز پر واقع ہونا بیان فرمایا گیا ہے اور صریح بلند آواز سے بتلایا گیا ہے کہ اسلامی شریعت کے تنزّل کے زمانہ کا تدارک ایسی طرز اور نہج سے اور اُسی رنگ کے مصلح سے کیا جائے گا جیسا کہ موسوی شریعت کے تنزّل کے زمانہ کے وقت کیا گیا تھا۔ یعنی اللہ جلَّ شَانُہٗ کا قرآن کریم میں منشاء یہ ہے کہ اسی شریعت کے مصلح جو اس دین میں پیدا ہوں گے شریعت موسوی کے مصلحین سے متشابہ اور متماثل ہوں گے اور جو کچھ خدائے تعالیٰ نے موسوی شریعت کی ترقی اور تنزّل کے زمانہ میں کارروائیاں کی تھیں وہی کارروائیاں اس اُمت کی ترقی اور تنزّل کے زمانہ میں کرے گا اور جو کچھ اس کی مشیّت نے تنزّل کے زمانہ میں یہودیوں پر کسل اور ضلالت اور تفرقہ وغیرہ کا اثر ڈالا تھا اور پھر اس کی اصلاح کے لئے ایک بردبار اور دقیقہ رس اور روح سے تائید یافتہ مصلح دیا تھا۔ یہی سُنّت اللہ اسلام کے تنزّل کی حالت میں ظہور میں آئے گی۔ اب اگر اس منشاء کے مخالف اصل مسیح ابن مریم کو ہی دوبارہ زمین پر اُتارا جائے تو قرآن ﴿۷۶۱﴾ شریف کی تعلیم سے صریح مخالفت ہے۔

دوم ۔قرآن شریف قطعی طور پر عیسیٰ ابن مریم کی موت ثابت وظاہر کر چکا ہے صحیح بخاری جو بعد کتاب اللہ اصح الکتب سمجھی گئی ہے۔اس میں فلمّا توفّیتنی کے معنی وفات ہی لکھے ہیں۔ اِسی وجہ سے امام بخاری اس آیت کو کتاب التفسیر میں لایا ہے۔

سوم ۔قرآن کریم کئی آیتوں میں بتصریح فرما چکا ہے کہ جو شخص مر گیا پھر وہ دنیا میں کبھی نہیں آئے گا۔لیکن نبیوں کے ہمنام اس اُمت میں آئیں گے۔

چہارم ۔قرآن کریم بعد خاتم النبیّین کے کسی رسول کا آنا جائز نہیں رکھتا خواہ وہ نیا رسول ہو یا پُرانا ہو۔ کیونکہ رسول کو علمِ دین بتوسط جبرائیل ملتا ہے اور باب نزول جبرائیل بہ پیرایہ وحیٔ رسالت مسدود ہے۔اور یہ بات خود ممتنع ہے کہ دنیا میں رسول تو آوے مگر سلسلہ وحی رسالت نہ ہو۔

پنجم ۔ یہ کہ احادیث صحیحہ بصراحت بیان کر رہی ہیں کہ آنے والا مسیح ابن مریم اُمتیوں کے رنگ میں آئے گا۔ چنانچہ اس کو امتی کر کے بیان بھی کیا گیا ہے جیسا کہ حدیث امامکم منکم سے ظاہر ہے اور نہ صرف بیان کیا گیا بلکہ جو کچھ اطاعت اور پیروی اُمت پر لازم ہے وہ سب اس کے لازم حال ٹھہرائی گئی۔ ﴿۷۶۲﴾

ششم ۔ یہ کہ بخاری میں جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے اصل مسیح ابن مریم کا اور حلیہ بتایا گیا ہے اور آنے والے مسیح ابن مریم کا اور حلیہ ظاہر کیا گیا ہے۔اب ان قرائن ستّہ کے رو سے صریح اور صاف طور پر ثابت ہے کہ آنے والا مسیح ہرگز وہ مسیح نہیں ہے جس پر انجیل نازل ہوئی تھی بلکہ اس کا مثیل ہے اور اِس وقت اُس کے آنے کا وعدہ تھا کہ جب کروڑ ہا افراد مسلمانوں میں سے یہودیوں کے مثیل ہو جائیں گے تا خدائے تعالیٰ اس اُمّت کی دونو قسموں کی استعدادیں ظاہر کرے نہ یہ کہ اس اُمّت میں صرف یہودیوں کی نجس صورت قبول کرنے کی استعداد ہو اور مسیح بنی اسرائیل میں سے آوے۔ بلا شبہ ایسی صورت میں اس مقدس اور روحانی معلّم اور پاک نبی کی

بڑی ہتک ہے جس نے یہ خوشخبری بھی دی تھی کہ اِس اُمّت میں مثیل انبیاء بنی اسرائیل پیدا ہوں گے۔

﴿۶۶۳﴾ اور اگر یہ کہا جائے کہ جس حالت میں اصل عیسیٰ ابن مریم آنے والا نہیں تھا بلکہ اس کا مثیل آنے والا تھا تو یہ کہنا چاہیئے تھا کہ مثیل آنے والا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عام محاورہ ہے کہ جب متکلّم کا یہ ارادہ ہوتا ہے کہ مشبّہ اور مشبّہ بہٖ میں مماثلت تام ہے تو مشبّہ کا مشبّہ بہٖ پر حمل کر دیتا ہے تا انطباق کلّی ہو جیسے امام بخاری کی نسبت ایک جلسہ میں کہا گیا کہ دیکھو یہ احمد حنبل آیا ہے الخ اور جیسے کہتے ہیں کہ یہ شیر ہے اور یہ نوشیرواں ہے یہ حاتم ہے یا مثلاً جیسے کوئی کسی کو کہتا ہے کہ تُو گدھا ہے یا بندر ہے۔ اور نہیں کہتا کہ تُو گدھے کی مانند ہے یا بندر کی مانند۔ کیونکہ وہ مطلب مماثلت تامہ کا جو اس کے دل میں ہوتا ہے مانند کہنے سے فوت ہو جاتا ہے اور جس کیفیت کو وہ ادا کرنا چاہتا ہے وہ ان لفظوں سے ادا نہیں ہو سکتی۔ **فتدبّر**

اُمّت احمد نہاں دارد دو ضد را در وجود ... مے تواند شد مسیحا مے تواند شد یہود
زمرۂ زیشاں ہمہ بدطینتاں را جائے ننگ ... زمرۂ دیگر بجائے انبیا دارد قعود

﴿۶۶۴﴾ بعض نہایت سادگی سے کہتے ہیں کہ سلاطین کی کتاب میں جو لکھا ہے کہ ایلیاء جسم کے سمیت آسمان پر اُٹھایا گیا تو پھر کیا مسیح ابن مریم کے اُٹھائے جانے میں کچھ جائے اشکال ہے تو اُن کو واضح ہو کہ درحقیقت ایلیا بھی خاکی جسم کے ساتھ نہیں اُٹھایا گیا تھا۔ چنانچہ مسیح نے اس کی وفات کی طرف اشارہ کر دیا جبکہ اس نے یہودیوں کی وہ امید توڑ دی جو وہ اپنی خام خیالی سے باندھے ہوئے تھے اور کہہ دیا کہ وہ ہرگز نہیں آئے گا۔ اور ظاہر ہے کہ اگر وہ جسم خاکی کے ساتھ اُٹھایا جاتا تو پھر خاک کی طرف اس کا رجوع کرنا ضروری تھا کیونکہ لکھا ہے کہ خاکی جسم

خاک کی طرف عود کرتا ہے مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَفِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ [1] کیا ایلیا آسمان پر ہی فوت ہو گا یا كُلُّ مَنۡ عَلَيۡهَا فَانٍ [2] سے باہر رہے گا۔ اگر سوچ کر دیکھو تو ایلیا کی چادر گرنے والی وہی اس کا وجود تھا جو اس نے چھوڑ دیا اور نیا چولہ پہن لیا۔

کیوں نہیں لوگو تمہیں حق کا خیال
دل میں اُٹھتا ہے مرے سَو سَو اُبال

ابن مریم مر گیا حق کی قسم
داخلِ جنت ہوا وہ محترم

مارتا ہے اُس کو فرقاں سر بسر
اس کے مرجانے کی دیتا ہے خبر

وہ نہیں باہر رہا اموات سے
ہو گیا ثابت یہ تیس آیات سے

کوئی مُردوں سے کبھی آیا نہیں
یہ تو فرقاں نے بھی بتلا یا نہیں ﴿۷۶۵﴾

عہد شد از کردگار بے چگوں
غور کن در اَنَّهُمۡ لَا يَرۡجِعُوۡنَ [3]

اے عزیزو!! سوچ کر دیکھو ذرا
موت سے بچتا کوئی دیکھا بھلا

یہ تو رہنے کا نہیں پیارو مکاں
چل بسے سب انبیاء و راستاں

ہاں نہیں پاتا کوئی اس سے نجات
یونہی باتیں ہیں بنائیں واہیات

کیوں تمہیں انکار پر اصرار ہے
ہے یہ دین یا سیرت کفّار ہے

برخلاف نصّ یہ کیا جوش ہے
سوچ کر دیکھو اگر کچھ ہوش ہے

کیوں بنایا ابن مریم کو خدا
سنت اللہ سے وہ کیوں باہر رہا

کیوں بنایا اس کو باشانِ کبیر
غیب دان و خالق حیّ و قدیر

مرگئے سب پر وہ مرنے سے بچا
اب تلک آئی نہیں اس پر فنا

ہے وہی اکثر پرندوں کا خدا
اس خدا دانی پہ تیرے مرحبا

مولوی صاحب یہی توحید ہے
سچ کہو کس دیو کی تقلید ہے

کیا یہی توحیدِ حق کا راز تھا
جس پہ برسوں سے تمہیں اک ناز تھا

کیا بشر میں ہے خدائی کا نشان
الاماں ایسے گماں سے الاماں

[1] طٰہٰ: ۵۶ [2] الرحمٰن: ۲۷ [3] الانبیاء: ۹۶

ہے تعجب آپ کے اس جوش پر
فہم پر اور عقل پر اور ہوش پر

﴿۷۶۶﴾ کیوں نظر آتا نہیں راہِ صواب
پڑ گئے کیسے یہ آنکھوں پر حجاب

کیا یہی تعلیمِ فرقاں ہے بھلا
کچھ تو آخر چاہیئے خوفِ خدا

مومنوں پر کفر کا کرنا گماں
ہے یہ کیا ایمانداروں کا نشاں

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدّام ختم المرسلیں

شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاکِ راہِ احمد مختار ہیں

سارے حکموں پر ہمیں ایمان ہے
جان و دل اس راہ پر قربان ہے

دے چکے دل اب تنِ خاکی رہا
ہے یہی خواہش کہ ہو وہ بھی فدا

تم ہمیں دیتے ہو کافر کا خطاب
کیوں نہیں لوگو تمہیں خوف عقاب

سخت شورے اوفتاد اندر زمیں
رحم کن بر خلق اے جاں آفریں

کچھ نمونہ اپنی قدرت کا دکھا
تجھ کو سب قدرت ہے، اے ربّ الورا

آمین

﴿۷۶۷﴾ بعض مبائعین کا ذکر اور نیز اس سلسلہ کے معاونین کا تذکرہ اور اِسلام کو یُورپ اور امریکہ میں پھیلانے کی احسن تجویز

میں رسالہ فتح اسلام میں کسی قدر لکھ آیا ہوں کہ اسلام کے ضعف اور غربت اور تنہائی کے وقت میں خدائے تعالیٰ نے مجھے مامور کر کے بھیجا ہے تا میں ایسے وقت میں جو اکثر لوگ عقل کی بداستعمالی سے ضلالت کی راہیں پھیلا رہے ہیں اور روحانی امور سے رشتہ مناسبت بالکل کھو بیٹھے ہیں اسلامی تعلیم کی روشنی ظاہر کروں۔ مَیں

یقیناً جانتا ہوں کہ اب وہ زمانہ آ گیا ہے کہ اسلام اپنا اصلی رنگ نکال لائے گا اور اپنا وہ کمال ظاہر کرے گا جس کی طرف آیت لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ [1] میں اشارہ ہے۔ سنّت اللہ اسی طرح واقع ہے کہ خزائن معارف و دقائق اُسی قدر ظاہر کئے جاتے ہیں جس قدر اُن کی ضرورت پیش آتی ہے۔ سو یہ زمانہ ایک ایسا زمانہ ہے جو اس نے ہزار ہا عقلی مفاسد کو ترقی دے کر اور بے شمار معقولی شبہات کو بمنصۂ ظہور لا کر بالطبع اس بات کا تقاضا کیا ہے کہ ان اوہام و اعتراضات کے رفع و دفع کے لئے فرقانی حقائق و معارف کا خزانہ کھولا جائے۔ ﴿۷۶۸﴾
بے شک یہ بات یقینی طور پر ماننی پڑے گی کہ جس قدر حق کے مقابل پر اب معقول پسندوں کے دلوں میں اوہام باطلہ پیدا ہوئے ہیں اور عقلی اعتراضات کا ایک طوفان برپا ہوا ہے اس کی نظیر کسی زمانہ میں پہلے زمانوں میں سے نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا ابتداء سے اس امر کو بھی کہ ان اعتراضات کا براہین شافیہ و کافیہ سے بحوالہ آیات فرقان مجید بکلی استیصال کر کے تمام ادیان باطلہ پر فوقیت اسلام ظاہر کر دی جائے اِسی زمانہ پر چھوڑا گیا تھا کیونکہ پیش از ظہور مفاسد ان مفاسد کی اصلاح کا تذکرہ محض بے محل تھا۔ اِسی وجہ سے حکیم مطلق نے ان حقائق اور معارف کو اپنی کلام پاک میں مخفی رکھا اور کسی پر ظاہر نہ کیا جب تک کہ اُن کے اظہار کا وقت آ گیا۔ ہاں اس وقت کی اس نے پہلے سے اپنی کتاب عزیز میں خبر دے رکھی تھی جو آیت هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى [2] میں صاف اور کھلے کھلے طور پر مرقوم ہے۔ ﴿۷۶۹﴾
سو اب وہی وقت ہے اور ہر یک شخص روحانی روشنی کا محتاج ہو رہا ہے سو خدائے تعالیٰ نے اس روشنی کو دے کر ایک شخص دنیا میں بھیجا وہ کون ہے؟ یہی ہے جو بول رہا ہے۔ رسالہ فتح اسلام میں یہ امر مفصّل طور پر بیان کیا گیا ہے کہ ایسے عظیم الشان کاموں کے لئے قوم کے ذی مقدرت لوگوں کی امداد ضروری ہوتی ہے اور اس سے زیادہ اور کون سی سخت معصیت ہوگی کہ ساری قوم دیکھ رہی ہے کہ اسلام پر چاروں طرف سے حملے ہو رہے ہیں

[1]، [2] الصّف: ۱۰

اور وہ وبا پھیل رہی ہے جو کسی آنکھ نے پہلے اس سے نہیں دیکھی تھی۔ اس نازک وقت میں ایک شخص خدائے تعالیٰ کی طرف سے اُٹھا اور چاہتا ہے کہ اسلام کا خوبصورت چہرہ تمام دنیا پر ظاہر کرے اور اس کی راہیں مغربی ملکوں کی طرف کھولے لیکن قوم اس کی امداد سے دستکش ہے اور سوءِظن اور دنیا پرستی کی راہ سے بکلّی قطع تعلقات کر کے چپ چاپ بیٹھی ہے۔ افسوس کہ ہماری قوم میں سے بہتوں نے سوءِظن کی راہ سے ہر یک شخص کو ایک ہی مد مکر اور فریب میں داخل کر دیا ہے اور کوئی ایسا شخص جو روحانی سرگرمی اور دیانتداری کا اثر اپنے اندر رکھتا ہو شاید اُن کے نزدیک ممتنع الوجود ہے۔ بہت سے ان میں ایسے ہیں کہ وہ صرف دنیوی زندگی کی فکروں میں لگے ہوئے ہیں اور ان کی نگاہ میں وہ لوگ سخت بے وقوف ہیں جو کبھی آخرت کا بھی نام لیتے ہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ دین سے بھی کچھ دلچسپی رکھتے ہیں۔ مگر صرف بیرونی صورت اور مذہب کی بے اصل باتوں میں اُلجھے ہوئے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ نبیوں کی تعلیم کا اعلیٰ مقصد کیا ہے اور ہمیں کیا کرنا چاہیئے جس سے ہم اپنے مولیٰ کی دائمی رضا مندی میں داخل ہو جائیں۔ ﴿۷۷۰﴾

میرے پیارے دوستو! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھے خدائے تعالیٰ نے سچا جوش آپ لوگوں کی ہمدردی کے لئے بخشا ہے اور ایک سچی معرفت آپ صاحبوں کی زیادت ایمان و عرفان کے لئے مجھے عطا کی گئی ہے اس معرفت کی آپ کو اور آپ کی ذرّیت کو نہایت ضرورت ہے۔ سو میں اس لئے مستعد کھڑا ہوں کہ آپ لوگ اپنے اموال طیّبہ ﴿۷۷۱﴾ سے اپنے دینی مہمات کے لئے مدد دیں اور ہر یک شخص جہاں تک خدائے تعالیٰ نے اس کو وسعت و طاقت و مقدرت دی ہے اس راہ میں دریغ نہ کرے اور اللہ اور رسول سے اپنے اموال کو مقدّم نہ سمجھے اور پھر میں جہاں تک میرے امکان میں ہے تالیفات کے ذریعہ سے اُن علوم اور برکات کو ایشیا اور یورپ کے ملکوں میں پھیلاؤں جو خدا تعالیٰ کی پاک روح نے مجھے دی ہیں۔ مجھ سے پوچھا گیا تھا کہ امریکہ اور یوروپ میں

تعلیم اسلام پھیلانے کے لئے کیا کرنا چاہیئے۔ کیا یہ مناسب ہے کہ بعض انگریزی خوان
مسلمانوں میں سے یورپ اور امریکہ میں جائیں اور وعظ اور منادی کے ذریعہ سے مقاصد
اسلام اُن لوگوں پر ظاہر کریں۔ لیکن میں عموماً اس کا جواب ہاں کے ساتھ کبھی نہیں دونگا۔ میں
ہرگز مناسب نہیں جانتا کہ ایسے لوگ جو اسلامی تعلیم سے پورے طور پر واقف نہیں اور اس کی
اعلیٰ درجہ کی خوبیوں سے بکلی بے خبر اور نیز زمانہ حال کی نکتہ چینیوں کے جوابات پر کامل طور پر
حاوی نہیں ہیں اور نہ روح القدس سے تعلیم پانے والے ہیں وہ ہماری طرف سے وکیل ہوکر
جائیں۔ میرے خیال میں ایسی کارروائی کا ضرر اس کے نفع سے اقرب اور اسرع الوقوع ہے ﴿۷۷۲﴾
اِلَّا ماشاء اللہ۔ بلاشبہ یہ سچ بات ہے کہ یورپ اور امریکہ نے اسلام پر اعتراضات کرنے کا
ایک بڑا ذخیرہ پادریوں سے حاصل کیا ہے اور ان کا فلسفہ اور طبعی بھی ایک الگ ذخیرہ نکتہ چینی کا
رکھتا ہے۔ میں نے دریافت کیا ہے کہ تین ہزار کے قریب حال کے زمانہ نے وہ مخالفانہ باتیں
پیدا کی ہیں جو اسلام کی نسبت بصورت اعتراض سمجھی گئی ہیں حالانکہ اگر مسلمانوں کی لاپرواہی
کوئی بدنتیجہ پیدا نہ کرے تو ان اعتراضات کا پیدا ہونا اسلام کے لئے کچھ خوف کا مقام نہیں۔
بلکہ ضرور تھا کہ وہ پیدا ہوتے تا اسلام اپنے ہر یک پہلو سے چمکتا ہوا نظر آتا لیکن ان
اعتراضات کا کافی جواب دینے کے لئے کسی منتخب آدمی کی ضرورت ہے جو ایک دریا معرفت کا
اپنے صدر منشرح میں موجود رکھتا ہو جس کی معلومات کو خدائے تعالیٰ کے الہامی فیض نے
بہت وسیع اور عمیق کردیا ہو۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا کام ان لوگوں سے کب ہوسکتا ہے جن کی سماعی
طور پر بھی نظر محیط نہیں اور ایسے سفیر اگر یورپ اور امریکہ میں جائیں تو کس کام کو انجام دیں
گے اور مشکلات پیش کردہ کا کیا حل کریں گے۔ اور ممکن ہے کہ اُن کے جاہلانہ جوابات کا اثر معکوس ﴿۷۷۳﴾
ہو جس سے وہ تھوڑا سا ولولہ اور شوق بھی جو حال میں امریکہ اور یوروپ کے بعض منصف دلوں میں

پیدا ہوا ہے جاتا رہے اور ایک بھاری شکست اور ناحق کی سُبکی اور ناکامی کے ساتھ واپس ہوں۔ سومیری صلاح یہ ہے کہ بجائے ان واعظوں کے **عمدہ عمدہ تالیفیں** اِن ملکوں میں بھیجی جائیں۔ اگر قوم بدل و جان میری مدد میں مصروف ہو تو میں چاہتا ہوں کہ ایک تفسیر بھی تیار کر کے اور انگریزی میں ترجمہ کرا کر اُن کے پاس بھیجی جائے۔ میں اس بات کو صاف صاف بیان کرنے سے رہ نہیں سکتا کہ یہ میرا کام ہے دوسرے سے ہرگز ایسا نہیں ہوگا جیسا مجھ سے یا جیسا اس سے جو میری شاخ ہے اور مجھ میں ہی داخل ہے۔ ہاں اس قدر میں پسند کرتا ہوں کہ ان کتابوں کے تقسیم کرنے کے لئے یا اُن لوگوں کے خیالات اور اعتراضات کو ہم تک پہنچانے کی غرض سے چند آدمی ان ملکوں میں بھیجے جائیں جو امامت اور مولویّت کا دعویٰ نہ کریں بلکہ ظاہر کر دیں کہ ہم صرف اس لئے بھیجے گئے ہیں کہ تا کتابوں کو تقسیم کریں اور اپنی معلومات کی حد تک سمجھا دیں اور مشکلات اور مباحث دقیقہ کا حل ان اماموں سے چاہیں جو اس کام کے لئے ملک ہند میں موجود ہیں۔ ﴿۷۷۴﴾

اس میں کچھ شک نہیں کہ اسلام میں اس قدر صداقت کی روشنی چمک رہی ہے اور اس قدر اس کی سچائی پر نورانی دلائل موجود ہیں کہ اگر وہ اہل تحقیق کے زیر توجہ لائی جاویں تو یقیناً وہ ہر یک سلیم العقل کے دل میں گھر کر جاویں۔ لیکن افسوس کہ ابھی وہ دلائل اندرونی طور پر بھی اپنی قوم میں شائع نہیں چہ جائیکہ مخالفوں کے مختلف فرقوں میں شائع ہوں۔ سو انہیں براہین اور دلائل اور حقائق اور معارف کے شائع کرنے کے لئے قوم کی مالی امداد کی حاجت ہے **کیا قوم میں کوئی ہے جو اس بات کو سُنے؟**

جب سے میں نے رسالہ فتح اسلام کو تالیف کیا ہے ہمیشہ میرا اسی طرف خیال لگا رہا کہ میری اس تجویز کے موافق جو میں نے دینی چندہ کے لئے رسالہ مذکورہ میں لکھی ہے دلوں میں حرکت پیدا ہوگی۔ اسی خیال سے میں نے چار سو کے قریب

وہ رسالہ مفت بھی تقسیم کر دیا تا لوگ اس کو پڑھیں اور اپنے پیارے دین کی امداد کے لئے اپنے ﴿۷۷۵﴾
گذشتنی گذاشتنی مالوں میں سے کچھ حق مقرر کریں مگر افسوس کہ بجز چند میرے مخلصوں کے
جن کا ذکر میں عنقریب کروں گا کسی نے اس طرف توجہ نہیں کی۔ میں حیران ہوں کہ کن الفاظ کو
استعمال کروں تا میری قوم پر وہ مؤثر ہوں۔ میں سوچ میں ہوں کہ وہ کون سی تقریر ہے جس
سے وہ میرے غم سے بھرے ہوئے دل کی کیفیت سمجھ سکیں۔ اے قادر خدا اُن کے دلوں
میں آپ الہام کر اور غفلت اور بدظنّی کی رنگ آمیزی سے ان کو باہر نکال اور حق کی روشنی دکھلا۔
پیارو یقیناً سمجھو کہ خدا ہے اور وہ اپنے دین کو فراموش نہیں کرتا بلکہ تاریکی کے زمانہ میں اس
کی مدد فرماتا ہے مصلحت عام کے لئے ایک کو خاص کر لیتا ہے اور اُس پر علوم لدنیہ کے انوار
نازل کرتا ہے۔ سو اُسی نے مجھے جگایا اور سچائی کے لئے میرا دل کھول دیا۔ میری روزانہ زندگی
کا آرام اسی میں ہے کہ میں اسی کام میں لگا رہوں۔ بلکہ میں اس کے بغیر جی ہی نہیں سکتا کہ
میں اس کا اور اس کے رسول کا اور اس کی کلام کا جلال ظاہر کروں۔ مجھے کسی کی تکفیر کا اندیشہ نہیں ﴿۷۷۶﴾
اور نہ کچھ پروا۔ میرے لئے یہ بس ہے کہ وہ راضی ہو جس نے مجھے بھیجا ہے۔ ہاں مَیں اس
میں لذّت دیکھتا ہوں کہ جو کچھ اُس نے مجھ پر ظاہر کیا وہ میں سب لوگوں پر ظاہر کروں اور یہ
میرا فرض بھی ہے کہ جو کچھ مجھے دیا گیا وہ دوسروں کو بھی دُوں۔ اور دعوت مولیٰ میں ان سب کو
شریک کر لوں جو ازل سے بلائے گئے ہیں۔ میں اس مطلب کے پورا کرنے کے لئے قریباً
سب کچھ کرنے کے لئے مستعد ہوں اور جانفشانی کے لئے راہ پر کھڑا ہوں۔ لیکن جو امر
میرے اختیار میں نہیں میں خداوند قدیر سے چاہتا ہوں کہ وہ آپ اس کو انجام دیوے۔ میں
مشاہدہ کر رہا ہوں کہ ایک دست غیبی مجھے مدد دے رہا ہے۔ اور اگرچہ میں تمام فانی انسانوں
کی طرح ناتواں اور ضعیف البنیان ہوں تاہم میں دیکھتا ہوں کہ مجھے غیب سے قوت ملتی ہے

اور نفسانی قلق کو دبانے والا ایک صبر بھی عطا ہوتا ہے اور میں جو کہتا ہوں کہ اِن الٰہی کاموں میں
قوم کے ہمدرد مدد کریں وہ بے صبری سے نہیں بلکہ صرف ظاہر کے لحاظ اور اسباب کی رعایت
سے کہتا ہوں۔ ورنہ خدا تعالیٰ کے فضل پر میرا دل مطمئن ہے اور امید رکھتا ہوں کہ وہ میری ﴿۷۷۷﴾
دعاؤں کو ضائع نہیں کرے گا اور میرے تمام ارادے اور امیدیں پوری کردے گا۔ اب میں
اُن مخلصوں کا نام لکھتا ہوں جنھوں نے حتی الوسع میرے دینی کاموں میں مدد دی یا جن پر مدد کی
امید ہے یا جن کو اسباب میسر آنے پر طیار دیکھتا ہوں۔

(۱) حبّی فی اللہ مولوی حکیم نوردین صاحب بھیروی۔ مولوی صاحب ممدوح کا حال
کسی قدر رسالہ فتح اسلام میں لکھ آیا ہوں۔ لیکن ان کی تازہ ہمدردیوں نے پھر مجھے اس وقت
ذکر کرنے کا موقعہ دیا۔ اُن کے مال سے جس قدر مجھے مدد پہنچی ہے میں کوئی ایسی نظیر
نہیں دیکھتا جو اس کے مقابل پر بیان کرسکوں۔ میں نے انکو طبعی طور پر اور نہایت انشراح
صدر سے دینی خدمتوں میں جان نثار پایا۔ اگرچہ ان کی روزمرہ زندگی اسی راہ میں وقف ہے
کہ وہ ہریک پہلو سے اسلام اور مسلمانوں کے سچے خادم ہیں مگر اس سلسلہ کے ناصرین میں
سے وہ اوّل درجہ کے نکلے۔ مولوی صاحب موصوف اگرچہ اپنی فیاضی کی وجہ سے اس مصرعہ
کے مصداق ہیں کہ قرار در کفِ آزادگاں نگیرد مال لیکن پھر بھی انہوں نے بارہ سو روپیہ نقد ﴿۷۷۸﴾
متفرق حاجتوں کے وقت اس سلسلہ کی تائید میں دیا۔ اور اب بیس۲۰ روپے **ماہواری** دینا اپنے
نفس پر واجب کر دیا اور اس کے سوا اور بھی ان کی مالی خدمات ہیں جو طرح طرح کے رنگوں
میں ان کا سلسلہ جاری ہے میں یقیناً دیکھتا ہوں کہ جب تک وہ نسبت پیدا نہ ہو جو محبّ کو اپنے
محبوب سے ہوتی ہے تب تک ایسا انشراح صدر کسی میں پیدا نہیں ہوسکتا۔ اُن کو خدائے تعالیٰ نے
اپنے قوی ہاتھ سے اپنی طرف کھینچ لیا ہے اور طاقتِ بالا نے خارق عادت اثر اُن پر کیا ہے۔

انہوں نے ایسے وقت میں بلا تردّد مجھے قبول کیا کہ جب ہر طرف سے تکفیر کی صدائیں بلند ہونے کو تھیں اور بہتیروں نے باوجود بیعت کے عہد بیعت فسخ کر دیا تھا اور بہتیرے سُست اور متذبذب ہو گئے تھے۔ تب سب سے پہلے مولوی صاحب ممدوح کا ہی خط اس عاجز کے اس دعویٰ کی تصدیق میں کہ میں ہی مسیح موعود ہوں قادیان میں میرے پاس پہنچا جس میں یہ فقرات درج تھے۔ **اٰمنّا و صدقنا فا کتبنا مع الشّاھدین** مولوی صاحب موصوف کے اعتقاد اور اعلیٰ درجہ کی قوتِ ایمانی کا ایک یہ بھی نمونہ ہے کہ ریاست جموں کے ایک جلسہ میں مولوی صاحب ﴿۷۷۹﴾ کا ایک ڈاکٹر صاحب سے جن کا نام جگن ناتھ ہے اس عاجز کی نسبت کچھ تذکرہ ہو کر مولوی صاحب نے بڑی قوت اور استقامت سے یہ دعویٰ پیش کیا کہ خدائے تعالیٰ اُن کے یعنی اس عاجز کے ہاتھ پر کوئی آسمانی نشان دکھلانے پر قادر ہے۔ پھر ڈاکٹر صاحب کے انکار پر مولوی صاحب نے ریاست کے بڑے بڑے ارکان کی مجلس میں یہ شرط قبول کی کہ اگر وہ یعنی یہ عاجز کسی مدّت مسلّمہ فریقین پر کوئی آسمانی نشان دکھلا نہ سکے تو مولوی صاحب ڈاکٹر صاحب کو پنج ہزار روپیہ بطور جرمانہ دیں گے اور ڈاکٹر صاحب کی طرف سے یہ شرط ہوئی کہ اگر انہوں نے کوئی نشان دیکھ لیا تو بلاتوقف مسلمان ہو جائیں گے اور اِن تحریری اقراروں پر مندرجہ ذیل گواہیاں ثبت ہوئیں۔

خان بہادر جنرل ممبر کونسل ریاست جموں غلام محی الدین خاں

سراج الدین سپرنٹنڈنٹ وافسر ڈاکخانجات ریاست جموں

سرکار سنگھ سیکرٹری راجہ امر سنگھ صاحب بہادر پریذیڈنٹ کونسل

﴿۷۸۰﴾ مگر افسوس کہ ڈاکٹر صاحب نا قابل قبول اعجازی صورتوں کو پیش کر کے ایک حکمت عملی سے گریز کر گئے۔ چنانچہ انہوں نے ایک آسمانی نشان یہ مانگا کہ کوئی مرا ہوا

پرندہ زندہ کر دیا جائے حالانکہ وہ خوب جانتے ہوں گے کہ ہمارے اصولوں سے یہ مخالف ہے۔ ہمارا یہی اصول ہے کہ مُردوں کو زندہ کرنا خدائے تعالیٰ کی عادت نہیں اور وہ آپ فرماتا ہے حَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَۃٍ اَھْلَکْنٰھَآ اَنَّھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ[1]۔ یعنی ہم نے یہ واجب کر دیا ہے کہ جو مر گئے پھر وہ دنیا میں نہیں آئیں گے۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کو یہ کہا تھا کہ آسمانی نشان کی اپنی طرف سے کوئی تعیین ضروری نہیں بلکہ جو امر انسانی طاقتوں سے بالاتر ثابت ہو خواہ وہ کوئی امر ہو اسی کو آسمانی نشان سمجھ لینا چاہیئے اور اگر اس میں شک ہو تو بالمقابل ایسا ہی کوئی دوسرا امر دکھلا کر یہ ثبوت دینا چاہیئے کہ وہ امر الٰہی قدرتوں سے مخصوص نہیں لیکن ڈاکٹر صاحب اس سے کنارہ کر گئے اور مولوی صاحب نے وہ صدق قدم دکھلایا جو مولوی صاحب کی عظمتِ ایمان پر ایک محکم دلیل ہے۔ دل میں از بس آرزو ہے کہ اَور لوگ بھی مولوی صاحب کے نمونہ پر چلیں۔ مولوی صاحب پہلے راستبازوں کا ایک نمونہ ہیں۔ **جزاھم اللّٰہ خیرا الجزاء و احسن الیھم فی الدنیا و العقبٰی۔** ﴿۷۸۱﴾

(۲) **حبّی فی اللہ حکیم فضل دین صاحب بھیروی۔** حکیم صاحب اخویم مولوی حکیم نوردین صاحب کے دوستوں میں سے اور ان کے رنگ اخلاق سے رنگین اور بہت با اخلاص آدمی ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ اُن کو اللہ اور رسول سے سچی محبت ہے اور اسی وجہ سے وہ اس عاجز کو خادم دین دیکھ کر حبّ لِلّٰہ کی شرط کو بجا لا رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہیں دین اسلام کی حقانیت کے پھیلانے میں اُسی عشق کا وافر حصہ ملا ہے جو تقسیم ازلی سے میرے پیارے بھائی مولوی حکیم نور دین صاحب کو دیا گیا ہے۔ وہ اِس سلسلہ کے دینی اخراجات کو بنظر غور دیکھ کر ہمیشہ اس فکر میں رہتے ہیں کہ چندہ کی صورت پر کوئی اُن کا احسن انتظام ہو جائے۔ چنانچہ رسالہ فتح اسلام میں جس میں مصارف دینیہ کی پنج شاخوں کا بیان ہے اُنہیں کی تحریک اور مشورہ سے لکھا گیا تھا۔ انکی

[1] الانبیاء: ۹۶

فراست نہایت صحیح ہے اور وہ بات کی تہ تک پہنچتے ہیں اور اُن کا خیال ظنونِ فاسدہ سے مصفّٰی
اور مزکّی ہے۔ رسالہ ازالہ اوہام کے طبع کے ایام میں دوسو روپیہ اُن کی طرف سے پہنچا اور اُن ﴿۷۸۲﴾
کے گھر کے آدمی بھی اُن کے اس اخلاص سے متأثر ہیں اور وہ بھی اپنے کئی زیورات اس راہ
میں محض للہ خرچ کر چکے ہیں۔ حکیم صاحب موصوف نے باوجود اِن سب خدمات کے جو اُن
کی طرف سے ہوتی رہتی ہیں خاص طور پر پنج روپے ماہواری اس سلسلہ کی تائید میں دینا مقرر
کیا ہے۔ **جزاھم اللّٰہ خیرا الجزاء واحسن الیھم فی الدنیا والعقبٰی.**

(۳) **حبّی فی اللہ مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی**۔ مولوی صاحب اس عاجز کے
یکرنگ دوست ہیں اور مجھ سے ایک سچی اور زندہ محبت رکھتے ہیں اور اپنے اوقات عزیز کا اکثر
حصہ انہوں نے تائید دین کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ اُن کے بیان میں ایک اثر ڈالنے والا جوش
ہے۔ اخلاص کی برکت اور نورانیت اُن کے چہرہ سے ظاہر ہے۔ میری تعلیم کی اکثر باتوں
سے وہ متفق الرائے ہیں مگر میرے خیال میں ہے کہ شاید بعض سے نہیں۔ لیکن اخویم مولوی
حکیم نوردین صاحب کے انوار صحبت نے بہت سا نورانی اثر اُن کے دل پر ڈالا ہے اور ﴿۷۸۳﴾
نیچریت کی اکثر خشک باتوں سے وہ بیزار ہوتے جاتے ہیں۔ اور درحقیقت میں بھی اِس بات
کو پسند نہیں کرتا کہ الٰہی کتاب کے واقعی اور سچے منشاء کے مخالف نیچر کے ایسے تابع ہو جائیں
کہ گویا کامل ہادی ہمارا وہی ہے۔ میں ایسے حصّہ نیچریت کو قبول کرتا ہوں جس کو میں دیکھتا
ہوں کہ میرے مولیٰ اور ہادی نے اپنی کتاب قرآن کریم میں اس کو قبول کر لیا ہے اور سُنّت اللہ
کے نام سے اس کو یاد کیا ہے۔ مَیں اپنے خداوند کو کامل طور پر قادر مطلق سمجھتا ہوں اور اسی بات پر
ایمان لا چکا ہوں کہ وہ جو چاہتا ہے کر دکھاتا ہے اور اسی ایمان کی برکت سے میری معرفت زیادت
میں ہے اور محبت ترقی میں۔ مجھے بچوں کا ایمان پسند آتا ہے اور فلسفیوں کے بودے ایمان سے
میں متنفر ہوں مجھے یقین ہے کہ مولوی صاحب اپنی محبت کے پاک جذبات کی وجہ سے

اور بھی ہمرنگی میں ترقی کریں گے اور اپنے بعض معلومات میں نظر ثانی فرمائیں گے۔

(۴) **حبّی فی اللہ مولوی غلام قادر صاحب فصیح** جوان صالح خوش شکل اور اس عاجز کی بیعت میں داخل ہیں۔ باہمت اور ہمدرد اسلام ہیں۔ قول فصیح جو مولوی عبدالکریم صاحب کی تالیف ہے اسی مرد باہمت نے اپنے مصارف سے چھاپی اور مفت تقسیم کی۔ قوت بیانی نئی طرز کے موافق بہت عمدہ رکھتے ہیں۔ اب ایک ماہواری رسالہ ان کی طرف سے نکلنے والا ہے جس کا نام **الحق** ہوگا۔ یہ رسالہ محض اس غرض سے جاری کیا جائے گا کہ تا اس میں وقتاً فوقتاً ان مخالفوں کا جواب دیا جائے جو دین اسلام پر حملہ کرتے ہیں خدائے تعالیٰ اس کام میں اُن کی مدد کرے۔ ﴿۷۸۴﴾

(۵) **سیّد حامد شاہ صاحب سیالکوٹی۔** یہ سید صاحب محبّ صادق اور اس عاجز کے ایک نہایت مخلص دوست کے بیٹے ہیں جس قدر خدائے تعالیٰ نے شعر اور سخن میں اُن کو قوت بیان دی ہے وہ رسالہ قول فصیح کے دیکھنے سے ظاہر ہوگی۔ میر حامد شاہ کے بشرہ سے علامات صدق واخلاص ومحبت ظاہر ہیں اور میں امید رکھتا ہوں کہ وہ اسلام کی تائید میں اپنی نظم ونثر سے عمدہ عمدہ خدمتیں بجالائیں گے۔ اُن کا جوش سے بھرا ہوا اخلاص اور ان کی محبت صافی جس حد تک مجھے معلوم ہوتی ہے۔ مَیں اس کا اندازہ نہیں کرسکتا۔ مجھے نہایت خوشی ہے کہ وہ میرے پُرانے دوست میر حسام الدین صاحب رئیس سیالکوٹ کے خلف رشید ہیں۔ ﴿۷۸۵﴾

(۶) **حبّی فی اللہ مولوی سیّد محمد احسن صاحب امروہی** مہتمم مصارف ریاست بھوپال۔ مولوی صاحب موصوف اس عاجز سے کمال درجہ کا اخلاص ومحبت اور تعلق روحانی رکھتے ہیں۔ اُن کی تالیفات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک اعلیٰ لیاقت کے آدمی اور علوم عربیہ میں فاضل ہیں بالخصوص علم حدیث میں ان کی نظر بہت محیط اور عمیق معلوم ہوتی ہے۔ حال میں انہوں نے ایک رسالہ **اعلام الناس**

اس عاجز کے تائید دعویٰ میں بکمال متانت وخوش اسلوبی لکھا ہے جس کے پڑھنے سے ناظرین سمجھ لیں گے کہ مولوی صاحب موصوف علوم دینیہ میں کس قدر محقق اور وسیع النظر اور مدقّق آدمی ہیں انہوں نے نہایت تحقیق اور خوش بیانی سے اپنے رسالہ میں کئی قسم کے معارف بھر دئے ہیں۔ ناظرین اس کو ضرور دیکھو۔

(۷) حبّی فی اللہ مولوی عبدالغنی صاحب معروف مولوی غلام نبی خوشابی دقیق فہم اور حقیقت شناس ہیں اور علوم عربیہ تازہ بتازہ ان کے سینہ میں موجود ہیں اوائل میں مولوی صاحب موصوف سخت مخالف الرائے تھے۔ جب ان کو اس بات کی خبر پہنچی کہ یہ عاجز مسیح موعود ﴿۷۸۶﴾ ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے اور مسیح ابن مریم کی نسبت وفات کا قائل ہے تب مولوی صاحب میں پورانے خیالات کے جذبہ سے ایک جوش پیدا ہوا اور ایک عام اشتہار دیا کہ جمعہ کی نماز کے بعد اس شخص کے ردّ میں ہم وعظ کریں گے۔ شہر لودھانہ کے صدہا آدمی وعظ کے وقت موجود ہو گئے۔ تب مولوی صاحب اپنے علمی زور سے بخاری اور مسلم کی حدیثیں بارش کی طرح لوگوں پر برسانے لگے اور صحاح ستّہ کا نقشہ پُرانی لکیر کے موافق آگے رکھ دیا۔ اُن کے وعظ سے سخت جوش مخالفت کا تمام شہر میں پھیل گیا۔ کیونکہ ان کی علمیّت اور فضیلت دلوں میں مسلّم تھی لیکن آخر سعادت ازلی کشاں کشاں اُن کو اس عاجز کے پاس لے آئی اور مخالفانہ خیالات سے توبہ کر کے سلسلہ بیعت میں داخل ہوئے۔ اب اُن کے پُرانے دوست اُن سے سخت ناراض ہیں۔ مگر وہ نہایت استقامت سے اس شعر کے مضمون کا وِرد کر رہے ہیں۔

حضرت ناصح جو آویں دیدہ و دل فرش راہ پر کوئی مجھ کو تو سمجھاوے کہ سمجھاویں گے کیا

(۸) حبّی فی اللہ نواب محمد علی خان صاحب رئیس خاندان ریاست مالیر کوٹلہ۔ ﴿۷۸۷﴾
یہ نواب صاحب ایک معزز خاندان کے نامی رئیس ہیں۔ مورث اعلیٰ نواب صاحب موصوف کے شیخ صدر جہاں ایک باخدا بزرگ تھے جو اصل باشندہ جلال آباد سروانی قوم کے

پٹھان تھے ۱۴۶۹ء میں عہد سلطنت بہلول لودھی میں اپنے وطن سے اس ملک میں آئے شاہِ وقت کا اُن پر اس قدر اعتقاد ہو گیا کہ اپنی بیٹی کا نکاح شیخ موصوف سے کر دیا۔ اور چند گاؤں جاگیر میں دے دیئے۔ چنانچہ ایک گاؤں کی جگہ میں یہ قصبہ شیخ صاحب نے آباد کیا جس کا نام مالیر ہے۔ شیخ صاحب کے پوتے بایزید خاں نامی نے مالیر کے متصل قصبہ کوٹلہ کو تقریباً ۱۵۷۳ء میں آباد کیا۔ جس کے نام سے اب یہ ریاست مشہور ہے۔ بایزید خان کے پانچ بیٹوں میں سے ایک کا نام فیروز خان تھا اور فیروز خان کے بیٹے کا نام شیر محمد خان اور شیر محمد خان کے بیٹے کا نام جمال خان تھا جمال خان کے پانچ بیٹے تھے۔ مگر ان میں سے صرف دو بیٹے تھے جن کی نسل باقی رہی یعنی بہادر خان اور عطاء اللہ خان۔ بہادر خان کی نسل میں سے یہ جوان ﴿۷۸۸﴾ صالح خلف رشید نواب **غلام محمد خان** صاحب مرحوم ہے جس کا عنوان میں ہم نے نام لکھا ہے خدا تعالیٰ اس کو ایمانی امور میں بہادر کرے اور اپنے جد شیخ بزرگوار صدر جہان کے رنگ میں لاوے۔ سردار محمد علی خان صاحب نے گورنمنٹ برطانیہ کی توجہ اور مہربانی سے ایک شائستگی بخش تعلیم پائی جس کا اثر اُن کے دماغی اور دلی قویٰ پر نمایاں ہے۔ اُن کی خداداد فطرت بہت سلیم اور معتدل ہے اور باوجود عین شباب کے کسی قسم کی حدّت اور تیزی اور جذبات نفسانی اُن کے نزدیک آئی معلوم نہیں ہوتی۔ مَیں قادیان میں جب کہ وہ ملنے کے لئے آئے تھے اور کئی دن رہے پوشیدہ نظر سے دیکھتا رہا ہوں کہ التزام ادائے نماز میں اُن کو خوب اہتمام ہے اور صلحاء کی طرح توجہ اور شوق سے نماز پڑھتے ہیں اور منکرات اور مکروہات سے بکلّی مجتنب ہیں۔ مجھے ایسے شخص کی خوش قسمتی پر رشک ہے جس کا ایسا صالح بیٹا ہو کہ باوجود بہم پہنچنے تمام اسباب اور وسائل غفلت اور عیاشی کے اپنے عنفوان جوانی میں ایسا پرہیزگار ہو۔ معلوم ہوتا کہ انہوں نے بتوفیقہٖ تعالیٰ خود اپنی اصلاح پر آپ ﴿۷۸۹﴾ زور دے کر رئیسوں کے بے جا طریقوں اور چلنوں سے نفرت پیدا کر لی ہے اور نہ صرف

اسی قدر بلکہ جو کچھ ناجائز خیالات اور اوہام اور بے اصل بدعات شیعہ مذہب میں ملائی گئی ہیں اور جس قدر تہذیب اور صلاحیت اور پاک باطنی کے مخالف ان کا عملدرآمد ہے ان سب باتوں سے بھی اپنے نورقلب سے فیصلہ کر کے انہوں نے علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ وہ اپنے ایک خط میں مجھ کو لکھتے ہیں کہ ابتدا میں گو میں آپ کی نسبت نیک ظن ہی تھا لیکن صرف اس قدر کہ آپ اَور علماء اور مشائخ ظاہری کی طرح مسلمانوں کے تفرقہ کے مؤید نہیں ہیں بلکہ مخالفان اسلام کے مقابل پر کھڑے ہیں۔ مگر الہامات کے بارہ میں مجھ کو نہ اقرار تھا اور نہ انکار۔ پھر جب میں معاصی سے بہت تنگ آیا اور اُن پر غالب نہ ہو سکا تو میں نے سوچا کہ آپ نے بڑے بڑے دعوے کئے ہیں یہ سب جھوٹے نہیں ہو سکتے۔ تب میں نے بطور آزمائش آپ کی طرف خط و کتابت شروع کی جس سے مجھ کو تسکین ہوتی رہی اور جب قریباً اگست میں آپ سے لودھیانہ ملنے گیا تو اُس وقت میری تسکین خوب ہوگئی اور آپ کو ایک باخدا بزرگ پایا اور بقیہ شکوک کا پھر بعد کی خط و کتابت میں میرے دل سے بکلّی دھویا گیا۔ اور جب مجھے یہ اطمینان دی گئی کہ ایک ایسا شیعہ جو خلفائے ثلاثہ کی کسرِ شان نہ کرے سلسلہ بیعت میں داخل ہو سکتا ہے تب میں نے آپ سے بیعت کر لی۔ اب میں اپنے آپ کو نسبتاً بہت اچھا پاتا ہوں۔ اور آپ گواہ رہیں کہ میں نے تمام گناہوں سے آئندہ کے لئے توبہ کی ہے۔ مجھ کو آپ کے اخلاق اور طرز معاشرت سے کافی اطمینان ہے کہ آپ ایک سچے مجدّد اور دنیا کے لئے رحمت ہیں۔ ﴿۷۹۰﴾

(۹) **حبّی فی اللہ میر عباس علی لودہانوی**۔ یہ میرے وہ اوّل دوست ہیں جن کے دل میں خدائے تعالیٰ نے سب سے پہلے میری محبت ڈالی اور جو سب سے پہلے تکلیف سفر اُٹھا کر ابرار اخیار کی سُنت پر بقدم تجرید محض للہ قادیان میں میرے ملنے کے لئے آئے وہ یہی بزرگ ہیں۔ میں اِس بات کو کبھی نہیں بھول سکتا کہ بڑے

سچے جوشوں کے ساتھ انہوں نے وفاداری دکھلائی اور میرے لئے ہر یک قسم کی تکلیفیں اُٹھائیں اور قوم کے مُنہ سے ہر یک قسم کی باتیں سُنیں ۔ میر صاحب نہایت عمدہ حالات کے آدمی اور اس عاجز سے روحانی تعلق رکھنے والے ہیں اور اُن کے مرتبہ اخلاص کے ثابت کرنے کے لئے یہ کافی ہے کہ ایک مرتبہ اس عاجز کو اُن کے حق میں الہام ہوا تھا اصلہ ثابت وفرعه فی السّمآء ۔ وہ اس مسافر خانہ میں محض متوکّلانہ زندگی بسر کرتے ہیں ۔ اپنے اوائل ایام میں وہ بیس برس تک انگریزی دفتر میں سرکاری ملازم رہے مگر بباعث غربت ودرویشی کے اُن کے چہرہ پر نظر ڈالنے سے ہرگز خیال نہیں آتا کہ وہ انگریزی خواں بھی ہیں ۔ لیکن دراصل وہ بڑے لائق اور مستقیم الاحوال اور دقیق الفہم ہیں مگر بااین ہمہ سادہ بہت ہیں ۔ اسی وجہ سے بعض موسوسین کے وساوس اُن کے دل کو غم میں ڈال دیتے ہیں لیکن ان کی قوت ایمانی جلد ان کو دفع کر دیتی ہے ۔ ﴿۷۹۱﴾

(۱۰) حبّی فی اللہ منشی احمد جان صاحب مرحوم ۔ اس وقت ایک نہایت غم سے بھرے ہوئے دل کے ساتھ یہ پُر درد قصہ مجھے لکھنا پڑا ۔ کہ اب یہ ہمارا پیارا دوست اس عالم میں موجود نہیں ہے اور خداوند کریم ورحیم نے بہشت بریں کی طرف بلا لیا ۔ اِنّا لِلّٰہِ وَ اِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن و انا بفراقه لمحزونون ۔ حاجی صاحب مغفور ومرحوم ایک جماعت کثیر کے پیشوا تھے اور اُن کے مُریدوں میں آثار رُشد وسعادت واتباع سُنّت نمایاں ہیں ۔ اگرچہ حضرت موصوف اس عاجز کے شروع سلسلہ بیعت سے پہلے ہی وفات پاچکے لیکن یہ امر اُن کے خوارق میں سے دیکھتا ہوں کہ انہوں نے بیت اللہ کے قصد سے چند روز پہلے اِس عاجز کو ایک خط ایسے انکسار سے لکھا جس میں انہوں نے درحقیقت اپنے تئیں اپنے دل میں سلسلہ بیعت میں داخل کر لیا ۔ چنانچہ انہوں نے اس میں سیرت صالحین پر اپنا توبہ کا اظہار کیا اور اپنی مغفرت کے لئے دعا چاہی اور لکھا کہ میں آپ کی للّٰہی ربط کے زیر سایہ اپنے تئیں سمجھتا ہوں اور پھر لکھا کہ میری زندگی کا ﴿۷۹۲﴾

نہایت عمدہ حصہ یہی ہے کہ میں آپ کی جماعت میں داخل ہوگیا ہوں۔ اور پھر کسر نفسی کے طور پر اپنے گذشتہ ایام کا شکوہ لکھا اور بہت سے رقّت آمیز ایسے کلمات لکھے جن سے رونا آتا تھا۔ اس دوست کا وہ آخری خط جو ایک دردناک بیان سے بھرا ہے اب تک موجود ہے مگر افسوس کہ حج بیت اللہ سے واپس آتے وقت پھر اس مخدوم پر بیماری کا ایسا غلبہ طاری ہوا کہ اس دور افتادہ کو ملاقات کا اتفاق نہ ہوا بلکہ چند روز کے بعد ہی وفات کی خبر سنی گئی اور خبر سنتے ہی ایک جماعت کے ساتھ قادیان میں نماز جنازہ پڑھی گئی۔ حاجی صاحب مرحوم اظہار حق میں بہادر آدمی تھے۔ بعض نافہم لوگوں نے حاجی صاحب موصوف کو اس عاجز کے ساتھ تعلق ﴾۷۹۳﴿ ارادت رکھنے سے منع کیا کہ اس میں آپ کی کسر شان ہے لیکن انہوں نے فرمایا کہ مجھے کسی شان کی پروانہیں اور نہ مریدوں کی حاجت۔ آپ کا صاحبزادہ کلاں حاجی افتخار احمد صاحب آپ کے قدم پر اس عاجز سے کمال درجہ کا اخلاص رکھتے ہیں اور آثار رُشد وصلاح وتقویٰ اُن کے چہرہ پر ظاہر ہیں۔ وہ باوجود متوکّلانہ گذارہ کے اول درجہ کی خدمت کرتے ہیں اور دل وجان کے ساتھ اس راہ میں حاضر ہیں خدائے تعالیٰ ان کو ظاہری اور باطنی برکتوں سے متمتع کرے۔

(۱۱) **حبّی فی اللہ قاضی خواجہ علی صاحب**۔ قاضی صاحب موصوف اس عاجز کے ایک منتخب دوستوں میں سے ہیں۔ محبت وخلوص ووفا وصدق وصفا کے آثار اُن کے چہرہ پر نمایاں ہیں۔ خدمت گذاری میں ہر وقت کھڑے ہیں۔ وہ اُن اوّلین سابقین میں سے ہیں جن میں سے اخویم میر عباس علی صاحب ہیں۔ وہ ہمیشہ خدمت میں لگے رہتے ہیں اور ایام سکونت لودھیانہ میں جو چھ چھ ماہ تک بھی اتفاق ہوتا ہے ایک بڑا حصہ ﴾۷۹۴﴿ مہمانداری کا خوشی کے ساتھ وہ اپنے ذمّے لے لیتے ہیں اور جہاں تک اُن کے قبضۂ قدرت میں ہے وہ ہمدردی اور خدمت اور ہر یک قسم کی غمخواری میں کسی بات سے فرق

نہیں کرتے۔ اور اگرچہ وہ پہلے ہی سے مخلص باصفا ہیں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ اب وہ زیادہ تر قریب کھینچے گئے ہیں اور میں خیال کرتا ہوں کہ حقانیت کی روشنی ایک بے غرضانہ خلوص اور للّٰہی محبت میں دمبدم اُن کو ترقی دے رہی ہے اور مجھے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان ترقیات کی وجہ سے اپنے حُسن ظن کے حالات میں زیادہ سے زیادہ پاکیزگی حاصل کرتے جاتے ہیں اور روحانی کمزوری پر غالب ہوتے جاتے ہیں۔ میرا دل ان کی نسبت یہ بھی شہادت دیتا ہے کہ وہ دنیوی طور سے ایک صحیح اور باریک فراست رکھتے ہیں اور خدائے تعالیٰ کے فضل نے اس عاجز کی روحانی شناسائی کا بھی ایک قابل قدر حصہ انہیں بخشا ہے اور آداب ارادت میں وہ صفائی حاصل کرتے جاتے ہیں اور قلّت اعتراض اور حُسن ظن کی طرف ان کا قدم بڑھتا جاتا ہے اور میری دانست میں وہ ان مراحل کو طے کر چکے ہیں جن میں کسی خطرناک لغزش کا اندیشہ ہے۔ ﴿۷۹۵﴾

(۱۲) حبّی فی اللہ مرزا محمد یوسف بیگ صاحب سامانوی۔ مرزا صاحب مرزا عظیم بیگ صاحب مرحوم کے حقیقی بھائی ہیں جن کا حال رسالہ فتح اسلام میں لکھا گیا ہے اور وہ تمام الفاظ اور اخلاص کے جو میں نے اخویم مرزا عظیم بیگ صاحب مغفور و مرحوم کے بارے میں فتح اسلام میں لکھے ہیں اُن سب کا مصداق میرزا محمد یوسف بیگ صاحب بھی ہیں۔ ان دونوں بزرگوار بھائیوں کی نسبت میں ہمیشہ حیران رہا کہ اخلاق اور محبت کے میدانوں میں زیادہ کس کو قرار دُوں۔ میرزا صاحب موصوف ایک اعلیٰ درجہ کی محبت اور اعلیٰ درجہ کا اخلاص اور اعلیٰ درجہ کا حُسن ظن اس عاجز سے رکھتے ہیں اور میرے پاس وہ الفاظ نہیں جن کے ذریعہ سے میں اُن کے خلوص کے مراتب بیان کر سکوں یہ کافی ہے کہ اشارہ کے طور پر میں اسی قدر کہوں کہ **ھو رجل یحبّنا و نحبہ و نسئل اللہ خیرہ فی الدنیا والاٰخرۃ** ۔ مرزا صاحب نے اپنی زبان اپنا مال اپنی عزت اس للّٰہی محبت میں وقف کر رکھی ہے اور اُن کا مریدانہ و محبّانہ اعتقاد اس حد تک

بڑھا ہوا ہے کہ اب ترقی کے لئے کوئی مرتبہ باقی نہیں معلوم ہوتا۔ **و ذالک فضل اللّٰہ یؤتیه من یشآء۔**

(۱۳) **حبّی فی اللہ میاں عبداللہ سنوری۔** یہ جوان صالح اپنی فطرتی مناسبت کی وجہ سے میری طرف کھینچا گیا ہے۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ وہ اُن وفادار دوستوں میں سے ہے جن پر کوئی ابتلا جنبش نہیں لاسکتا۔ وہ متفرق وقتوں میں دو دو تین تین ماہ تک بلکہ زیادہ بھی میری صحبت میں رہا اور میں ہمیشہ بنظر امعان اس کی اندرونی حالت پر نظر ڈالتا رہا ہوں سو میری فراست نے اس کی تہ تک پہنچنے سے جو کچھ معلوم کیا وہ یہ ہے کہ یہ نوجوان درحقیقت اللہ اور رسول کی محبت میں ایک خاص جوش رکھتا ہے۔ اور میرے ساتھ اس کے اس قدر تعلق محبت کے بجز اِس بات کے اور کوئی بھی وجہ نہیں جو اس کے دل میں یقین ہوگیا ہے کہ یہ شخص محبانِ خدا و رسول میں سے ہے۔ اور اس جوان نے بعض خوارق اور آسمانی نشان جو اس عاجز کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ملے بچشم خود دیکھے ہیں جن کی وجہ سے اس کے ایمان کو بہت فائدہ پہنچا۔ الغرض میاں عبداللہ
نہایت عمدہ آدمی اور میرے منتخب محبّوں میں سے ہے اور باوجود تھوڑے سے گزارہ ملازمت ﴿۷۹۷﴾
پٹوار کے ہمیشہ حسب مقدرت اپنی خدمت مالی میں بھی حاضر ہے اور اب بھی بارہ روپیہ سالانہ چندہ کے طور پر مقرر کردیا ہے۔ بہت بڑا موجب میاں عبداللہ کے زیادت خلوص و محبت و اعتقاد کا یہ ہے کہ وہ اپنا خرچ بھی کر کے ایک عرصہ تک میری صحبت میں آکر رہتا رہا اور کچھ آیات ربّانی دیکھتا رہا۔ سو اس تقریب سے روحانی امور میں ترقی پا گیا۔ کیا اچھا ہو کہ میرے دوسرے مخلص بھی اس عادت کی پیروی کریں۔

(۱۴) **حبّی فی اللہ مولوی حکیم غلام احمد صاحب انجینیئر ریاست جموں۔** مولوی صاحب موصوف نہایت سادہ وضع، یک رنگ، صاف باطن دوست ہیں اور عطر محبت اور اخلاص سے اُن
﴿۷۹۶﴾ کا دل معطّر ہے۔ دینی امدادات میں پورے پورے صدق سے حاضر ہیں۔ مولوی صاحب

اکثر علوم وفنون میں کامل لیاقت رکھتے ہیں اور اُن کے چہرے پر استقامت وشجاعت کے انوار پائے جاتے ہیں اس سلسلہ کے چندہ میں دو ؍ روپیہ ماہواری انہوں نے اپنی مرضی سے مقرر کیا ہے۔ جزاھم اللہ خیر الجزاء۔

﴿۷۹۸﴾ (۱۵) حبّی فی اللہ سیّد فضل شاہ صاحب لاہوری اصل سکنہ ریاست جموں نہایت صاف باطن اور محبت اور اخلاص سے بھرے ہوئے اور کامل اعتقاد کے نور سے منور ہیں۔ اور مال وجان سے حاضر ہیں اور ادب اور حسن ظن جو اس راہ میں ضروریات سے ہے ایک عجیب انکسار کے ساتھ ان میں پایا جاتا ہے۔ وہ تہ دل سے سچی اور پاک اور کامل ارادت اس عاجز سے رکھتے ہیں اور للّٰہی تعلق اور حُب میں اعلیٰ درجہ انہیں حاصل ہے اور یک رنگی اور وفاداری کی صفات ان میں صاف طور پر نمایاں ہیں اور ان کے برادر حقیقی نصر شاہ بھی اس عاجز سے تعلق بیعت رکھتے ہیں اور ان کے ماموں منشی کرم الٰہی صاحب بھی اس عاجز کے یک رنگ دوست ہیں۔

(۱۶) حبّی فی اللہ منشی محمد اروڑا نقشہ نویس مجسٹریٹی۔ منشی صاحب محبت اور خلوص اور ارادت میں زندہ دل آدمی ہیں۔ سچائی کے عاشق اور سچائی کو بہت جلد سمجھ جاتے ہیں خدمات کو نہایت نشاط سے بجا لاتے ہیں۔ بلکہ وہ تو دن رات اسی فکر میں لگے رہتے ہیں کہ کوئی خدمت مجھ سے صادر ہو جائے۔ عجیب منشرح الصدر اور جانثار آدمی ہے میں خیال کرتا ہوں کہ ان کو اس عاجز سے ایک نسبت عشق ہے۔ شاید ﴿۷۹۹﴾ انکو اس سے بڑھ کر اور کسی بات میں خوشی نہیں ہوتی ہوگی کہ اپنی طاقتوں اور اپنے مال اور اپنے وجود کی ہر یک توفیق سے کوئی خدمت بجا لاویں وہ دل وجان سے وفادار اور مستقیم الاحوال اور بہادر آدمی ہیں۔ خدائے تعالیٰ ان کو جزائے خیر بخشے۔ آمین۔

(۱۷) حبّی فی اللہ میاں محمد خاں صاحب ریاست کپورتھلہ میں نوکر ہیں۔ نہایت درجہ کے غریب طبع صاف باطن دقیق فہم حق پسند ہیں اور جس قدر انہیں میری نسبت عقیدت وارادت ومحبت ونیک ظن ہے میں اس کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ مجھے ان کی نسبت یہ تردّد نہیں کہ اُن کے اس درجۂ ارادت میں کبھی کچھ خلل پیدا ہو بلکہ یہ اندیشہ ہے کہ حد سے زیادہ نہ بڑھ جائے وہ سچے وفادار اور جاں نثار اور مستقیم الاحوال ہیں۔ خدا اُن کے ساتھ ہو اُن کا نوجوان بھائی سردار علی خاں بھی میرے سلسلہ بیعت میں داخل ہے۔ یہ لڑکا بھی اپنے بھائی کی طرح بہت سعید ورشید ہے۔ خدائے تعالیٰ اُن کا محافظ ہو۔ ﴿۸۰۰﴾

(۱۸) حبّی فی اللہ منشی ظفر احمد صاحب۔ یہ جوان صالح کم گو اور خلوص سے بھرا دقیق فہم آدمی ہے۔ استقامت کے آثار وانوار اُس میں ظاہر ہیں۔ وفاداری کی علامات وامارات اس میں پیدا ہیں۔ ثابت شدہ صداقتوں کو خوب سمجھتا ہے۔ اور

اُن سے لذّت اُٹھاتا ہے۔ اللہ اور رسول سے سچی محبت رکھتا ہے اور ادب جس پر تمام مدار حصول فیض کا ہے اور حُسن ظن جو اس راہ کا مرکب ہے دونوں سیرتیں ان میں پائی جاتی ہیں۔ **جزاھم اللہ خیر الجزاء۔**

(۱۹) **حبّی فی اللہ** سیّد **عبدالہادی** صاحب سب اورسیر۔ یہ سیّد صاحب انکسار اور ایمان اور حُسن ظن اور ایثار اور سخاوت کی صفت میں حصہ وافر رکھتے ہیں۔ وفادار اور متانت شعار ہیں۔ ابتلا کے وقت استقامت کو ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ وعدہ اور عہد میں پختہ ہیں۔ حیا کی قابل تعریف صفت اُن پر غالب ہے۔ اس عاجز کے سلسلہ بیعت میں داخل ہونے سے پہلے بھی وہی ادب ملحوظ رکھتے تھے جو اَب ہے۔ اللہ جلّشانہٗ کا اُن پر یہ خاص احسان ہے کہ وہ نیک کاموں کے کرنے کے لئے منجانب اللہ توفیق پاتے ہیں۔ ان کی طبیعت فقر کے مناسب ﴿۸۰۱﴾
حال ہے۔ انہوں نے اس سلسلہ کے لئے دو ؔروپے ماہواری چندہ مقرر کیا ہے۔ مگر اس چندہ پر کچھ موقوف نہیں وہ بڑی سرگرمی سے خدمت کرتے رہتے ہیں اور اُن کی مالی خدمات کی اس جگہ تصریح مناسب نہیں کیونکہ میں خیال کرتا ہوں کہ ان کی مالی خدمات کے اظہار سے ان کو رنج ہوگا۔ وجہ یہ کہ وہ اس سے بہت پرہیز کرتے ہیں کہ اُن کے اعمال میں کوئی شعبہ ریا کا دخل کرے اور ان کو یہ وہم ہے کہ اجر کسی عمل کا اس کے اظہار سے ضائع ہو جاتا ہے۔

(۲۰) **حبّی فی اللہ** مولوی **محمد یوسف سنوری** میاں عبداللہ صاحب سنوری کے ماموں ہیں۔ بہت راست طبع نیک ظن پاک خیال آدمی ہیں۔ اس عاجز سے استقلال اور وفا کے ساتھ خلوص اور محبت رکھتے ہیں۔

(۲۱) منشی **حشمت اللہ** صاحب مدرس مدرسہ سنور اور منشی **ہاشم علی صاحب** پٹواری تحصیل برنالہ اس عاجز کے یکرنگ مخلصین میں سے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کا مددگار ہو۔

﴿۸۰۲﴾ (۲۲)حبّی فی اللہ صاحبزادہ سراج الحق صاحب ابوالنعمان محمد سراج الحق جمالی نعمانی ابن شاہ حبیب الرحمٰن ساکن سرساوہ ضلع سہارنپور از اولاد قطب الاقطاب شیخ جمال الدین احمد ہانسوی اکابر مخلصین اس عاجز سے ہیں۔ صاف باطن یکرنگ اور للّٰہی کاموں میں جوش رکھنے والے اور اعلائے کلمۂ حق کے لئے بدل وجان ساعی وسرگرم ہیں۔ اس سلسلہ میں داخل ہونے کے لئے خدائے تعالیٰ نے جو ان کے لئے تقریب پیدا کی وہ ایک دلچسپ حال ہے جو ان کے ایک خط سے ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ میں اس زمانہ کو ایک آخری زمانہ سمجھ کر اور علماء اور فقراء سے ظہور حضرت مسیح ابن مریم موعود اور حضرت مہدی کی بشارتیں سُنکر ہمیشہ دعا کیا کرتا تھا کہ خداوند کریم مجھ کو ان میں سے کسی کی زیارت کرا دے خواہ حالت جوانی میں ہی یا ضعیفی میں۔ سو جب میری دعائیں انتہاء کو پہنچیں تو اُن کا یہ اثر ہوا کہ مجھے عالم رؤیا میں وقتاً فوقتاً مقصد مذکورہ بالا کے لئے کچھ کچھ بشارتیں معلوم ہونے لگیں۔ چنانچہ ایک دفعہ میں سفر ﴿۸۰۳﴾ کی حالت میں شہر جیند میں تھا تو عالم رؤیا میں کیا دیکھتا ہوں کہ میں ایک مسجد میں وضو کر رہا ہوں اور اس مسجد کے متصل ایک کوچہ ہے وہاں سے ہر قسم کے آدمی ہندو مسلمان نصاریٰ آتے جاتے ہیں میں نے پوچھا کہ تم لوگ کہاں سے آتے ہو تو انہوں نے کہا کہ ہم حضرت رسولؐ مقبول کی خدمت میں گئے تھے۔ تب میں نے بھی جلد وضو کر کے اس کوچہ کی راہ لی۔ ایک مکان میں دیکھا کہ کثرت سے آدمی موجود ہیں اور حضرت رسول مقبول خاتم الانبیاء محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے ہیں۔ سفید پوشاک پہنے ہوئے اور ایک شخص دو زانو اُنکے سامنے باادب بیٹھا ہے۔ میں نے پوچھنا چاہا کہ مرشد کے قدم چومنے میں علماء اور فقراء کو اختلاف ہے۔ اصل کیا بات ہے۔ تب ایک شخص جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھا تھا خود بخود بول اُٹھا کہ نہیں نہیں۔ اس وقت میں بے تکلّف اُٹھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک جا بیٹھا۔ تب حضرت نبی کریمؐ نے مجھ کو دیکھا اور اپنا داہنا پائے مبارک

میری طرف لمبا کر دیا۔ میں نے حضرت کے قدم مبارک کو بوسہ دیا اور آنکھوں سے لگایا اُس وقت حضرت نے ایک جوراب سُوتی اپنے پاک[1] مبارک سے اُتار کر مجھ کو عنایت فرمائی۔ اس
رؤیا صادقہ سے میں بہت متلذّذ رہا۔ پھر دو برس کے بعد ایسا اتفاق ہوا کہ میں لودھیانہ میں ﴿۸۰۴﴾
آیا اور میں نے آپ کا یعنی اس عاجز کا شہرہ سُنا اور رات کو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہی جلسہ دیکھا اور وہی کثرت مخلوق دیکھی جو میں نے حضرت نبی کریم کی خواب میں دیکھی تھی۔ اور جب میں نے آپ کی صورت دیکھی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی صورت ہے کہ جس صورت پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے خواب میں دیکھا تھا۔ تب مجھے یقین ہو گیا کہ میں نے آپ ہی کو خواب میں دیکھا تھا اور خدائے تعالیٰ نے آپ کو نبی کریم کے پیرایہ میں میرے پر ظاہر کیا۔ تا وہ عینیّت جو برکت متابعت پیدا ہو جاتی ہے میرے پر منکشف ہو جائے۔ پھر جب میں پانچ چھ ماہ کے بعد آپ کو قادیان میں ملا تو میری حالت اعتقاد بہت ترقی کر گئی اور مجھ کو کامل و مکمل یقین کہ عین الیقین کا مرتبہ حاصل ہو گیا کہ بلا شبہ آپ مجدد الوقت اور غوث الوقت ہیں اور میرے پر پورے عرفان کے ساتھ کھل گیا کہ میرے خواب کے مصداق آپ ہی ہیں۔ پھر اس کے بعد اَور بھی حالات نوم اور غیر نوم میں میرے پر کھلتے رہے۔ ایک دفعہ استخارہ کے وقت آپکی نسبت یہ آیت نکلی مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ [2]۔ تب میں بیعت سے بصدق دل
مشرّف ہوا اور وہ حالات جو میرے پر کھلے اور میرے دیکھنے میں آئے وہ انشاء اللہ ایک رسالہ ﴿۸۰۵﴾
میں لکھوں گا۔

(۲۳) **حبّی فی اللہ میر ناصر نواب صاحب**۔ میر صاحب موصوف علاوہ رشتہ روحانی کے رشتہ جسمانی بھی اس عاجز سے رکھتے ہیں کہ اس عاجز کے خسر ہیں۔ نہایت یکرنگ اور صاف باطن اور خدا تعالیٰ کا خوف دل میں رکھتے ہیں اور اللہ اور رسول کی اتباع کو سب چیز سے مقدّم سمجھتے ہیں اور کسی سچائی کے کھلنے سے پھر اسکو شجاعت قلبی کے ساتھ بلا توقف قبول کر لیتے ہیں۔ حُب لِلّٰہ اور بُغض لِلّٰہ کا مومنانہ شیوہ اُن پر

[1] اول ایڈیشن میں پاک ہے لیکن درست پائے لگتا ہے۔ مصحح
[2] اٰل عمران: ۱۴۷

غالب ہے۔ کسی کے راستباز ثابت ہونے سے وہ جان تک بھی فرق نہیں کر سکتے اور کسی کو ناراستی پر دیکھ کر اُس سے مداہنت کے طور پر کچھ تعلق رکھنا نہیں چاہتے۔ اوائل میں وہ اس عاجز کی نسبت نہایت نیک گمان تھے مگر درمیان میں ابتلا کے طور پر اُن کے حُسن ظن میں فرق آ گیا۔ چونکہ سعید تھے اس لئے عنایت الٰہی نے پھر دستگیری کی اور اپنے خیالات سے توبہ کر کے سلسلہ بیعت میں داخل ہوئے۔ اُن کا یک دفعہ نیک ظنّی کی طرف پلٹا کھانا اور جوش سے ﴿۸۰۶﴾ بھرے ہوئے اخلاص کے ساتھ حق کو قبول کر لینا غیبی جذبہ سے معلوم ہوتا ہے۔ وہ اپنے اشتہار ۱۲؍اپریل ۱۸۹۱ء میں اس عاجز کی نسبت لکھتے ہیں کہ میں اُن کے حق میں بدگمان تھا لہٰذا وقتاً فوقتاً نفس وشیطان نے خدا جانے کیا کیا مجھ سے اُن کے حق میں کہوایا جس پر آج مجھ کو افسوس ہے اگرچہ اس عرصہ میں کئی بار میرے دل نے مجھے شرمندہ کیا لیکن اس کے اظہار کا یہ وقت مقدّر تھا۔ میں نے جو کچھ مرزا صاحب کو فقط اپنی غلط فہمیوں کے سبب سے کہا نہایت بُرا کیا۔ اب میں توبہ کرتا ہوں اور اس توبہ کا اعلان اس لئے دیتا ہوں کہ میری پیروی کے سبب سے کوئی وبال میں نہ پڑے۔ اس سے بعد اگر کوئی شخص میری کسی تحریر یا تقریر کو چھپوا دے اور اس سے فائدہ اٹھانا چاہے تو میں عند اللہ بری ہوں اور اگر کبھی میں نے مرزا صاحب کی نسبت اپنے کسی دوست سے کچھ کہا ہو یا شکایت کی ہو تو اس سے اللہ تعالیٰ کی جناب میں معافی مانگتا ہوں۔

(۲۴) **حبّی فی اللہ منشی رستم علی** ڈپٹی انسپکٹر پولیس ریلوے۔ یہ ایک جوان صالح اخلاص سے بھرا ہوا میرے اوّل درجہ کے دوستوں میں سے ہے۔ اُن کے چہرے پر ہی علامات غربت و ﴿۸۰۷﴾ بے نفسی واخلاص ظاہر ہیں۔ کسی ابتلاء کے وقت میں نے اس دوست کو متزلزل نہیں پایا۔ اور جس روز سے ارادت کے ساتھ انہوں نے میری طرف رجوع کیا اس ارادت میں قبض اور افسردگی نہیں بلکہ روز افزوں ہے۔ وہ ۲۰ روپیہ چندہ اس سلسلہ کے لئے دیتے ہیں۔ **جزاھم اللہ خیر الجزاء۔**

(۲۵) **حبّی فی اللہ میاں عبدالحق** خلف عبدالسمیع۔ یہ ایک اول درجہ کا مخلص اور سچا ہمدرد اور محض للہ محبت رکھنے والا دوست اور غریب مزاج ہے۔ دین کو ابتداء سے غریبوں سے مناسبت ہے کیونکہ غریب لوگ تکبّر نہیں کرتے اور پوری پوری تواضع کے ساتھ حق کو قبول کرتے ہیں۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ دولت مندوں میں ایسے لوگ بہت کم ہیں کہ اس سعادت کا عشر بھی حاصل کرسکیں جس کو غریب لوگ کامل طور پر حاصل کر لیتے ہیں۔ **فطوبٰی للغرباء**۔ میاں عبدالحق باوجود اپنے افلاس اور کمی مقدرت کے ایک عاشق صادق کی طرح محض للہ خدمت کرتا رہتا ہے اور اس کی یہ خدمات اس آیت کا مصداق اس کو ٹھہرا رہی ہیں۔ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ [1]۔

(۲۶) **حبّی فی اللّٰہ شیخ رحمت اللہ صاحب گجراتی**۔ شیخ رحمت اللہ جوان صالح یکرنگ آدمی ہے۔ اِن میں فطرتی طور پر مادہ اطاعت اور اخلاص اور حسن ظن اس قدر ہے جس کی برکت سے وہ بہت سی ترقیات اس راہ میں کر سکتے ہیں۔ اُن کے مزاج میں غربت اور ادب بھی از حد ہے اور اُن کے بشرہ سے علامات سعادت ظاہر ہیں۔ حتی الوسع وہ خدمات میں لگے رہتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ کشاکش مکروہات سے انہیں بچا کر اپنی محبت کی حلاوت سے حصہ وافر بخشے۔ آمین ثم آمین۔ ﴿۸۰۸﴾

(۲۷) **حبّی فی اللہ میاں عبدالحکیم خاں** جوان صالح ہے۔ علامات رشد وسعادت اُس کے چہرہ سے نمایاں ہیں۔ زیرک اور فہیم آدمی ہے۔ انگریزی زبان میں عمدہ مہارت رکھتے ہیں میں امید رکھتا ہوں کہ خدائے تعالیٰ کئی خدمات اسلام اُن کے ہاتھ سے پوری کرے۔ وہ باوجود زمانہ طالب علمی اور تفرقہ کی حالت کے ایک روپیہ ماہواری بطور چندہ اس سلسلہ کے لئے دیتے ہیں اور ایسا ہی اُن کا دوست رشید خلیفہ رشید الدین صاحب جو ایک اہل آدمی اور اُنہیں کے ہمرنگ ہیں اسی قدر چندہ محض للّٰہی محبت کے جوش سے ماہ بماہ ادا کرتے ہیں۔ **جزاھم اللّٰہ خیر الجزاء**۔ ﴿۸۰۹﴾

[1] الحشر: ۱۰

(۲۸) حبّی فی اللّٰہ بابو کرم الٰہی صاحب ریکارڈ کلرک راجپورہ ریاست پٹیالہ۔ بابو صاحب متانت شعار مخلص آدمی ہیں وہ اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں کہ اگرچہ آپ کے رسالوں کے پڑھنے کے بعد بعض علماء طرح طرح کے توہمات میں مبتلا ہوگئے ہیں۔ مگر الحمدللہ میرے دل میں ایک ذرّہ بھی شک راہ نہیں پایا۔ سو میں اس کا شکریہ ادا نہیں کرسکتا۔ کیونکہ ایسے طوفان کے وقت میں شکوک اور شبہات سے بچنا بشر کے اختیار میں نہیں۔ میری تنخواہ بہت کم ہے۔ مگر تاہم کم سے کم ایک روپیہ ماہواری آپ کے سلسلہ کی امداد کے لئے بھیجا کرونگا۔ کیونکہ تھوڑی خدمت میں بھی شریک ہوجانا بکلی محروم رہنے سے بہتر ہے۔ فقط۔ سو بابو صاحب نہایت اخلاص اور محبت سے ایک روپیہ ماہواری بھیجتے رہتے ہیں۔ جزاھم اللّٰہ خیر الجزاء۔

(۲۹) حبّی فی اللّٰہ مولوی عبدالقادر جمالپوری۔ مولوی عبدالقادر۔ جوان صالح۔ متقی مستقیم الاحوال ہے۔ اس ابتلا کے وقت جو علماء میں بباعث نافہمی اور غلبہ سوءظن ایک طوفان کی طرح اُٹھا مولوی عبدالقادر صاحب کی بہت استقامت ظاہر ہوئی اور اوّل المومنین میں وہ داخل رہے بلکہ دعوت حق کرتے رہے۔ ان کا گذارہ ایک تھوڑی سی تنخواہ پر ہے تاہم اس سلسلہ کی امداد کے لئے ۲؍۶ پائی وہ ماہواری دیتے ہیں۔ ﴿۸۱۰﴾

(۳۰) حبّی فی اللّٰہ محمد ابن احمد مکّی من حارہ شعب عامر۔ یہ صاحب عربی ہیں اور خاص مکّہ معظّمہ کے رہنے والے ہیں۔ صلاحیت اور رشد اور سعادت کے آثار اُن کے چہرہ پر ظاہر ہیں اپنے وطن خاص مکہ معظّمہ سے زادہ اللّٰہ مجدًا و شرفًا بطور سیر و سیاحت اس ملک میں آئے اور ان دنوں میں بعض بداندیش لوگوں نے خلاف واقعہ باتیں بلکہ تہمتیں اپنی طرف سے اس عاجز کی نسبت اُن کو سنائیں اور کہا کہ یہ شخص رسالت کا دعویٰ کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم سے منکر ہے اور کہتا ہے کہ مسیح جس پر انجیل نازل ہوئی تھی وہ اللّٰہ میں ہی ہوں۔ ان باتوں سے عربی صاحب کے دل میں بہ مقتضائے غیرت اسلامی ایک اشتعال پیدا ہوا تب انہوں نے عربی زبان میں اس عاجز کی طرف ایک خط لکھا جس میں یہ فقرات بھی درج تھے ﴿۸۱۱﴾

ان کنتَ عیسٰی ابن مریم فانزل علینا مائدۃ ایّھا الکذّاب ۔ ان کنت عیسٰی ابن مریم فانزل علینا مائدۃ ایّھا الدجّال. یعنی اگر تو عیسیٰ بن مریم ہے تو اے کذّاب اے دجّال ہم پر مائدہ نازل کر۔ لیکن معلوم نہیں کہ یہ کس وقت کی دعا تھی کہ جو منظور ہوگئی اور جس مائدہ کو دے کر خدائے تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے آخر وہ قادر خدا انہیں اس طرف کھینچ لایا۔ لودھیانہ میں آئے اور اس عاجز کی ملاقات کی اور سلسلۂ بیعت میں داخل ہو گئے ۔فالحمد للّٰہ الذی نجّاہ من النار و انزل علیہ مائدۃ من السّمآء ۔اُن کا بیان ہے کہ جب میں آپ کی نسبت بُرے اور فاسد ظنون میں مبتلا تھا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص مجھے کہتا ہے کہ یامحمد انت کذّاب ۔یعنے اے محمد کذاب تو ہی ہے۔اور اُن کا یہ بھی بیان ہے کہ تین برس ہوئے کہ میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ عیسیٰ آسمان سے نازل ہو گیا اور میں نے اپنے دل میں کہا تھا کہ انشاء اللہ القدیر میں اپنی زندگی میں عیسیٰ کو دیکھ لوں گا۔

(۳۱) حبّی فی اللّٰہ صاحبزادہ افتخار احمد ۔ یہ جوان صالح میرے مخلص اور محبّ صادق حاجی حرمین شریفین منشی احمد جان صاحب مرحوم ومغفور کے خلف رشید ہیں ۔اور بمقتضائے الولد سرّ لابیہ تمام محاسن اپنے والد بزرگوار کے اپنے اندر جمع رکھتے ہیں اور وہ مادہ اُن میں پایا جاتا ہے جو ترقی کرتا کرتا فانیوں کی جماعت میں انسان کو داخل کر دیتا ہے۔ خدائے تعالیٰ روحانی غذاؤں سے ان کو حصہ وافر بخشے اور اپنے عاشقانہ ذوق وشوق سے سرمست کرے۔ آمین ثم آمین۔ ﴿۸۱۲﴾

(۳۲) حبّی فی اللّٰہ مولوی سیّد محمد عسکری خان اکسٹرا اسسٹنٹ حال پنشنر۔ سیّد صاحب موصوف الٰہ آباد کے ضلع کے رہنے والے ہیں ۔ اس عاجز سے دلی محبت رکھتے ہیں بلکہ اُن کا دل عطر کے شیشہ کی طرح محبت سے بھرا ہوا ہے۔ نہایت عمدہ صاف باطن یکرنگ دوست ہیں ۔معلومات بہت وسیع رکھتے ہیں ایک جید عالم قابل قدر ہیں ۔ اِن دنوں میں

بیمار ہیں خدا تعالیٰ اُن کو جلد شفا بخشے۔ آمین ثم آمین۔

﴿۸۱۳﴾ (۳۳) **حبی فی اللہ مولوی غلام حسن صاحب پشاوری** اس وقت لودھیانہ میں میرے پاس موجود ہیں۔ محض ملاقات کی غرض سے پشاور سے تشریف لائے ہیں۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ وہ وفادار مخلص ہیں اور لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ میں داخل ہیں جوش ہمدردی کی راہ سے دو روپیہ ماہواری چندہ دیتے ہیں مجھے امید ہے کہ وہ بہت جلد للّٰہی راہوں اور دینی معارف میں ترقی کریں گے کیونکہ فطرت نورانی رکھتے ہیں۔

(۳۴) **حبّی فی اللہ شیخ حامد علی**۔ یہ جوان صالح اور ایک صالح خاندان کا ہے اور قریباً سات آٹھ سال سے میری خدمت میں ہے اور میں یقیناً جانتا ہوں کہ مجھ سے اخلاص اور محبت رکھتا ہے۔ اگرچہ دقائق تقویٰ تک پہنچنا بڑے عرفاء اور صلحاء کا کام ہے۔ مگر جہاں تک سمجھ ہے اتباع سُنّت اور رعایت تقویٰ میں مصروف ہے۔ میں نے اس کو دیکھا ہے کہ ایسی بیماری میں جو نہایت شدید اور مرض الموت معلوم ہوتی تھی اور ضعف اور لاغری سے میّت کی طرح ہو گیا تھا۔ التزام ادائے نماز پنجگانہ میں ایسا سرگرم تھا کہ اس بے ہوشی اور نازک حالت میں جس
﴿۸۱۴﴾ طرح بن پڑے نماز پڑھ لیتا تھا۔ میں جانتا ہوں کہ انسان کی خداترسی کا اندازہ کرنے کے لئے اس کے التزام نماز کو دیکھنا کافی ہے کہ کس قدر ہے اور مجھے یقین ہے کہ جو شخص پورے پورے اہتمام سے نماز ادا کرتا ہے اور خوف اور بیماری اور فتنہ کی حالتیں اس کو نماز سے روک نہیں سکتیں وہ بے شک خدائے تعالیٰ پر ایک سچا ایمان رکھتا ہے مگر یہ ایمان غریبوں کو دیا گیا دولتمند اس نعمت کو پانے والے بہت ہی تھوڑے ہیں۔ شیخ حامد علی نے خدائے تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس عاجز کے کئی نشان دیکھے ہیں اور چونکہ وہ سفر و حضر میں ہمیشہ میرے ساتھ ہی رہتا ہے اس لئے خدائے تعالیٰ اس کے لئے ایسے اسباب پیدا کرتا رہا اور وہ اپنی آنکھ سے دیکھتا رہا کہ کیوں کر خدائے تعالیٰ کی عنایتیں اس طرف رجوع کر رہی ہیں

اور کیوں کر دعاؤں کے قبول ہونے سے خارق عادت نشان ظہور میں آئے۔ شیخ مہر علی صاحب رئیس ہوشیار پوری کے ابتلاء اور نزول بلا کی خبر جو پورے چھ مہینہ پہلے شیخ صاحب کو بذریعہ خط دی گئی تھی اور پھر اُنکے انجام بخیر ہونے کی بشارت جو حکم سزائے موت کی حالت میں اُن کو ﴿۸۱۵﴾
پہنچائی گئی تھی۔ یہ سب باتیں حامد علی کی چشم دید ہیں۔ بلکہ اس پیشگوئی پر بعض نادان اس سے لڑتے اور جھگڑتے رہے کہ اس کا پورا ہونا غیر ممکن ہے۔ ایسا ہی دلیپ سنگھ کے روکے جانے کی پیشگوئی اور کئی دوسری پیشگوئیاں اور نشان جو صبح صادق کی طرح ظاہر ہوگئیں اس شخص کو معلوم ہیں جن کا خدائے تعالیٰ نے اس کو گواہ بنا دیا ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ جس قدر اس کو نشان دکھائے گئے وہ ایک طالب حق کا ایمان مضبوط کرنے کے لئے ایسے کافی ہیں کہ اس سے بڑھ کر حاجت نہیں۔ حامد علی بے شک ایک مخلص ہے مگر فطرتی طور پر اشتعال طبع اس میں زیادہ پایا جاتا ہے۔ صبر اور ضبط کی عادت ابھی اس میں کم ہے۔ ایک غریب اور ادنیٰ مزدور کی سخت بات پر برداشت کرنا ہنوز اس کی طاقت سے باہر ہے۔ غصہ کے وقت کسی قدر جبائرہ کا رگ وریشہ نمودار ہو جاتا ہے۔ کاہلی اور کسل بھی بہت ہے مگر متدین اور متقی اور وفادار ہے۔ خدائے تعالیٰ اس کی کمزوری کو دور کرے۔ آمین۔ حامد علی صرف تین روپے مجھ سے تنخواہ پاتا ہے اور اس میں سے اس سلسلہ کے چندہ کے لئے ۴؍ بطیب خاطر محض للّٰہی شوق سے ادا کرتا ہے اور حبّی فی اللّٰہ شیخ چراغ علی چچا اس کا اس کی تمام خوبیوں میں اس کا ﴿۸۱۶﴾
شریک ہے اور یکرنگ اور بہادر ہے۔

(۳۵) **حبّی فی اللّٰہ شیخ شہاب الدین موحد** شیخ شہاب الدین غریب طبع اور مخلص اور نیک خیال آدمی ہے۔ نہایت تنگدستی اور عُسر سے اس مسافر خانہ کے دن پورے کر رہا ہے۔ افسوس کہ اکثر دولت مند مسلمانوں نے زکوٰۃ دینا بھی چھوڑ دیا اور شریعت اسلامی کا یہ پُرحکمت مسئلہ کہ یؤخذ من الاغنیاء ویردّ الی الفقراء یونہی معطّل

پڑا ہے۔ اگر دولت مند لوگ کسی پر احسان نہ کریں صرف فریضہ زکوٰۃ کے ادا کرنے کی طرف متوجہ ہوں تاہم ہزار ہا روپیہ اسلامی اور قومی ہمدردی کے لئے جمع ہو سکتا ہے۔ لیکن مال بخیل آنگاہ از خاک برآید کہ بخیل در خاک رود۔

(۳۶) **حبّی فی اللّٰہ میراں بخش ولد بہادر خان کیروی** ایک مخلص اور پختہ اعتقاد آدمی ہے اس کے زیادت اعتقاد کا موجب اس نے یہ بیان کیا کہ ایک مجذوب نے اس کو خبر دی تھی کہ عیسیٰ جو آنے والا تھا وہ یہی ہے۔ یعنی یہ عاجز۔ اور یہ خبر اس عاجز کے اظہار دعویٰ سے کئی سال پیشتر وہ سُن چکا تھا اور صدہا آدمیوں میں شہرت پا چکے تھے۔ ﴿۸۱۷﴾

(۳۷) **حبّی فی اللّٰہ حافظ نور احمد صاحب لدھیانوی**۔ حافظ صاحب جوان صالح بڑے محبّ اور مخلص اور اوّل درجہ کا اعتقاد رکھنے والے ہیں۔ ہمیشہ اپنے مال سے خدمت کرتے رہتے ہیں۔ جزاھم اللّٰہ خیر الجزاء۔

(۳۸) **حبّی فی اللّٰہ مولوی محمد مبارک علی صاحب**۔ یہ مولوی صاحب اس عاجز کے اُستاد زادہ ہیں۔ ان کے والد صاحب حضرت مولوی فضل احمد صاحب مرحوم ایک بزرگوار عالم باعمل تھے مجھ کو اُن سے از حد محبت تھی۔ کیونکہ علاوہ اُستاد ہونے کے وہ ایک باخدا اور صاف باطن اور زندہ دل اور متّقی اور پرہیز گار تھے۔ عین نماز کی حالت میں ہی اپنے محبوب حقیقی کو جا ملے۔ اور چونکہ نماز کی حالت میں ایک تبتّل اور انقطاع کا وقت ہوتا ہے اس لئے اُن کا واقعہ ایک قابل رشک واقعہ ہے۔ خدائے تعالیٰ ایسی موت سب مومنوں کے لئے نصیب کرے۔ مولوی مبارک علی صاحب اُن کے خلف رشید اور فرزند کلاں ہیں۔ سیرت اور صورت میں حضرت مولوی صاحب مرحوم سے بہت مشابہ ہیں۔ اس عاجز کے یکرنگ ﴿۸۱۸﴾ اور پُر جوش دوست ہیں اور اس راہ میں ہر یک قسم کے ابتلاء کی برداشت کر رہے ہیں۔ حضرت عیسیٰ ابن مریم کی وفات کے بارے میں ایک رسالہ انہوں نے تالیف کیا ہے جو چھپ کر شائع ہو گیا ہے جس کا نام قول جمیل ہے۔ اس عاجز کا ذکر بھی اس میں کئی جگہ کیا گیا ہے

چونکہ مولوی صاحب موصوف کی حدیث اور تفسیر پر نظر وسیع ہے اس لئے انہوں نے محدثین کی طرز پر نہایت خوبی اور متانت سے اس رسالہ کو انجام دیا ہے۔ مخالف الرائے مولوی صاحبان جن کو غور اور فکر کرنے کی عادت نہیں اور جو آنکھ بند کر کے فتوے پر فتوے لکھ رہے ہیں انہیں مناسب ہے کہ علاوہ اس عاجز کی کتاب ازالہ اوہام کے میرے دوست عزیز مولوی محمد مبارک علی صاحب کے رسالہ کو بھی دیکھیں اور نیز میرے دوست رفیق مولوی محمد احسن صاحب امروہوی کے رسالہ اعلام الناس کو بھی ذرہ غور سے پڑھیں اور خدائے تعالیٰ کی ہدایت سے نومید نہ ہوں گو ان کی حالت بہت خطرناک اور قریب قریب یاس کے ہے لیکن اللہ تعالیٰ ہر یک چیز پر قادر ہے۔ مولویوں کا حجاب کفار کے حجاب سے کچھ زیادہ نہیں پھر کیوں اس سرچشمہ ﴿۸۱۹﴾
رحمت سے نومید ہوتے ہیں۔ وھو علٰی کلِّ شیءٍ قدیر۔

(۳۹) حبّی فی اللّٰہ مولوی محمد تفضّل حسین صاحب مولوی صاحب ممدوح میرے ساتھ سچے دل سے اخلاص اور محبت رکھتے ہیں میں نے اُن کے دل کی طرف توجہ کی تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ درحقیقت نیک فطرت آدمی اور سعیدوں میں سے ہیں اور قابل ترقی مادہ اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اگر وہ بشریت کی کمزوری کی وجہ سے کسی خلجان میں پڑیں تو میں امید نہیں رکھتا کہ اسی میں وہ بندرہ جائیں۔ کیونکہ اُن کی طینت صاف اور فراست ایمانی اور اسلامی نور کا اُن کو حصہ ہے اور کسی امر کے مشتبہ ہونے کے وقت قوت فیصلہ اپنے اندر رکھتے ہیں اور اس لائق ہیں کہ اگر وہ کچھ عرصہ صحبت میں رہیں تو علمی اور عملی طریقوں میں بہت ترقی کر جائیں۔ مولوی صاحب موصوف ایک بزرگ عارف باللہ کے خلف رشید ہیں اور پدری نور اپنے اندر مخفی رکھتے ہیں اور امید کی جاتی ہے کہ کسی وقت وہ روحانیت اُن پر غالب ہو جائے۔ یہ عاجز جب علی گڑھ میں گیا تھا تو درحقیقت مولوی صاحب ﴿۸۲۰﴾
ہی میرے جانے کے باعث ہوئے تھے اور اس قدر انہوں نے خدمت کی کہ میں اس کا شکر ادا نہیں کرسکتا۔ اس سلسلہ کے چندہ میں بھی انہوں نے دو روپیہ ماہواری مقرر

کر رکھے ہیں۔ مولوی صاحب موصوف اگرچہ تحصیلداری کے عہدہ پر ہیں مگر ایک بھاری بوجھ عیال کا ان کے سر پر ہے اور وہ دور نزدیک کے خویشوں اور اقارب بلکہ دوستوں کی بھی اپنے مال سے مدد کرتے ہیں اور بڑے مہمان نواز ہیں اور درویشوں اور فقیروں اور غریبوں سے بالطبع اُنس رکھتے ہیں اور سادہ طبع اور صاف باطن اور خیر اندیش آدمی ہیں۔ باایں ہمہ ہمدردی اسلام کا جوش پورے طور پر اُن میں پایا جاتا ہے **جزاھم اللّٰہ خیرًا**۔ باقی اسماء بعض مبائعین کے یہ ہیں:۔

حبی فی اللّٰہ منشی محمد جلال الدین صاحب میر منشی
حبی فی اللّٰہ منشی الٰہ بخش صاحب
حبی فی اللّٰہ مولوی عنایت علی صاحب
حبی فی اللّٰہ عبد المجید خاں اورنگ آبادی
حبی فی اللّٰہ منشی فیاض علی صاحب
حبی فی اللّٰہ میاں علی گوہر صاحب
﴿۸۲۱﴾ حبّی فی اللّٰہ میاں عبد الکریم خاں صاحب
حبی فی اللّٰہ منشی حبیب الرحمٰن صاحب
حبی فی اللّٰہ مولوی حکیم محی الدین عربی
حبی فی اللّٰہ سردار خاں برادر اخویم محمد خاں
حبی فی اللّٰہ سید خصلت علی صاحب
حبی فی اللّٰہ میر عنایت علی صاحب
حبی فی اللّٰہ میاں عطاء الرحمٰن دہلوی
حبی فی اللّٰہ مولوی تاج محمد صاحب سیر ماندی
حبی فی اللّٰہ مولوی محمد حسین صاحب متوطن علاقہ ریاست کپورتھلہ

حبی فی اللّٰہ میر محمود شاہ صاحب سیالکوٹی
حبی فی اللّٰہ شیخ فتح محمد صاحب جمونی
حبی فی اللّٰہ شیخ برکت علی صاحب
حبی فی اللّٰہ منشی احمد شاہ صاحب نورپوری
حبی فی اللّٰہ مولوی شیر محمد صاحب ہجنی
حبی فی اللّٰہ منشی محمد حسین صاحب مرادآبادی
حبی فی اللّٰہ منشی ہاشم علی صاحب
حبی فی اللّٰہ مولوی محمود حسن خاں صاحب
حبی فی اللّٰہ مولوی غلام جیلانی صاحب
حبی فی اللّٰہ سید امیر علی صاحب
حبی فی اللّٰہ مرزا خدا بخش صاحب
حبی فی اللّٰہ منشی غلام محمد صاحب سیالکوٹی
حبی فی اللّٰہ مولوی محمد دین سیالکوٹی
حبی فی اللّٰہ مولوی نور دین صاحب پوکھری
حبی فی اللّٰہ مفتی محمد صادق صاحب بھیروی

حبی فی اللہ شیخ چراغ علی صاحب تہوی	حبی فی اللہ مولوی محی الدین صاحب بہوبری
حبی فی اللہ شیخ احمد شاہ صاحب منصور پوری	حبی فی اللہ میاں عبدالحق صاحب متوطن پٹیالہ
حبی فی اللہ مولوی نور محمد صاحب مانگٹ	

یہ سب صاحب علیٰ حسب مراتب اس عاجز کے مخلص دوست ہیں۔ بعض ان میں سے اعلیٰ ﴾۸۲۲﴿
درجہ کا اخلاص رکھتے ہیں اسی اخلاص کے موافق جو اس عاجز کے منتخب دوستوں میں پایا جاتا ہے۔ اگر مجھے طول کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں جداگانہ ان کے مخلصانہ حالات لکھتا۔ انشاء اللہ القدیر کسی دوسرے مقام میں لکھوں گا۔ اب میں اس تذکرہ کو دعا پر ختم کرتا ہوں۔ اے قادر خدا میرے اس ظن کو جو میں اپنے ان تمام دوستوں کی نسبت رکھتا ہوں سچا کر کے مجھے دکھا اور ان کے دلوں میں تقویٰ کی سبز شاخیں جو اعمال صالحہ کے میووں سے لدی ہوئی ہیں پیدا کر۔ ان کی کمزوری کو دور فرما اور ان کا سب کسل دُور کر دے اور ان کے دلوں میں اپنی عظمت قائم کر اور ان میں اور ان کے نفسوں میں دُوری ڈال اور ایسا کر کہ وہ تجھ میں ہو کر بولیں۔ اور تجھ میں ہو کر سُنیں اور تجھ میں ہو کر دیکھیں اور تجھ میں ہو کر ہر یک حرکت سکون کریں۔ ان سب کو ایک ایسا دل بخش جو تیری محبت کی طرف جھک جائے اور اُن کو ایک ایسی معرفت عطا کر جو تیری طرف کھینچ لیوے اے بار خدا۔ یہ جماعت تیری جماعت ہے اس کو برکت بخش اور سچائی کی روح ان میں ڈال کہ سب قدرت تیری ہی ہے۔ آمین۔

اور چندہ دہندوں کے نام معہ تفصیل چندہ یہ ہیں:۔

		سالانہ چندہ			
۱	میاں عبداللہ پٹواری موضع غوث گڑھ	عہ	۶	منشی عبدالرحمٰن صاحب پٹواری تحصیل سنام	عمار	﴾۸۲۳﴿
۲	مولوی محمد یوسف صاحب مدرس مدرسہ سنور	سے ر	۷	منشی احمد بخش صاحب پٹواری تحصیل بانگر	عہ ر
۳	منشی حشمت اللہ صاحب مدرس مدرسہ سنور	سے ر	۸	منشی ابراہیم ثانی پٹواری تحصیل سرہند	سے ر
۴	منشی ہاشم علی صاحب پٹواری تحصیل برنالہ	سے ر	۹	منشی غلام قادر صاحب پٹواری تحصیل	عمار
۵	منشی ابراہیم صاحب پٹواری تحصیل بانگر	عمار	۱۰	منشی محمد فاضل صاحب سکنہ سنور	عہ ر

		چندہ ماہوار			چندہ ماہوار
۱۱	اخویم حکیم فضل دین صاحب بھیروی	صہ؍	۱۹	اخویم منشی ظفر احمد صاحب	ایک روپیہ
۱۲	میاں اللہ دین صاحب عرضی نویس معرفت حکیم فضل دین صاحب	عہ؍	۲۰	اخویم میاں محمد خاں صاحب	عہ؍
۱۳	میاں نجم الدین عبدالریانہ سکنہ بھیرہ امام مسجد دھرکھاناوالی	عہ؍	۲۱	منشی عبدالرحمٰن صاحب	؍؍ ؍؍
۱۴	اخویم مولوی حکیم غلام احمد صاحب انجینئر ریاست جموں	عمار	۲۲	منشی حبیب الرحمٰن صاحب	۸؍ ؍؍
۱۵	اخویم مکرم مولوی حکیم نوردین صاحب معالج ریاست جموں	عـــہ ۲۰	۲۳	منشی فیاض علی صاحب	۸؍ ؍؍
۱۶	اخویم سید عبدالہادی صاحب سب اوورسیر فارکچھ	عمار	۲۴	مولوی عبدالقادر صاحب مدرس جماپور ضلع لدھیانہ	۲؍۶ پائی
۱۷	مولوی سید تفضّل حسین صاحب تحصیلدار علی گڑھ	عمار	۲۵	منشی محمد بخش صاحب	۲؍
۱۸	اخویم منشی رستم علی صاحب ڈپٹی انسپکٹر محکمہ ریلوے	عمار	۲۶	شیخ چراغ علی صاحب سکنہ تھہ غلام نبی	۴؍
			۲۷	منشی محمد کرم الٰہی صاحب ریکارڈ کلرک راجپورہ ریاست پٹیالہ	
			۲۸	مولوی غلام حسن صاحب مدرس میونسپل بورڈ سکول پشاور	سے؍
			۲۹	قاضی محمد اکبر خانصاحب نائب تحصیلدار صوابی	عہ؍

﴾۸۲۴﴿

خاتمہ ﴾۸۲۵﴿

اُن دوستوں کے لئے جو سلسلہ بیعت میں داخل ہیں نصیحت کی باتیں

عزیزاں بے خلوص و صدق نکشایند راہے را مصفّا قطرہ باید کہ تا گوہر شود پیدا

اے میرے دوستو! جو میرے سلسلہ بیعت میں داخل ہو۔ خدا ہمیں اور تمہیں اُن باتوں کی توفیق دے جن سے وہ راضی ہو جائے۔ آج تم تھوڑے ہو اور تحقیر کی نظر سے دیکھے گئے ہو اور ایک ابتلاء کا وقت تم پر ہے اسی سُنّت اللہ کے موافق جو قدیم سے جاری ہے۔ ہر یک

طرف سے کوشش ہوگی کہ تم ٹھوکر کھاؤ اور تم ہر طرح سے ستائے جاؤ گے اور طرح طرح کی
باتیں تمہیں سُننی پڑیں گی اور ہریک جو تمہیں زبان یا ہاتھ سے دکھ دے گا وہ خیال کرے گا کہ ﴿۸۲۶﴾
اسلام کی حمایت کررہا ہے۔ اور کچھ آسمانی ابتلاء بھی تم پر آئیں گے تا تم ہر طرح سے آزمائے
جاؤ۔ سو تم اس وقت سُن رکھو کہ تمہارے فتح منداور غالب ہو جانے کی یہ راہ نہیں کہ تم اپنی خشک
منطق سے کام لو یا تمسخر کے مقابل پر تمسخر کی باتیں کرو۔ یا گالی کے مقابل پر گالی دو۔ کیونکہ
اگر تم نے یہی راہیں اختیار کیں تو تمہارے دل سخت ہو جائیں گے اور تم میں صرف باتیں ہی
باتیں ہوں گی جن سے خدا تعالیٰ نفرت کرتا ہے اور کراہت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ سو تم ایسا نہ
کرو کہ اپنے پر دو لعنتیں جمع کر لو ایک خلقت کی اور دوسری خدا کی بھی۔

یقیناً یاد رکھو کہ لوگوں کی لعنت اگر خدائے تعالیٰ کی لعنت کے ساتھ نہ ہو کچھ بھی چیز نہیں
اگر خدا ہمیں نابود نہ کرنا چاہے تو ہم کسی سے نابود نہیں ہو سکتے۔ لیکن اگر وہی ہمارا دشمن
ہو جائے تو کوئی ہمیں پناہ نہیں دے سکتا۔ ہم کیوں کر خدائے تعالیٰ کو راضی کریں
اور کیونکر وہ ہمارے ساتھ ہو۔ اِس کا اُس نے مجھے بار بار یہی جواب دیا کہ تقویٰ سے۔ سو
اے میرے پیارے بھائیو کوشش کرو تا متقی بن جاؤ۔ بغیر عمل کے سب باتیں ہیچ ہیں اور ﴿۸۲۷﴾
بغیر اخلاص کے کوئی عمل مقبول نہیں۔ سو تقویٰ یہی ہے کہ ان تمام نقصانوں سے بچکر
خدا تعالیٰ کی طرف قدم اُٹھاؤ۔ اور پرہیزگاری کی باریک راہوں کی رعایت رکھو۔ سب
سے اوّل اپنے دلوں میں انکسار اور صفائی اور اخلاص پیدا کرو اور سچ مچ دلوں کے حلیم
اور سلیم اور غریب بن جاؤ کہ ہریک خیر اور شر کا بیج پہلے دل میں ہی پیدا ہوتا ہے اگر تیرا
دل شر سے خالی ہے تو تیری زبان بھی شر سے خالی ہوگی اور ایسا ہی تیری آنکھ اور تیرے
سارے اعضاء۔ ہریک نور یا اندھیرا پہلے دل میں ہی پیدا ہوتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ تمام
بدن پر محیط ہو جاتا ہے۔ سو اپنے دلوں کو ہر دم ٹٹولتے رہو اور جیسے پان کھانے والا

اپنے پانوں کو پھیرتا رہتا ہے اور ردّی ٹکڑے کو کاٹتا ہے اور باہر پھینکتا ہے۔ اسی طرح تم بھی اپنے دلوں کے مخفی خیالات اور مخفی عادات اور مخفی جذبات اور مخفی ملکات کو اپنی نظر کے سامنے پھیرتے رہو اور جس خیال یا عادت یا ملکہ کو ردّی پاؤ اس کو کاٹ کر باہر پھینکو ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے سارے دل کو ناپاک کر دیوے اور پھر تم کاٹے جاؤ۔

﴿۸۲۸﴾ پھر بعد اس کے کوشش کرو اور نیز خدائے تعالیٰ سے قوت اور ہمت مانگو کہ تمہارے دلوں کے پاک ارادے اور پاک خیالات اور پاک جذبات اور پاک خواہشیں تمہارے اعضاء اور تمہارے تمام قویٰ کے ذریعہ سے ظہور پذیر اور تکمیل پذیر ہوں تا تمہاری نیکیاں کمال تک پہنچیں کیونکہ جو بات دل سے نکلے اور دل تک ہی محدود رہے وہ تمہیں کسی مرتبہ تک نہیں پہنچا سکتی۔ خدا تعالیٰ کی عظمت اپنے دلوں میں بٹھاؤ اور اس کے جلال کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھو۔ اور یاد رکھو کہ قرآن کریم میں پانسو کے قریب حکم ہیں اور اس نے تمہارے ہر یک عضو اور ہر یک قوت اور ہر یک وضع اور ہر یک حالت اور ہر ایک عمر اور ہر یک مرتبہ فہم اور مرتبہ فطرت اور مرتبہ سلوک اور مرتبہ انفراد اور اجتماع کے لحاظ سے ایک نورانی دعوت تمہاری کی ہے سو تم اس دعوت کو شکر کے ساتھ قبول کرو اور جس قدر کھانے تمہارے لئے تیار کئے گئے ہیں وہ سارے کھاؤ اور سب سے فائدہ حاصل کرو۔ جو شخص ان سب حکموں میں سے ایک کو بھی ٹالتا ہے میں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ عدالت کے دن مواخذہ کے لائق ہوگا۔

اگر نجات چاہتے ہو تو دین العجائز اختیار کرو اور مسکینی سے قرآن کریم کا جؤا اپنی گردنوں پر ﴿۸۲۹﴾ اٹھاؤ کہ شریر ہلاک ہوگا اور سرکش جہنّم میں گرایا جائے گا۔ پر جو غریبی سے گردن جھکاتا ہے وہ موت سے بچ جائے گا۔ دنیا کی خوشحالی کی شرطوں سے خدا تعالیٰ کی عبادت مت کرو کہ ایسے خیال کے لئے گڑھا در پیش ہے۔ بلکہ تم اس لئے اس کی پرستش کرو کہ پرستش ایک حق خالق کا تم پر ہے۔ چاہیئے پرستش ہی تمہاری زندگی ہو جاوے اور تمہاری نیکیوں کی فقط یہی غرض ہو کہ وہ محبوب حقیقی اور محسنِ حقیقی راضی ہو جاوے کیونکہ جو اس سے کمتر خیال ہے وہ ٹھوکر کی جگہ ہے۔

خدا بڑی دولت ہے اس کے پانے کے لئے مصیبتوں کے لئے تیار ہو جاؤ۔ وہ بڑی مراد ہے۔ اس کے حاصل کرنے کے لئے جانوں کو فدا کرو۔ عزیزو!! خدائے تعالیٰ کے حکموں کو بے قدری سے نہ دیکھو۔ موجودہ فلسفہ کی زہر تم پر اثر نہ کرے۔ ایک بچے کی طرح بن کر اس کے حکموں کے نیچے چلو۔ نماز پڑھو نماز پڑھو کہ وہ تمام سعادتوں کی کُنجی ہے اور جب تُو نماز کے لئے کھڑا ہو تو ایسا نہ کر کہ گویا تُو ایک رسم ادا کر رہا ہے بلکہ نماز سے پہلے جیسے ظاہری وضو کرتے ہو ایسا ہی ایک باطنی وضو بھی کرو۔ اور اپنے اعضاء کو غیر اللہ کے خیال سے دھو ڈالو۔ تب ان دونوں وضوؤں کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور نماز میں بہت دعا کرو اور رونا اور گڑگڑانا اپنی عادت کر لو تا تم پر رحم کیا جائے۔

سچائی اختیار کرو سچائی اختیار کرو کہ وہ دیکھ رہا ہے کہ تمہارے دل کیسے ہیں۔ کیا انسان اس کو ﴿۸۳۰﴾
بھی دھوکہ دے سکتا ہے۔ کیا اس کے آگے بھی مکّاریاں پیش جاتی ہیں۔ نہایت بدبخت آدمی اپنے فاسقانہ افعال اس حد تک پہنچاتا ہے کہ گویا خدا نہیں۔ تب وہ بہت جلد ہلاک کیا جاتا ہے اور خدائے تعالیٰ کو اس کی کچھ پرواہ نہیں ہوتی۔

عزیزو! اس دنیا کی مجرّد منطق ایک شیطان ہے اور اس دنیا کا خالی فلسفہ ایک ابلیس ہے جو ایمانی نور کو نہایت درجہ گھٹا دیتا ہے اور بیباکیاں پیدا کرتا ہے اور قریب قریب دہریّت کے پہنچاتا ہے۔ سو تم اس سے اپنے تئیں بچاؤ اور ایسا دل پیدا کرو جو غریب اور مسکین ہو اور بغیر چون چرا کے حکموں کو ماننے والے ہو جاؤ جیسا کہ بچہ اپنی والدہ کی باتوں کو مانتا ہے۔

قرآن کریم کی تعلیمیں تقویٰ کے اعلیٰ درجہ تک پہنچانا چاہتی ہیں ان کی طرف کان دھرو اور اُن کے موافق اپنے تئیں بناؤ۔

قرآن شریف انجیل کی طرح تمہیں صرف یہ نہیں کہتا کہ نامحرم عورتوں یا ایسوں کو جو
﴿۸۳۱﴾ عورتوں کی طرح محلِ شہوت ہو سکتی ہیں شہوت کی نظر سے مت دیکھو بلکہ اس کی کامل تعلیم کا یہ منشاء ہے کہ تُو بغیر ضرورت نامحرم کی طرف نظر مت اُٹھا نہ شہوت سے اور نہ بغیر شہوت۔

بلکہ چاہیئے کہ تُو آنکھیں بند کر کے اپنے تئیں ٹھوکر سے بچاوے تا تیری دلی پاکیزگی میں کچھ فرق نہ آوے۔ سوتم اپنے مولیٰ کے اس حکم کو خوب یاد رکھو اور آنکھوں کے زنا سے اپنے تئیں بچاؤ اور اس ذات کے غضب سے ڈرو جس کا غضب ایک دم میں ہلاک کرسکتا ہے۔ قرآن شریف یہ بھی فرماتا ہے کہ تُو اپنے کانوں کو بھی نامحرم عورتوں کے ذکر سے بچا اور ایسا ہی ہر یک ناجائز ذکر سے۔

مجھے اس وقت اس نصیحت کی حاجت نہیں کہ تم خون نہ کرو کیونکہ بجز نہایت شریر آدمی کے کون ناحق کے خون کی طرف قدم اٹھاتا ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ ناانصافی پر ضد کر کے سچائی کا خون نہ کرو۔ حق کو قبول کرلو اگرچہ ایک بچہ سے اور اگر مخالف کی طرف حق پاؤ تو پھر فی الفور اپنی خشک منطق کو چھوڑ دو۔ سچ پر ٹھہر جاؤ اور سچی گواہی دو۔ جیسا کہ اللہ جلَّ شَانُہٗ فرماتا ہے فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَ اجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ [1] یعنی بُتوں کی پلیدی سے بچو اور جھوٹ سے بھی کہ وہ بُت سے کم نہیں۔ جو چیز قبلۂ حق سے تمہارا مُنہ پھیرتی ہے وہی تمہاری راہ میں بُت ہے۔ سچی گواہی دو اگرچہ تمہارے باپوں یا بھائیوں یا دوستوں پر ہو۔ چاہیئے کہ کوئی عداوت بھی تمہیں انصاف سے مانع نہ ہو۔ ﴿۸۳۲﴾

باہم ’’بخل‘‘ اور کینہ اور حسد اور بُغض اور بے مہری چھوڑ دو اور ایک ہو جاؤ۔ قرآن شریف کے بڑے حکم دو ہی ہیں۔ ایک توحید و محبت و اطاعت باری عز اسمہٗ۔ دوسری ہمدردی اپنے بھائیوں اور اپنے بنی نوع کی۔ اور ان حکموں کو اس نے تین درجہ پر منقسم کیا ہے۔ جیسا کہ استعدادیں بھی تین ہی قسم کی ہیں اور وہ آیت کریمہ یہ ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِى الْقُرْبٰى [2]۔ پہلے طور پر اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ تم اپنے خالق کے ساتھ اس کی اطاعت میں عدل کا طریق مرعی رکھو ظالم نہ بنو۔ پس جیسا کہ درحقیقت بجز اُس کے کوئی بھی پرستش کے لائق نہیں۔ کوئی بھی محبت کے لائق نہیں کوئی بھی توکّل کے لائق نہیں۔ کیونکہ بوجہ خالقیت اور قیّومیت و ربوبیّت خاصہ کے

[1] الحج: ۳۱ [2] النحل: ۹۱

﴿۸۳۳﴾ ہریک حق اُسی کا ہے۔ اِسی طرح تم بھی اس کے ساتھ کسی کو اُس کی پرستش میں اور اُسکی محبت میں اور اُس کی ربوبیت میں شریک مت کرو۔ اگر تم نے اِس قدر کرلیا تو یہ عدل ہے جس کی رعایت تم پر فرض تھی۔

پھر اگر اس پر ترقی کرنا چاہو تو احسان کا درجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تم اس کی عظمتوں کے ایسے قائل ہو جاؤ اور اُس کے آگے اپنی پرستشوں میں ایسے متادّب بن جاؤ اور اُس کی محبت میں ایسے کھوئے جاؤ کہ گویا تم نے اُس کی عظمت اور جلال اور اُس کے حُسنِ لازوال کو دیکھ لیا ہے۔

بعد اس کے ایتاء ذی القربیٰ کا درجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تمہاری پرستش اور تمہاری محبت اور تمہاری فرمانبرداری سے بالکل تکلّف اور تصنّع دُور ہو جائے اور تم اُس کو ایسے جگری تعلق سے یاد کرو کہ جیسے مثلاً تم اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو اور تمہاری محبت اس سے ایسی ہو جائے کہ جیسے مثلاً بچہ اپنی پیاری ماں سے محبت رکھتا ہے۔

اور دوسرے طور پر جو ہمدردی بنی نوع سے متعلق ہے اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ اپنے ﴿۸۳۴﴾ بھائیوں اور بنی نوع سے عدل کرو اور اپنے حقوق سے زیادہ اُن سے کچھ تعرّض نہ کرو اور انصاف پر قائم رہو۔

اور اگر اس درجہ سے ترقی کرنی چاہو تو اس سے آگے احسان کا درجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تُو اپنے بھائی کی بدی کے مقابل نیکی کرے اور اُس کی آزار کی عوض میں تُو اس کو راحت پہنچاوے اور مروّت اور احسان کے طور پر دستگیری کرے۔

پھر بعد اس کے ایتاء ذی القربیٰ کا درجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تُو جس قدر اپنے بھائی سے نیکی کرے یا جس قدر بنی نوع کی خیر خواہی بجا لاوے اس سے کوئی اور کسی قسم کا احسان منظور نہ ہو بلکہ طبعی طور پر بغیر پیش نہاد کسی غرض کے وہ تجھ سے صادر ہو جیسی شدت قرابت کے جوش سے ایک خویش دوسرے خویش کے ساتھ

نیکی کرتا ہے۔ سو یہ اخلاقی ترقی کا آخری کمال ہے کہ ہمدردی خلائق میں کوئی نفسانی مطلب یا مدّعا یا غرض درمیان نہ ہو بلکہ اخوت و قرابت انسانی کا جوش اس اعلیٰ درجہ پر نشوونما پا جائے کہ خود بخود بغیر کسی تکلّف کے اور بغیر پیش نہاد رکھنے کسی قسم کی شکر گذاری یا دعا یا اور کسی قسم کی پاداش کے وہ نیکی فقط فطرتی جوش سے صادر ہو۔ ﴿۸۳۵﴾

عزیزو! اپنے سلسلہ کے بھائیوں سے جو میری اس کتاب میں درج ہیں باستثنا اس شخص کے کہ بعد اس کے خدائے تعالیٰ اس کو ردّ کر دیوے خاص طور سے محبت رکھو اور جب تک کسی کو نہ دیکھو کہ وہ اس سلسلہ سے کسی مخالفانہ فعل یا قول سے باہر ہو گیا تب تک اس کو اپنا ایک عضو سمجھو۔ لیکن جو شخص مکّاری سے زندگی بسر کرتا ہے اور اپنی بدعہدیوں یا کسی قسم کے جور و جفا سے اپنے کسی بھائی کو آزار پہنچاتا ہے یا وساوس و حرکاتِ مخالف عہد بیعت سے باز نہیں آتا وہ اپنی بدعملی کی وجہ سے اس سلسلہ سے باہر ہے۔ اس کی پرواہ نہ کرو۔

چاہیئے کہ اسلام کی ساری تصویر تمہارے وجود میں نمودار ہو اور تمہاری پیشانیوں میں اثر سجود نظر آوے اور خدائے تعالیٰ کی بزرگی تم میں قائم ہو۔ اگر قرآن اور حدیث کے مقابل پر ایک جہان عقلی دلائل کا دیکھو تو ہرگز اس کو قبول نہ کرو اور یقیناً سمجھو کہ عقل نے لغزش کھائی ہے۔ توحید پر قائم رہو اور نماز کے پابند ہو جاؤ اور اپنے مولیٰ حقیقی کے حکموں کو سب سے مقدّم رکھو اور اسلام کے لئے سارے دُکھ اُٹھاؤ۔ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ [1]۔

---

[1] اٰل عمران: ۱۰۳

بیرونی شہادتیں

بعد ختم کتاب بعض شہادتیں ہم کو ملیں مناسب سمجھ کر اُن کو کتاب کے ساتھ شامل کر دیا
(۱) یہ کہ کوہ نور یکم اگست ۱۸۹۱ء اور نور افشاں ۳۰ جولائی ۱۸۹۱ء میں بحوالہ اخبار عام لکھا ہے ﴿۸۳۶﴾
کہ حال میں امریکہ کے ایک بڑے پادری صاحب پر وہاں کے لوگوں نے کفر کا الزام لگایا ہے۔ وجہ کفر یہ ہے کہ اسے مسیح کے معجزات اور جسمانی طور پر زندہ ہونے مسیح کا اعتقاد نہیں ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ یہ ایک بڑا پادری اسی فرقہ میں سے ہے کہ جو عیسائیوں کے اس عقیدہ سے پھر گیا ہے کہ مسیح زندہ ہے اور پھر دوبارہ دنیا میں آئیگا سو یہ ایک بیرونی شہادت ہے جو خدائے تعالیٰ نے اس عاجز کے دعویٰ پر قائم کی اور عیسائیوں کے ایک محقق پادری سے جو درجہ کی رو سے ایک بڑا پادری ہے وہی اقرار کرایا جس کی نسبت اِس عاجز کو الہامی خبر دی گئی۔ **فالحمد للّٰہ علٰی ذالک۔**

(۲) دوسری یہ کہ ایک بزرگ حاجی حرمین شریفین عبدالرحمٰن نام جنہوں نے دو حج کئے ہیں مرید خاص حضرت حاجی منشی احمد جان صاحب مرحوم و مغفور ساکن لودہیانہ جو مرد پیر بعمر قریب ۸۰ اسی سال کے ہیں اپنی ایک رؤیا میں بیان کرتے ہیں کہ میں نے جس روز مولوی محمد حسین صاحب کی آپ سے یعنی اس عاجز سے بحث ہوئی تھی رات کو خواب میں دیکھا کہ میاں صاحب مرحوم یعنی حاجی احمد جان صاحب نے مجھے اپنے مکان پر بلایا ہے۔ چنانچہ میں گیا اور ہم پانچ آدمی ہو گئے اور سب مل کر حضرت خواجہ اویس قرنی
﴿۸۳۷﴾ کے پاس گئے۔ اُس وقت حضرت اویس قرنی خرقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہنے ہوئے تھے۔ پھر وہاں سے ہم سب اور اویس قرنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں پہنچے اور اویس قرنی نے وہ خرقہ آنحضرت صلعم کے سامنے رکھ دیا اور عرض کی کہ آج

اس خرقہ کی توہین ہوئی اور اس کی حُرمت آپ کے اختیار میں ہے۔آپ ہی کی طرف سے تھا میں صرف ایلچی تھا۔تب میں نے نظر اُٹھا کر دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے داہنی طرف حضرت ابوبکر صدیق اور صحابہ اور بائیں طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیٹھے تھے اور سامنے آپ یعنی یہ عاجز کھڑا ہے اور ایک طرف مولوی محمد حسین کھڑا ہے اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیان کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی یہ عادت ہوتی کہ وہ فوت شدہ لوگوں کو دوبارہ دنیا میں بھیجتا اور میں بھیجا جاتا تو مجھ سے بھی دنیا کے لوگ یونہی پیش آتے جیسا کہ ان کے ساتھ آئے (یعنی اس عاجز کے ساتھ) پھر میاں صاحب مرحوم نے مجھے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ کے بالوں کو دیکھ۔تب میں نے اُن کے سر کے بالوں پر ہاتھ پھیرا تو وہ سیدھے ہو گئے اور جب ہاتھ اُٹھایا تو کُنڈل پڑ گئے۔پھر میاں صاحب نے فرمایا کہ دیکھو ان کی آنکھوں کی طرف۔جب میں نے دیکھا تو آنکھیں شربتی تھیں اور رنگ نہایت سفید جو نہیں دیکھا جاتا تھا۔پھر میاں صاحب نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کا یہی حُلیہ ہے مگر وہ مسیح موعود جس کے آنے کا وعدہ تھا اُس کا حُلیہ وہی ہے جو تم دیکھتے ہو اور آپ کی طرف اشارہ کیا یعنی اس عاجز کی طرف۔پھر مَیں بیدار ہو گیا اور دل پر اس رؤیا کا اثر تار برقی کی طرح پایا۔ ﴿۸۳۸﴾

(۳) تیسری یہ کہ حبّی فی اللّٰہ میاں عبدالحکیم خاں صاحب اپنے رسالہ ذکر الحکیم کے صفحہ ۳۸ میں لکھتے ہیں کہ میں ماہ ستمبر ۱۸۹۰ء میں بموقعہ تعطیلات موسمی تراوڑی میں مقیم تھا۔اُس جگہ میں نے متواتر تین یا چار دفعہ عیسیٰ علیہ السلام کو خواب میں دیکھا اور ایک دفعہ ایسا ہوا کہ میں نے خواب میں سُنا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے ہیں میں یہ خبر سُنکر حضرت مسیح علیہ السلام کی زیارت کیواسطے چلا۔جب آپکی محفل میں پہنچا تو میں نے سب پر سلام کہا اور پوچھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کس جگہ تشریف رکھتے ہیں وہاں مرزا یوسف بیگ صاحب سامانوی جو مرزا صاحب کے مریدوں میں سے ہیں موجود تھے انہوں نے مجھے بتلایا میں ادب سے مسیح علیہ السلام کی طرف چلا۔مگر جب دوبارہ نظر اُٹھا کر دیکھا

تو مرزا غلام احمد صاحب ایک عجیب وجیہ حسین اور شاندار صورت میں تشریف رکھتے ہیں۔ یہ ﴿۸۳۹﴾
خواب میں نے حافظ عبدالغنی صاحب سے جو تراوڑی میں ایک مسجد کا امام ہے بیان کی تھی اور میرزا صاحب نے ابھی مسیح ہونے کا دعویٰ مشتہر نہیں کیا تھا۔

یہ شہادتیں ہیں جو رسالہ کے ختم ہونے کے بعد ہم کو ملیں۔ ایسا ہی ایک اعتراض بھی اس رسالہ کے ختم ہونے کے بعد پیش کیا گیا اور وہ یہ ہے کہ اگر مسیح دجال کے گدھے سے مراد یہی ریل گاڑی ہے تو اس ریل پر تو نیک و بد دونوں سوار ہوتے ہیں بلکہ جس کو مسیح موعود ہونے کا دعویٰ ہے وہ بھی سوار ہوتا ہے پھر یہ دجّال کا گدھا کیوں کر ہو گیا۔ جواب یہ ہے کہ بوجہ ملکیت اور قبضہ اور تصرّف تام اور ایجاد دجّالی گروہ کے یہ دجّال کا گدھا کہلاتا ہے۔ اور اگر عارضی طور پر کوئی اس سے نفع اُٹھاوے تو اس سے وہ اس کا مالک یا موجد ٹھہر نہیں سکتا۔ خرِ دجّال کی اضافت مِلکی ہے۔ پھر اگر خدا تعالیٰ دجّال کی مملوکات و مصنوعات میں سے بھی مومنوں کو نفع پہنچاوے تو اس میں کیا حرج ہے۔ کیا انبیاء کفار کی مملوکات و مصنوعات سے نفع نہیں اُٹھاتے تھے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر خچر کی سواری کرتے تھے حالانکہ احادیث نبویہ سے ثابت ہوتا ہے کہ گدھے سے گھوڑی کو ملانا ممنوع ہے۔ ایسے ہی بہت نمونے پائے جاتے ﴿۸۴۰﴾
ہیں۔ ماسوا اس کے جبکہ مسیح موعود قاتلِ دجّال ہے یعنی روحانی طور پر تو بموجب حدیث من قتل قتیلاً کے جو کچھ دجّال کا ہے وہ مسیح کا ہے۔ علاوہ اس کے مسلم کی حدیث میں جو ابو ہریرہ سے مروی ہے عیسیٰ کے آنے کی یہ نشانیاں لکھی ہیں **لینزلن ابن مریم حکمًا عدلًا فلیکسرن الصلیب ولیقتلن الخنزیر ولیضعن الجزیة ولیترکن القلاص فلا یسعٰی علیھا** یعنی عیسیٰ حَکَم اور عدل ہونے کی حالت میں اُترے گا اس طرح پر کہ مسلمانوں کے اختلافات پر حق کے ساتھ حکم کرے گا اور عدل کو زمین پر قائم کر دے گا صلیب کو توڑے گا خنزیروں کو قتل کرے گا اور جزیہ کو اُٹھا دے گا اور اس کے آنے کا ایک یہ نشان ہو گا

کہ جوان اُونٹنیاں جو بار برداری اور سواری کا بخوبی کام دیتی ہیں چھوڑ دی جائیں گی پھر اُن پر سواری نہیں کی جائے گی۔ اب واضح ہو کہ یہ ریل گاڑی کی طرف اشارہ ہے جس نے تمام سواریوں سے قریباً نوع انسان کو فارغ کر دیا ہے اور جو تمام دنیا کے ستّر ہزار میل میں پھر گئی ہے اور ہندوستان کے سولہ ہزار میل میں۔ چونکہ عرب میں اعلیٰ درجہ کی سواری جو ایک عربی کے تمام گھر کو اُٹھا سکتی ہے اونٹنی کی سواری ہے جو بار برداری اور مسافت کے طے کرنے میں تمام سواریوں سے بڑھ کر ہے اِس لئے آنحضرت صلعم نے اِسی کی طرف اشارہ کیا تا اعلیٰ کے ذکر کرنے سے ادنیٰ خود اس کے ضمن میں آجائے۔ پس فرمایا کہ مسیح موعود کے ظہور کے وقت میں یہ سب سواریاں بے قدر ہو جائیں گی اور کوئی اُن کی طرف التفات نہیں کرے گا یعنی ایک نئی سواری دنیا میں پیدا ہو جائے گی جو دوسری تمام سواریوں کی وقعت کھو دے گی۔ اب اگر عموماً تمام لوگ اِس ریل گاڑی پر سوار نہ ہوں تو یہ پیشگوئی ناقص رہتی ہے۔ ﴿۸۴۱﴾

اس جگہ یہ بھی ظاہر ہے کہ مسلم کی حدیث سے جو فاطمہ بنت قیس سے مروی ہے ثابت ہوتا ہے جو دجّال ہندوستان سے نکلنے والا ہے جس کا گدھا دخان کے زور سے چلے گا جیسے بادل جس کے پیچھے ہوا ہوتی ہے اور ایسا ہی مسیح بھی اسی ملک میں اوّل ظہور کرے گا گو بعد میں مسافر کے طور پر کسی اور ملک دمشق وغیرہ میں نزول کرے۔ نزول کا لفظ جو دمشق کے ساتھ لگایا گیا ہے خود دلالت کر رہا ہے جو دمشق میں اس کا آنا مسافرانہ طور پر ہوگا اور اصل ظہور کسی اور ملک میں اور ظاہر ہے کہ جس جگہ دجّال ظہور کرے اُسی جگہ مسیح کا آنا ضروری ہے کیونکہ مسیح دجّال کے لئے بھیجا گیا ہے اور یہ بھی اسی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ دجّال خود نہیں نکلے گا بلکہ اس کا کوئی مثیل نکلے گا اور حدیث کے لفظ یہ ہیں الا انّہ فی بحر الشام او بحر الیمن لا بل من قبل المشرق ماھو و اَوْمیٰ بیدہ الی المشرق رواہ مسلم۔ یعنی خبردار ہو کیا دجّال بحر شام میں ہے یا بحر یمن میں۔ نہیں بلکہ وہ مشرق کی طرف سے نکلے گا۔ نہیں وہ یعنی وہ نہیں نکلے گا بلکہ اس کا ﴿۸۴۲﴾

مثیل نکلے گا اور مشرق کی طرف اشارہ کیا۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ تمیم داری کا خیال تو یہ تھا کہ دجّال بحر شام میں ہے یعنی اس طرف کسی جزیرہ میں۔ کیونکہ تمیم نصرانی ہونے کے زمانہ میں اکثر ملک شام کی طرف جاتا تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال کو ردّ کر دیا اور فرمایا کہ وہ مشرق کی کسی خاص طرف سے نکلے گا اور ممالک مشرقیہ میں ہندوستان داخل ہے۔ اس جگہ یہ بھی یاد رہے کہ اس خبر تمیم داری کی تصدیق کے بارے میں ایسے الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ سے ہرگز نہیں نکلے جو اس بات پر دلالت کرتے ہوں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تمیم داری کے دجّال کا وجود یقین کر لیا تھا بلکہ اس بات کی تصدیق پائی جاتی ہے کہ دجّال مدینہ منوّرہ اور مکہ معظّمہ میں داخل نہیں ہوگا۔ ماسوا اس کے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ تصدیق وحی کی رو سے ہے اور جاننے والے اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ آنحضرت صلعم جو اخبار و حکایات بیان کردہ تصدیق کرتے تھے اس کے لئے یہ ضرور نہیں ہوتا تھا کہ وہ تصدیق وحی کی رُو سے ہو۔ بلکہ بسا اوقات محض مخبر کے اعتبار کے خیال سے تصدیق کر لیا کرتے تھے۔ چنانچہ کئی دفعہ یہ اتفاق ہوا ہوگا کہ آنحضرت صلعم نے کسی مخبر کی خبر کو صحیح سمجھا اور بعد ازاں وہ خبر غلط نکلی بلکہ بعض وقت ایک مخبر کے اعتبار پر یہ خیال کیا گیا کہ دشمن چڑھائی کرنے والا ہے اور پیش قدمی کے طور پر اس پر چڑھائی کر دی گئی لیکن آخر کار وہ خبر غلط نکلی۔ انبیاء لوازم بشریت سے بالکل الگ نہیں کئے جاتے۔ ہاں وحی الٰہی کے پہنچانے میں محفوظ اور معصوم ہوتے ہیں۔ سو یہ قصہ تمیم داری والا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سُنا ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وحی کی رُو سے آنحضرت صلعم نے اس قصہ کی تصدیق کی اور حدیث میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں کہ اس خیال پر دلالت کر سکے۔ پس صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلعم کے الفاظ سے جس قدر تصدیق اس قصہ کی پائی جاتی تھی وہ تصدیق وحی کی رو سے ہرگز نہیں۔ بلکہ محض عقلی طور پر اعتبار راوی کے لحاظ سے ہے۔ کیونکہ تمیم داری اس قصہ کے بیان کرنے کے

﴿۸۴۳﴾

وقت مسلمان ہو چکا تھا اور بوجہ مشرف باسلام ہونے کے اس لائق تھا کہ اس کے بیان کو عزت اور اعتبار کی نظر سے دیکھا جائے۔ واللّٰہ اعلم بالصواب وھذا اٰخر ما اردنا فی ھذا الباب والحمد للّٰہ اوّلًا و اٰخرًا و الیہ المرجع والمآب

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم ﴿۸۴۴﴾

نحمدہٗ و نصلی

گذارش ضروری بخدمت اُن صاحبوں کے جو بیعت کرنے کے لئے مستعد ہیں

اے اخوان مؤمنین ایّدکم اللّٰہ بروح منہ۔ آپ سب صاحبوں پر جو اس عاجز سے خالصًا لطلب اللہ بیعت کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں☆ واضح ہو کہ بالقائے رب کریم ﴿۸۴۵﴾ وجلیل (جس کا ارادہ ہے کہ مسلمانوں کو انواع واقسام کے اختلافات اور غل اور حقد اور نزاع اور فساد اور کینہ اور بُغض سے جس نے اُن کو بے برکت ونکمّا و کمزور کر دیا ہے نجات دے کر فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِہٖۤ اِخۡوَانًا[1] کا مصداق بنادے) مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض فوائد ومنافع بیعت کے جو آپ لوگوں کے لئے مقدر ہیں اس ﴿۸۴۶﴾ انتظام پر موقوف ہیں کہ آپ سب صاحبوں کے اسماء مبارکہ ایک کتاب میں

☆ تاریخ ھذا سے جو ۴ مارچ ۱۸۸۹ء ہے ۲۵ مارچ تک یہ عاجز لودہیانہ محلّہ جدید میں مقیم ہے اس عرصہ میں اگر کوئی صاحب آنا چاہیں تو لودہیانہ میں ۲۰ تاریخ کے بعد آجاویں اور اگر اس جگہ آنا موجب حرج ودقت ہو تو ۲۵ مارچ کے بعد جس وقت کوئی چاہے قادیان میں بعد اطلاع دہی بیعت کرنے کے لئے حاضر ہوجاوے۔ مگر جس مدعا کے لئے بیعت ہے یعنی حقیقی تقویٰ اختیار کرنا اور سچا مسلمان بننے کیلئے کوشش کرنا۔ اس مدعا کو خوب یاد رکھے۔ اور اس وہم میں نہیں پڑنا چاہیئے کہ اگر تقویٰ اور سچا مسلمان ﴿۸۴۵﴾ بننا پہلے ہی سے شرط ہے تو پھر بعد اس کے بیعت کی کیا حاجت ہے۔ بلکہ یاد رکھنا چاہیئے کہ بیعت اس غرض سے ہے کہ تا وہ تقویٰ کہ جو اوّل حالت میں تکلّف اور تصنّع سے اختیار کی جاتی ہے دوسرا رنگ پکڑے اور ببرکت توجہ صادقین وجذبہ کاملین طبیعت میں داخل ہوجائے اور اس کا جز بن جائے (حاشیہ)

[1] اٰل عمران: ۱۰۴

بقید ولدیّت وسکونت مستقل وعارضی طور معہ کسی قدر کیفیت کے (اگر ممکن ہو) اندراج پاویں اور پھر جب وہ اسماء مندرجہ کسی تعداد موزوں تک پہنچ جائیں تو اُن سب ناموں کی ایک فہرست تیار کر کے اور چھپوا کر ایک ایک کاپی اس کی تمام بیعت کرنے والوں کی ﴿۸۴۷﴾
خدمت میں بھیجی جائے اور پھر جب دوسرے وقت میں نئی بیعت کرنے والوں کا ایک معتد بہ گروہ ہوجاوے تو ایسا ہی اُن کے اسماء کی بھی فہرست تیار کر کے تمام مبائعین یعنی داخلین بیعت میں شائع کی جائے اور ایسا ہی ہوتا رہے جب تک ارادہ الٰہی اپنے اندازہ مقدر تک پہنچ جائے۔ یہ انتظام جس کے ذریعہ سے راستبازوں کا گروہ کثیر ایک ہی سلک میں منسلک ہو کر وحدت مجموعی کے پیرایہ میں خلق اللہ پر جلوہ نما ہوگا اور اپنی سچائی کے مختلف المخرج شعاعوں کو ایک ہی خط ممتد میں ظاہر کرے گا۔ خداوند عزّ و جلّ کو بہت پسند آیا ہے۔ مگر چونکہ یہ کارروائی بجز اس کے بآسانی وصحت انجام پذیر نہیں ہوسکتی کہ خود مبایعین اپنے ہاتھ سے خوشخط قلم سے لکھ کر اپنا تمام پتہ ونشان بتفصیل مندرجہ بالا بھیج دیں۔ اس لئے ہر ایک صاحب کو جو صدق دل اور خلوص تام سے بیعت کرنے کے لئے

بقیہ حاشیہ

اور وہ مشکوٰتی نور دل میں پیدا ہوجاوے کہ جو عبودیت اور ربوبیت کے باہم تعلق شدید سے پیدا ہوتا ہے جس کو متصوفین دوسرے لفظوں میں روح قدس بھی کہتے ہیں جس کے پیدا ہونے کے بعد خدائے تعالیٰ کی نافرمانی ایسی بالطبع بُری معلوم ہوتی ہے جیسی وہ خود خدائے تعالیٰ کی نظر میں بُری ومکروہ ہے اور نہ صرف خلق اللہ سے انقطاع میسر آتا ہے بلکہ بجز خالق ومالک حقیقی ہر یک موجود کو کالعدم سمجھ کر فنا نظری کا درجہ حاصل ہوتا ہے سو اس نور کے پیدا ہونے کے لئے ابتدائی اتّقا جسکو طالب صادق اپنے ساتھ لاتا ہے شرط ہے جیسا کہ ﴿۸۴۶﴾
اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کی علّت غائی بیان کرنے میں فرمایا ہے **ھُدًی للمتّقین** یہ نہیں فرمایا کہ **ھدی للفاسقین** یا **ھُدًی للکافرین** ابتدائی تقویٰ جس کے حصول سے متقی کا لفظ انسان پر صادق آسکتا ہے۔ وہ ایک فطرتی حصہ ہے کہ جو سعیدوں کی خلقت میں رکھا گیا ہے اور ربوبیت اولیٰ اس کی مربی اور وجود بخش ہے جس سے متقی کا

مستعد ہیں تکلیف دی جاتی ہے کہ وہ بتحریر خاص اپنے پورے پورے نام وولدیت وسکونت مستقل وعارضی سے اطلاع بخشیں یا اپنے حاضر ہونے کے وقت یہ تمام امور درج کرا دیں۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی کتاب کا مرتب وشائع ہونا جس میں تمام بیعت کرنے والوں کے نام و
﴿۸۴۸﴾ دیگر پتہ ونشان درج ہو انشاء اللہ القدیر بہت سی خیر و برکت کا موجب ہوگا۔ ازانجملہ ایک بڑی عظیم الشان بات یہ ہے کہ اس ذریعہ سے بیعت کرنے والوں کا بہت جلد باہم تعارف ہو جائے گا اور باہم خط وکتابت کرنے اور افادہ واستفادہ کے وسائل نکل آئیں گے اور غائبانہ ایک دوسرے کو دعائے خیر سے یاد کریں گے۔ اور نیز اس باہمی شناسائی کی رو سے ہر ایک محل وموقعہ پر ایک دوسرے کی ہمدردی کر سکیں گے۔ اور ایک دوسرے کی غمخواری میں یارانِ موافق و دوستانِ صادق کی طرح مشغول ہو جائیں گے اور ہر ایک کو ان میں سے اپنے ہم ارادت لوگوں کے ناموں پر اطلاع پانے سے معلوم ہو جائے گا کہ اس کے روحانی بھائی دنیا میں کس قدر پھیلے ہوئے ہیں اور کن کن خداداد فضائل سے متصف ہیں۔ سو یہ علم اُن پر ظاہر کرے گا کہ خدائے تعالیٰ نے کس خارق عادت طور پر اس جماعت کو تیار کیا ہے اور کس سرعت اور جلدی سے دنیا میں پھیلایا ہے۔ اور اس جگہ اس وصیت کا لکھنا بھی موزوں معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک شخص اپنے بھائی سے بکمال ہمدردی ومحبت پیش آوے اور حقیقی بھائیوں سے بڑھ کر اُن کا قدر کرے۔ اُن سے جلد صلح کر لیوے اور دلی غبار کو دُور کر دیوے اور صاف
﴿۸۴۹﴾ باطن ہو جاوے اور ہرگز ایک ذرا کینہ اور بُغض اُن سے نہ رکھے۔ لیکن اگر کوئی عمدًا

بقیہ حاشیہ: پہلا تولد ہے مگر وہ اندرونی نور جو روح القدس سے تعبیر کیا گیا ہے وہ عبودیت خالصہ تامہ اور ربوبیت کاملہ مستجمعہ کے پورے جوڑ واتصال سے بطرز ثُمَّ اَنۡشَاۡنٰہُ خَلۡقًا اٰخَرَ[1] کے پیدا ہوتا ہے اور یہ ربوبیت ثانیہ ہے جس سے متقی تولد ثانی پاتا ہے اور ملکوتی مقام پر پہنچتا ہے اور اس کے بعد ربوبیت ثالثہ کا درجہ ہے جو خلق جدید سے موسوم ہے جس سے متقی لاہوتی مقام پر پہنچتا ہے اور تولد ثالث پاتا ہے۔ فتدبّر منه

[1] المومنون: ۱۵

ان شرائط کی خلاف ورزی کرے جو اشتہار ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء میں مندرج ہیں اور اپنی بے باکانہ حرکات سے باز نہ آوے تو وہ اس سلسلہ سے خارج شمار کیا جاویگا۔ یہ سلسلہ بیعت محض بمراد فراہمی طائفہ متقین یعنی تقویٰ شعار لوگوں کی جماعت کے جمع کرنے کے لئے ہے تا ایسے متقیوں کا ایک بھاری گروہ دنیا پر اپنا نیک اثر ڈالے ☆ اور اُن کا اتفاق اسلام کے لئے برکت وعظمت ونتائج خیر کا موجب ہو اور وہ ببرکت کلمہ واحدہ پر متفق ہونے کے اسلام کی ﴿۸۵۰﴾ پاک ومقدس خدمات میں جلد کام آسکیں اور ایک کاہل اور بخیل و بے مصرف مسلمان نہ ہوں اور نہ اُن نالائق لوگوں کی طرح جنھوں نے اپنے تفرقہ ونااتفاقی کی وجہ سے اسلام کو سخت نقصان پہنچایا ہے اور اس کے خوبصورت چہرہ کو اپنی فاسقانہ حالتوں سے داغ لگا دیا ہے اور نہ ایسے غافل درویشوں اور گوشہ گزینوں کی طرح جن کو اسلامی ضرورتوں کی کچھ بھی خبر نہیں اور اپنے بھائیوں کی ہمدردی سے کچھ غرض نہیں اور بنی نوع کی بھلائی کے لئے کچھ جوش نہیں بلکہ وہ ایسے قوم کے ہمدرد ہوں کہ غریبوں کی پناہ ہو جائیں۔ یتیموں کے لئے بطور باپوں کے بن جائیں اور اسلامی کاموں کے انجام دینے کے لئے عاشق زار کی طرح

﴿۸۴۹﴾ ☆ **حاشیہ** اس جماعت کے نیک اثر سے جیسے عامہ خلائق منتفع ہوں گی۔ ایسا ہی اس پاک باطن جماعت کے وجود سے گورنمنٹ برطانیہ کے لئے انواع اقسام کے فوائد متصوّر ہوں گے جن سے اس گورنمنٹ کو خداوند عزّ و جل کا شکر گذار ہونا چاہیئے۔ ازانجملہ ایک یہ کہ یہ لوگ سچے جوش او ر دلی خلوص سے اس گورنمنٹ کے خیر خواہ اور دعا گو ہوں گے کیونکہ بموجب تعلیم اسلام (جس کی پیروی اس گروہ کا عین مدعا ہے) حقوق عباد کے متعلق اس سے بڑھکر کوئی گناہ کی بات اور خبث اور ظلم اور پلید راہ نہیں کہ انسان جس سلطنت کے زیر سایہ بامن وعافیت زندگی بسر کرے اور اسکی حمایت سے اپنے دینی ودنیوی مقاصد میں بآزادی کوشش کر سکے اسی کا بدخواہ وبداندیش ہو۔ بلکہ جب تک ایسی گورنمنٹ کا شکر گذار نہ ہو تب تک خدائے تعالےٰ کا بھی شکر گذار نہیں۔ پھر دوسرا فائدہ اس بابرکت گروہ کی ترقی سے گورنمنٹ کو یہ ہے کہ ان کا عملی طریق موجب انسداد جرائم ہے۔ فتفکروا و تاملوا۔ منه

فدا ہونے کو تیار رہوں اور تمام تر کوشش اس بات کے لئے کریں کہ ان کی عام برکات دنیا میں پھیلیں اور محبت الٰہی اور ہمدردی بندگان خدا کا پاک چشمہ ہر یک دل سے نکل کر اور ایک جگہ اکٹھا ہو کر ایک دریا کی صورت میں بہتا ہوا نظر آوے۔ خدا تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ محض اپنے فضل اور کرامت خاص سے اس عاجز کی دعاؤں اور اس ناچیز کی توجہ کو ان کی پاک استعدادوں کے ظہور و بروز کا وسیلہ ٹھہراوے۔ اور اُس قدّوس جلیل الذات نے مجھے جوش بخشا ہے تا میں ان طالبوں کی تربیت باطنی میں مصروف ہو جاؤں اور اُن کی آلودگی کے ازالہ کے لئے رات دن کوشش کرتا رہوں اور اُن کے لئے وہ نور مانگوں جس سے انسان نفس اور شیطان
کی غلامی سے آزاد ہو جاتا ہے اور بالطبع خدائے تعالیٰ کی راہوں سے محبت کرنے لگتا ہے اور ﴿۸۵۱﴾
اُن کے لئے وہ روح قدس طلب کروں جو ربوبیت تامہ اور عبودیت خالصہ کے جوڑ سے پیدا ہوتی ہے اور اس روح خبیث کی تکفیر سے اُن کی نجات چاہوں کہ جو نفس امّارہ اور شیطان کے تعلق شدید سے جنم لیتی ہے۔ سو میں بتوفیقہ تعالیٰ کاہل اور سُست نہیں رہونگا اور اپنے دوستوں کی اصلاح طلبی سے جنہوں نے اس سلسلہ میں داخل ہونا بصدق قدم اختیار کر لیا ہے غافل نہیں ہوں گا بلکہ اُن کی زندگی کے لئے موت تک دریغ نہیں کروں گا اور اُن کے لئے خدائے تعالیٰ سے وہ روحانی طاقت چاہوں گا جس کا اثر برقی مادہ کی طرح اُن کے تمام وجود میں دوڑ جائے۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ اُن کے لئے کہ جو داخل سلسلہ ہو کر صبر سے منتظر رہیں گے ایسا ہی ہو گا کیونکہ خدائے تعالیٰ نے اس گروہ کو اپنا جلال ظاہر کرنے کے لئے اور اپنی قدرت دکھانے کے لئے پیدا کرنا اور پھر ترقی دینا چاہا ہے تا دنیا میں محبت الٰہی اور توبہ نصوح اور پاکیزگی اور حقیقی نیکی اور امن اور صلاحیت اور بنی نوع کی ہمدردی کو پھیلاوے۔ سو یہ گروہ اس کا ایک خالص گروہ ہو گا اور وہ انہیں آپ اپنی روح سے قوت دے گا اور انہیں گندی زیست سے صاف کرے گا اور ان کی زندگی میں
ایک پاک تبدیلی بخشے گا۔ وہ جیسا کہ اُس نے اپنی پاک پیشگوئیوں میں وعدہ فرمایا ہے ﴿۸۵۲﴾

اس گروہ کو بہت بڑھائے گا اور ہزار ہا صادقین کو اس میں داخل کرے گا وہ خود اس کی آبپاشی کرے گا اور اس کو نشوونما دے گا۔ یہاں تک کہ اُن کی کثرت اور برکت نظروں میں عجیب ہو جائے گی اور وہ اس چراغ کی طرح جو اُونچی جگہ رکھا جاتا ہے دنیا کے چاروں طرف اپنی روشنی کو پھیلائیں گے اور اسلامی برکات کے لئے بطور نمونہ کے ٹھہریں گے وہ اس سلسلہ کے کامل متبعین کو ہر یک قسم کی برکت میں دوسرے سلسلہ والوں پر غلبہ دے گا اور ہمیشہ قیامت تک اُن میں سے ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے جن کو قبولیت اور نصرت دی جائے گی۔ اس رب جلیل نے یہی چاہا ہے وہ قادر ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے ہر یک طاقت اور قدرت اُسی کو ہے۔ **فالحمد لهٗ اوّلا و اٰخرًا و ظاهرًا و باطنًا اسلمنا له' هو مولانا فی الدنیا و الاٰخرة نعم المولٰی و نعم النصیر۔**

خاکسار

غلام احمد۔ لودھیانہ۔ محلّہ جدید متصل مکان اخی

مکرمی منشی حاجی احمد جان صاحب مرحوم و مغفور۔

۴۔ مارچ ۱۸۸۹ء

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم ﴿۸۵۳﴾

نحمدهٗ و نصلی

تکمیل تبلیغ

مضمون تبلیغ جو اس عاجز نے اشتہار یکم دسمبر ۱۸۸۸ء میں شائع کیا ہے جس میں بیعت کے لئے حق کے طالبوں کو بلایا ہے اس کی مجمل شرائط کی تشریح یہ ہے۔ **اوّل** بیعت کنندہ سچے دل سے عہد اس بات کا کرلے کہ آئندہ اُس وقت تک کہ قبر میں داخل ہو جائے شرک سے مجتنب رہے۔ **دوم** یہ کہ جھوٹ اور زنا اور بدنظری اور ہر یک فسق اور فجور اور ظلم اور خیانت

اور فساد اور بغاوت کے طریقوں سے بچتا رہے گا اور نفسانی جوشوں کے وقت اُن کا مغلوب نہیں ہوگا اگرچہ کیسا ہی جذبہ پیش آوے۔ سوم یہ کہ بلا ناغہ پنجوقتہ نماز موافق حکم خدا اور رسول کے ادا کرتا رہے گا اور حتی الوسع نماز تہجّد کے پڑھنے اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے اور ہر روز اپنے گناہوں کی معافی مانگنے اور استغفار کرنے میں مداومت اختیار کرے گا اور دلی محبت سے خدائے تعالیٰ کے احسانوں کو یاد کر کے اس کی حمد اور تعریف کو ہر روزہ اپنا ورد بنائے گا۔ چہارم یہ کہ عام خلق اللہ کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً اپنے نفسانی جوشوں سے کسی
نوع کی ناجائز تکلیف نہیں دے گا۔ نہ زبان سے نہ ہاتھ سے نہ کسی اور طرح سے۔ پنجم یہ کہ ہر ﴿۸۵۴﴾
حال رنج و راحت اور عُسر اور یُسر اور نعمت اور بلا میں خدا تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کرے گا اور بہر حالت راضی بقضا ہوگا۔ اور ہر یک ذلّت اور دکھ کے قبول کرنے کے لئے اس کی راہ میں طیار رہے گا اور کسی مصیبت کے وارد ہونے پر اس سے مُنہ نہیں پھیرے گا بلکہ آگے قدم بڑھائے گا۔ ششم یہ کہ اتباع رسم اور متابعت ہوا و ہوس سے باز آئے گا اور قرآن شریف کی حکومت کو بکلّی اپنے سر پر قبول کرلے گا اور قال اللہ اور قال الرسول کو اپنی ہر یک راہ میں دستور العمل قرار دے گا۔ ہفتم یہ کہ تکبّر اور نخوت کو بکلی چھوڑ دے گا اور فروتنی اور عاجزی اور خوش خلقی اور حلیمی اور مسکینی سے زندگی بسر کرے گا۔ ہشتم یہ کہ دین اور دین کی عزت اور ہمدردئ اسلام کو اپنی جان اور اپنے مال اور اپنی عزت اور اپنی اولاد اور اپنے ہر یک عزیز سے زیادہ تر عزیز سمجھے گا۔ نہم یہ کہ عام خلق اللہ کی ہمدردی میں محض للہ مشغول رہے گا اور جہاں تک بس چل سکتا ہے اپنی خداداد طاقتوں اور نعمتوں سے بنی نوع کو فائدہ پہنچائے گا۔ دہم یہ کہ اس عاجز سے عقد اخوت محض لِلّٰہ باقرار طاعت در معروف باندھ کر اس پر تا وقت مرگ قائم رہے گا اور اس عقد اخوت میں ایسا اعلیٰ درجہ کا ہوگا کہ اس کی نظیر دنیوی رشتوں اور تعلقوں اور تمام خادمانہ حالتوں میں پائی نہ جاتی ہو۔

یہ وہ شرائط ہیں کہ جو بیعت کرنے والوں کے لئے ضروری ہیں جن کی تفصیل یکم دسمبر ۱۸۸۸ء

﴿۸۵۵﴾ کے اشتہار میں نہیں لکھی گئی۔ اور الہامات جو اس بارہ میں آج تک ہوئے ہیں وہ یہ ہیں۔ اذا عزمت فتوکل علی اللّٰہ واصنع الفلک باعیننا و وحینا الذین یبایعونک انما یبایعون اللّٰہ یداللّٰہ فوق ایدیھم یعنی جب تُو نے اس خدمت کے لئے قصد کرلیا تو خدائے تعالیٰ پر بھروسا کر اور یہ کشتی ہماری آنکھوں کے روبرو اور ہماری وحی سے بنا۔ جو لوگ تجھ سے بیعت کریں گے وہ تجھ سے نہیں بلکہ خدا سے بیعت کریں گے۔ خدا کا ہاتھ ہوگا جو اُن کے ہاتھوں پر ہوگا۔ پھر ان دنوں کے بعد جب لوگ مسیح موعود کے دعویٰ سے سخت ابتلاء میں پڑ گئے یہ الہامات ہوئے۔ الذین تابوا واصلحوا اولٰئک اتوب علیھم وانا التواب الرحیم۔ امم یسرنا لھم الھدیٰ وامم حق علیھم العذاب ویمکرون ویمکر اللّٰہ واللّٰہ خیر الماکرین و لکید اللّٰہ اکبر ۔ وان یتخذونک الا ھزوا اھذا الذی بعث اللّٰہ۔ قل ایھا الکفار انی من الصادقین۔ فانتظروا اٰیاتی حتی حین سنریھم اٰیٰتنا فی الاٰفاق۔ و فی انفسھم حجۃ قائمۃ وفتح مبین. ان اللّٰہ یفصل بینکم ان اللّٰہ لا یھدی من ھو مسرف کذّاب۔ یریدون ان یطفئوا نور اللّٰہ بافواھھم واللّٰہ متم نورہٖ ولو کرہ الکٰفرون ۔نرید ان ننزل علیک اسرارًا من السمآء ونمزق الاعداء کل ممزق ونری فرعون وھامان وجنودھما ما کانوا یحذرون سلّٰطنا کلا با علیک وغیظنا سباعًا من قولک وفتناک فتونا فلا تحزن علی الذی قالوا ان ربک لبالمرصاد۔ حکم اللّٰہ الرحمٰن لخلیفۃ اللّٰہ السلطان یوتی لہ الملک العظیم ویفتح علیٰ یدہ الخزائن وتشرق الارض بنور ربھا ذالک فضل اللّٰہ و فی اعینکم عجیب ۔ یعنی جو لوگ توبہ کریں گے اور اپنی حالت کو ﴿۸۵۶﴾
درست کرلیں گے تب میں بھی اُن کی طرف رجوع کروں گا اور میں توّاب اور رحیم ہوں۔ بعض گروہ وہ ہیں جن کے لئے ہم نے ہدایت کو آسان کر دیا اور بعض وہ ہیں جن پر عذاب ثابت ہوا۔ وہ مکر کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی مکر کر رہا ہے اور وہ خیر الماکرین ہے اور اس کا

مکر بہت بڑا ہے۔اور تجھے ٹھٹھوں میں اُڑاتے ہیں۔کیا یہی ہے جو مبعوث ہو کر آیا ہے ان کو کہدے کہ اے منکرو! میں صادقوں میں سے ہوں۔اور کچھ عرصہ کے بعد تم میرے نشان دیکھو گے۔ہم انہیں ان کے اردگرد اور خود انہیں میں اپنے نشان دکھائیں گے۔حجت قائم کی جائے گی اور فتح کھلی کھلی ہوگی۔خدا تم میں فیصلہ کردے گا۔وہ کسی جھوٹے حد سے بڑھنے والے کا رہنما نہیں ہوتا۔چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نور کو بُجھا دیں مگر خدا اسے پورا کرے گا اگرچہ منکر لوگ کراہت ہی کریں۔ ہمارا ارادہ یہ ہے کہ کچھ اسرار تیرے پر آسمان سے نازل کریں اور دشمنوں کو ٹکڑے ٹکڑے کردیں۔اور فرعون اور ہامان اور اُن کے لشکروں کو وہ باتیں دکھا دیں جن سے وہ ڈرتے ہیں۔ہم نے کتّوں کو تیرے پر مسلّط کیا۔اور درندوں کو تیری بات سے غصہ دلایا۔اور سخت آزمائش میں تجھے ڈال دیا۔سو تُو اُن کی باتوں سے کچھ غم نہ کر۔تیرا رب گھات میں ہے وہ خدا جو رحمٰن ہے وہ اپنے خلیفہ سلطان کے لئے مندرجہ ذیل حکم صادر کرتا ہے کہ اس کو ایک ملک عظیم دیا جائے گا اور خزائن علوم و معارف اس کے ہاتھ پر کھولے جائیں گے اور زمین اپنے رب کے نور سے روشن ہو جائے گی۔یہ خدائے تعالیٰ کا فضل ہے اور تمہاری آنکھوں میں عجیب۔اس جگہ بادشاہت سے مراد دنیا کی بادشاہت نہیں اور نہ خلافت سے مراد دنیا کی خلافت بلکہ جو مجھے دیا گیا ہے وہ محبت کے ملک کی بادشاہت اور معارف الٰہی کے خزانے ہیں جن کو بفضلہٖ تعالیٰ اس قدر دوں گا کہ لوگ لیتے لیتے تھک جائیں گے۔

تمت

اکتیسؔ جولائی ۱۸۹۱ء کا (بمقام لودھیانہ) مباحثہ

اور

حضرت مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی کا واقعات کے برخلاف اشتہار

﴿۸۵۷﴾

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا اشتہار مورخہ یکم اگست ۱۸۹۱ء میری نظر سے گذرا۔ جس کے دیکھنے سے مجھے سخت تعجب ہوا۔ کہ مولوی صاحب نے کیسی بے باکی سے اپنے اس اشتہار کو سراسر افترآت اور اکاذیب سے بھر دیا ہے۔ وہ نہایت چالاکی سے شرائط شکنی کا الزام میرے ذمہ لگاتے ہیں۔ لیکنؔ اصل حقیقت جس کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے یہ ہے کہ وہ ایک دن بھی ﴿۸۵۸﴾ شرائط مقررہ پر قائم نہیں رہ سکے۔ چنانچہ وہ اکثر برخلاف شرط قرار یافتہ کے اول مضمون مباحثہ اپنے ہاتھ سے لکھ کر پھر دوسرے سے لکھوا کر اور جا بجا کم وبیش کر کے تحریر ثانی کو دیتے رہے ہیں اور اگر اُن کی اوّل تحریر اور ثانی کا مقابلہ کیا جائے تو صاف ظاہر ہوگا کہ تحریر ثانی میں بہت کچھ تصرف ہے جو طریق دیانت اور امانت سے بالکل بعید تھا یہ اُن کی پہلی عہد شکنی ہے جو اخیر تک اُن سے ظہور میں آتی گئی۔ پھر دوسری عہد شکنی یہ کہ انہوں نے پہلے ہی سے یہ عادت ٹھہرا لی کہ سُنانے کے وقت تحریر سے تجاوز کر کے بہت کچھ وعظ کے طور پر صرف زبانی کہتے رہے جس کا کوئی نام ونشان تحریر میں نہیں تھا۔ جب انہوں نے اپنی وہ تحریر جو ۶۷ صفحہ کی تھی سُنائی تو بکلّی شرطوں کو توڑ کر زبانی وعظ شروع کر دیا۔ اور ان زبانی کلمات میں سے ایک یہ بھی تھا کہ میں حدیثوں کے تعارض کو ایک دم میں رفع کر سکتا ہوں۔ ابھی رفع کر سکتا ہوں اور ساتھ اس کے بہت سی تیزی اور خلاف تہذیب اور چالاکی کی باتیں تھیں جن میں بار بار یہ جتلانا انہیں منظور تھا کہ یہ شخص نافہم ہے۔ نادان ہے۔ جاہل ہے۔ لیکن اس عاجز نے اُن کی اِن تمام دل آزار باتوںؔ پر صبر کیا اور اُن کی ﴿۸۵۹﴾

اس عہد شکنی پر بھی تعرض کرنا مناسب نہ سمجھا۔ تا گریز اور التواء بحث کے لئے انکو کوئی حیلہ نہ ہاتھ آجائے۔ وہ قسم کھا کر بیان کریں میں قبول کرلوں گا کہ کیا اُن کی اس عہد شکنی سے پہلے کوئی ایک ذرہ خلاف عہد بات مجھ سے بھی ظہور میں آئی۔ اور اگرچہ مجھے خوب معلوم تھا کہ ایک غیر ضروری بحث طول پکڑتی جاتی ہے اور باوجودیکہ امور مستفسرہ کا جواب شافی کافی دیا گیا ہے پھر بھی مولوی صاحب صرف اصل بحث کو ٹالنے کی غرض سے تمہیدی امور کی بے سُود دُم کھینچتے چلے جاتے ہیں۔ لیکن میں اس بات سے ڈرتا ہی رہا کہ اگر میں نے کچھ بھی بات کی تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مولوی صاحب ایک بہانہ تراش کر اپنے گھر کی طرف سدھاریں گے حاضرین مجلس جو میرے اور مولوی صاحب کے مباحثات کو دیکھتے رہے محض للہ شہادت دے سکتے ہیں کہ میں نے اُن کی سخت زبانیوں پر بھی جو میرے بالمواجہ اُن سے ظہور میں آتی رہیں بہت صبر کیا اور ہر ایک وقت جو انہوں نے میرا نام جاہل یا نادان رکھا تو میں نے اپنے دل کو سمجھایا کہ سچ تو ہے بجز خداوند علیم مطلق کے کون ہے جو دانا کہلا سکتا ہے اور اگر انہوں نے مجھے مفتری کہا تو میں نے اپنے دل کو تسلی دی کہ پہلے بھی خدا تعالیٰ کے پاک نبیوں کو یہی کہا گیا ہے۔ اور اگر انہوں نے مجھے کاذب کاذب کر کے پکارا تو میں نے اپنے دل پر قرآن کریم کی آیتیں عرض کیں کہ دیکھ پہلے راستباز بھی کاذب کاذب کر کے پکارے گئے ہیں۔ غرض اسی طرح میں نے ﴿۸۶۰﴾
صبر سے گیاراں روز گذارے اور شہر میں اُن کی بدزبانی کا شور پڑ گیا۔ اور جس روز انہوں نے چھہتر ۷۶ صفحہ کا جواب سُنایا اور بہت کچھ بدزبانی اور چالاکی کی باتیں خارج از تحریر بیان کیں تو اُس وقت میں نے ایک مجمع کثیر کے روبرو جس میں اُن کے خاص دوست مولوی محمد حسن صاحب رئیس لودیانہ بھی تھے انہیں کہہ دیا کہ آج پھر آپ نے عہد شکنی کی اور خارج از تحریر زبانی وعظ کرنا شروع کر دیا۔ اب مجھے بھی حق حاصل ہے کہ میں بھی اپنے مضمون سُنانے کے وقت کچھ زبانی وعظ بھی کروں۔ لیکن باوجودیکہ مجھے یہ حق حاصل ہوگیا تھا پھر بھی میں نے جواب سُنانے کے وقت اس حق سے بجز ایک دو کلمہ کے کچھ فائدہ نہیں اُٹھایا

۳۱ جولائی ۱۸۹۱ء کو جب میں جواب سُنانے کے لئے گیا تو جاتے ہی مولوی محمد حسین صاحب کے طور بدلے ہوئے نظر آئے۔ اُن کی ہر ایک بات میں کجی معلوم ہوتی تھی اور بداخلاقی کا کچھ انتہا نہ تھا۔ جب میں مضمون حاضرین کے روبرو پڑھنے لگا تو انہوں نے دخل بے جا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ خواہ نخواہ فضولی کے طور پر بول اُٹھے کہ تم نے کسی کتاب کا نام غلط پڑھا ہے۔ اور خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ اس عاجز نے کوئی نام غلط نہیں پڑھا تھا۔ مولوی صاحب کو صرف اپنی شیخی اور علمیّت ظاہر کرنا منظور تھا جس کے جوش میں آ کر انہوں نے ترک گفتگو زبانی کا عہد کئی بار توڑا۔ اور جیسے پُل ٹوٹنے سے پانی زور سے بہ نکلتا ہے ایسا ہی اُن کا صبر ٹوٹ کر نفسانی جذبات کا سیلاب جاری ہوا۔ ہر چند کہا گیا کہ حضرت مولوی صاحب آپ سے یہ شرط ہے کہ آپ میری تقریر کے وقت خاموش رہیں جیسا میں خاموش رہا۔ لیکن انہوں نے صبر نہ کیا کیونکہ سچائی کے رُعب سے اُن پر حق پوشی کے لئے ایک قلق طاری ہو رہا تھا۔ آخر دیکھتے دیکھتے اُن کی حالت خوفناک ہوگئی۔ مگر شکر لِلّٰہ کہ اس عرصہ میں تمام مضمون سُنایا گیا۔ اور آخری مضمون یہ تھا کہ اب یہ تمہیدی بحث ختم کی گئی کیونکہ امور مستفسرہ کا بہ بسط تمام جواب ہو چکا۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ اگر مولوی صاحب کے دل میں اور بھی خیالات باقی ہیں تو بذریعہ اپنے رسالہ کے شائع کریں۔ اس تمہیدی بحث کے ختم کرنے کی وجہ یہی تھی کہ فریقین کے بیانات نہایت طول تک بلکہ دس جزو تک پہنچ چکے تھے اور برابر باراں دن اس ادنیٰ اور تمہیدی مباحثہ میں خرچ ہوئے تھے۔ اور اس تمام بحث میں مولوی صاحب کا صرف ایک ہی سوال بار بار تھا کہ کتاب اللہ اور حدیث کو مانتے ہو یا نہیں۔ جس کا کئی دفعہ مولوی صاحب کو کھول کھول کر جواب دیا گیا کہ کتاب اللہ کو بلاشرائط اور حدیث کو بشرط مانتا ہوں اور مکرر استفسار پر اصل منشاء ظاہر کر دیا گیا کہ حدیث کا وہ حصہ جو اخبار اور مواعید اور قصص اور واقعات گذشتہ سے متعلق ہے اس شرط سے قبول کیا جائے گا کہ قرآن کریم کے

﴿۸۶۱﴾

﴿۸۶۲﴾

اخبار وغیرہ سے معارض نہ ہو۔ لیکن پھر بھی مولوی صاحب بار بار اپنے پرچہ میں یہی لکھتے رہے
کہ ابھی میرا جواب نہیں آیا۔ ابھی جواب نہیں آیا۔ حالانکہ اُن کا حق صرف اتنا تھا کہ میرا
مذہب دریافت کریں۔ اور جب میں اپنا مذہب بیان کر چکا تو پھر اُن کو ہرگز استحقاق نہ تھا کہ
ناحق وہی بات بار بار پوچھیں جس کا میں پہلے جواب دے چکا اور اس طرف لوگ بہت تنگ
آ گئے تھے اور بعض لوگ جو دُور سے اصل بحث سننے کے لئے آئے تھے جب انہوں نے دیکھا
کہ باراں دن تک اصل بحث کا نام ونشان ظاہر نہیں ہوا تو وہ نہایت دل شکستہ ہو گئے تھے کہ ہم
نے یونہی دن ضائع کئے لہٰذا برطبق حدیث **من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیہ**
سخت ناچار ہو کر اس فضول بحث کو بند کرنا پڑا۔ اگرچہ مولوی صاحب کسی طرح نہیں چاہتے تھے ﴿۸۶۳﴾
کہ اصل بحث کی طرف آویں اور اس فضول بحث کو ختم کریں بلکہ ڈراتے تھے کہ ابھی تو میرے
اصول موضوعہ اور بھی ہیں جن کو میں بعد اس کے معرض بحث میں ڈالوں گا۔ اور لوگ جلتے تھے
کہ خدا آپ کے اصول موضوعہ کا ستیاناس کرے آپ کیوں اصل بحث کی طرف نہیں آتے۔
اب ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ مولوی صاحب کی یہ شکایت کس قدر ہیچ ہے کہ مجھے جواب لکھنے
کے لئے اپنا مضمون نہیں دیا۔ ظاہر ہے کہ جس حالت میں یہ عاجز حسب رائے عام یہ بحث
تمہیدی ختم کر چکا تھا تو پھر مولوی صاحب کو تحریری جواب کا کیوں موقعہ دیا جاتا۔ اگر وہ
جواب تحریر کرتے تو پھر میری طرف سے بھی جواب الجواب چاہیئے تھا۔ اس صورت میں یہ
تسلسل کب اور کیوں کر ختم ہو سکتا تھا میں نے بے وقت اس تمہیدی بحث کو ختم نہیں کیا۔ بلکہ
باراں دن ضائع کر کے اور مضمون بحث کو دس جزو تک پہنچا کر اور اکثر لوگوں کا واویلا
اور شکایت سُنکر بدرجہ ناچاری مباحثہ کو ختم کیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ اب اصل بحث
شروع کریں میں حاضر ہوں۔ لیکن وہ اصل بحث سے تو ایسا ڈرتے تھے جیسا کہ ایک بچہ
شیر سے اور چونکہ پہلا سوال مولوی محمد حسین صاحب کی طرف سے تھا اس لئے یہ میرا حق
بھی تھا کہ میرے جواب پر ہی بحث ختم ہوتی تا چھ پرچے اُنکے اور چھ پرچے ﴿۸۶۴﴾

میرے بھی ہو جاتے۔ چونکہ مولوی صاحب کی نیت نیک نہیں تھی اس لئے انہوں نے اس بحث کا خاتمہ سُن کر جس قدر جوش دکھلایا اور جس قدر خشونت وحشیانہ ظاہر کی اور جس قدر خلاف تہذیب کلمات اس جوش کی حالت میں اُن کے مُنہ سے نکلے وہ اُن سب پر ظاہر ہیں جو اُس وقت حاضر تھے۔ انہوں نے ایک یہ بھی چالاکی اختیار کی کہ اپنی جماعت کے لوگوں کے نام بطور گواہوں کے اپنے اشتہار پر لکھ دیئے تا لوگوں کو یہ خیال پیدا ہو کہ وہ فی الحقیقت سچے ہیں۔ تبھی تو اتنے گواہ اُن کے بیان کے مصدّق ہیں۔ لیکن یہ کس قدر بد دیانتی ہے کہ اپنی ہی جماعت کو جو اپنے حامی اور انصار اور ایک ہی مدعا میں شریک ہوں بطور گواہوں کے پیش کیا جائے۔ آخر اس جلسہ میں ثالث آدمی بھی تو موجود تھے جن کو فریقین سے کچھ تعلق نہ تھا۔ جیسے حضرت خواجہ احسن شاہ صاحب آنریری مجسٹریٹ و رئیس اعظم لودیانہ جو اس شہر کے ایک نامی معزّز اور منتخب رئیس اور صادق اور راستباز آدمی ہیں۔ اور ایسا ہی منشی میراں بخش صاحب اکونٹنٹ جو ایک معزّز عہدہ دار اور متانت شعار اور اپنے عہدہ اور تنخواہ کی رُو سے اکسٹرا اسسٹنٹوں کے ہم رُتبہ ہیں۔ ایسا ہی حاجی شہزادہ عبدالمجید خاں صاحب۔ ڈاکٹر مصطفےٰ علی ﴿۸۶۵﴾ صاحب خواجہ محمد مختار شاہ صاحب رئیس اعظم لودیانہ۔ خواجہ عبدالقادر شاہ صاحب۔ ماسٹر چراغ الدین صاحب۔ منشی محمد قاسم صاحب۔ ماسٹر قادر بخش صاحب۔ میاں شیر محمد خاں صاحب جھجر والہ اور کئی اور معزّز بھی موجود تھے۔ ان تمام معزز رئیسوں اور عہدہ داروں اور بزرگوں کو کیوں گواہی سے باہر رکھا گیا اور کیوں اُن کی شہادتیں درج نہ ہوئیں۔ حالانکہ فقط جناب خواجہ احسن شاہ صاحب رئیس اعظم کی گواہی ہزار عوام الناس کی گواہی کے برابر تھی۔ اس کا سبب یہی تھا کہ اِن بزرگوں کے بیان سے اصل حقیقت کھلتی تھی۔ افسوس کہ مولوی محمد حسین صاحب نے علاوہ اِن اکاذیب کے جو بحث کے متعلق بیان کئے ایک بازاری جھوٹ ہے جو بحث سے کچھ بھی تعلق نہیں رکھتا ناحق اپنے اشتہار میں لکھ دیا۔ چنانچہ وہ اس عاجز کی نسبت اپنے اشتہار میں لکھتے ہیں کہ مجلس سے

اُٹھ کھڑے ہوئے اور گاڑی میں کہ جو پہلی دروازہ پر کھڑی تھی ایسے جلدی ہوا ہو کر بھاگے کہ آپ کے ہمراہی چلتی گاڑی پر دوڑ کر سوار ہوئے۔ اس افتراء کا میں کیا جواب دُوں۔ بجز اس کے کہ علی الکاذبین کہوں یا آپ ہی کا قول مندرجہ اشتہار آپ کی خدمت میں واپس دُوں کہ ﴿۸۶۶﴾
جھوٹے پر اگر ہزار لعنت نہیں تو پانچ سو سہی۔ حضرت وہ گاڑی منشی میراں بخش صاحب اکونٹنٹ کی تھی جو دروازے پر کھڑی تھی اور وہ خود جلسہ بحث میں تشریف رکھتے تھے اور وہی اس پر سوار ہو کر آئے تھے۔ تمام بازاری اس بات کے گواہ ہیں۔ منشی صاحب موصوف سے دریافت کیجئے کہ برخاست جلسہ بحث کے وقت اس پر کون سوار ہوا تھا اور کیا میں اپنے مکان تک آہستہ چال سے پیادہ آیا تھا یا اُس گاڑی پر ایک قدم بھی رکھا تھا۔ میرے ساتھ اُس وقت شاید قریب تیس ۳۰ آدمی کے ہوں گے جو سب پیادہ آئے تھے اور جب ہم اپنے مکان کے قریب پہنچ گئے تو منشی میراں بخش صاحب گاڑی پر سوار آ پہنچے اور عذر کیا کہ میں سوار آیا اور آپ پیادہ آئے۔ اس قدر افتراء کیا اندھیر کی بات ہے کیا جھوٹ مولویوں کے ہی حصہ میں آ گیا۔ میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ آپ کی عہد شکنی نہایت قابل افسوس ہے۔ آپ اس بات کو مانتے ہیں کہ آپ سے یہ شرط ہو چکی تھی کہ زبانی گفتگو ایک کلمہ تک نہ ہو جو کچھ ہو بذریعہ تحریر ہو۔ جیسا کہ آپ نے اپنے اشتہار میں بھی لکھ دیا ہے لیکن آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے عمداً اس شرط کو توڑ دیا اور جب آپ توڑ چکے اور عہد شکنی کے طور پر مضمون سُنانے کے محل میں زبانی وعظ بھی کر ﴿۸۶۷﴾
چکے تب میں نے آپ کو کہا کہ اب زبانی وعظ کرنا میرا بھی حق ہوگا۔ پس اگر میں نے مضمون سُنانے کے وقت میں چند کلمے زبانی بھی کہے تو کیا یہ عہد شکنی تھی یا آپ کی عہد شکنی کا عوض معاوضہ تھا جس کی نسبت میں وعدہ کر چکا تھا۔ حضرت مولوی محمد حسن صاحب جو رئیس اور آپ کے دوست ہیں جن کے مکان پر آپ نے یہ عہد شکنی کی تھی اگر قسم کھا کر میرے روبرو میرے اس بیان کا انکار کریں تو پھر میں اس الزام سے دست بردار ہو جاؤں گا ورنہ آپ ناراض نہ ہوں۔ آپ بلا شبہ جریمہ عہد شکنی کے کئی دفعہ

مرتکب ہوئے اور نخوت سے بھرا ہوا جوش آپ کو اس جرم کا مرتکب بناتا رہا۔ آخری روز میں بھی
آپ سے یہی حرکت صادر ہوئی اور وحشیانہ غیظ و غضب اس کے علاوہ ہوا۔ جس کی وجہ سے
آپ سے بحکم آیۃ کریمہ اَعْرِضْ بکلّی اِعراض لازم آیا۔ اور آپ کو نقل جواب نہ دی گئی۔
حضرت! آپ کے لفظ لفظ میں نخوت اور تکبّر بھرا ہوا ہے اور فقرہ فقرہ سے اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ کی بدبُو
آرہی ہے۔ بھلا ایک کتاب کے نام کی غلطی کا الزام دینا کیا یہی تہذیب تھی۔ اور وہ بھی سفلہ
طبع ملّاؤں کی طرح سراسر دروغ۔ اگر میں چاہتا تو آپ کی صرف نحو بھی اُسی وقت لوگوں کو
دکھلا دیتا۔ لیکن یہ کمینگی کی خصلت مجھ سے صادر نہیں ہوسکتی تھی۔ میں دیکھتا ہوں اور یقین رکھتا ﴿۸۶۸﴾
ہوں کہ اگر آپ اپنے اِس تعصّب اور پست خیالی سے تائب نہیں ہوں گے تو خدائے تعالیٰ
جیسا کہ قدیم سے اس کی سُنت ہے آپ کے علم کی بھی پردہ دری کرے گا اور آپ کو آپ کا اصلی
چہرہ دکھلاوے گا۔ جس وقت آپ اس عاجز کی نسبت یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص بےعلم اور نادان اور
جاہل اور مفتری ہے تو آپ کا ایسی چالاکیوں سے صرف یہ مطلب ہوتا ہے کہ تا لوگوں کے
ذہن نشین کریں کہ میں بڑا عالم اور دانا اور صاحب علم اور معرفت اور نیز صادق آدمی ہوں۔
لیکن اپنے مُنہ سے کوئی مرتبہ انسان کو نہیں مل سکتا جب تک آسمانی نور اس کے ساتھ نہ ہو۔ اور
جس علم کے ساتھ آسمانی نور نہیں وہ علم نہیں وہ جہل ہے۔ وہ روشنی نہیں وہ ظلمت ہے۔ وہ مغز
نہیں وہ اُستخواں ہے۔ ہمارا دین آسمان سے آیا ہے اور وہی اس کو سمجھتا ہے جو وہ بھی آسمان
سے آیا ہو۔ کیا خدائے تعالیٰ نے نہیں فرمایا لَا یَمَسُّہٗۤ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ [1] میں قبول نہیں
کروں گا اور ہرگز نہیں مانوں گا کہ آسمانی علوم اور اُن کے اندرونی بھید اور اُن کے تہ در تہ چھپے
ہوئے اسرار زمینی لوگوں کو خود بخود آسکتے ہیں۔ زمینی لوگ دابۃ الارض ہیں **مسیح السماء**
نہیں ہیں۔ **مسیح السماء** آسمان سے اُترتا ہے اور اُس کا خیال آسمان کو مَسح کر کے ﴿۸۶۹﴾
آتا ہے اور روح القدس اُس پر نازل ہوتا ہے اس لئے وہ آسمانی روشنی ساتھ رکھتا ہے۔ لیکن
دابۃ الارض کے ساتھ زمین کی غلاظتیں ہوتی ہیں اور نیز وہ انسان کی پوری شکل نہیں رکھتا۔

[1] الواقعۃ: ۸۰

بلکہ اُس کے بعض اجزاء مسخ شدہ بھی ہوتے ہیں۔ اِسی وجہ سے میں نے کہا تھا کہ آپ ناراض نہ ہوں۔ آپ دین کے حقیقی علم سے بے خبر ہیں۔ خدا تعالیٰ آپ کے ہر یک تکبّر کو توڑ دے گا اور آپ کا چہرہ آپ کو دکھلا دے گا۔ افسوس کہ آپ کی کچی باتیں آپ کو شرمندہ نہیں کرتیں۔ اور باجود سخت لاجواب ہوجانیکے پھر بھی علم حدیث کا دعویٰ چلا جاتا ہے۔ آپ نے کہا تھا کہ الدجّال سے مراد خاص مسیح الدجّال نہیں۔ بلکہ دوسرے دجّالوں کی نسبت بھی صحاح میں الدجّال بولا گیا ہے۔ لیکن جب آپ کو کہا گیا کہ یہ سراسر آپ کی غلطی ہے آپ کو حدیث رسول اللہ کا حقیقی علم نصیب نہیں۔ اگر آپ بجز دجّال معہود کے کسی اور کی نسبت یہ لفظ صحاح سِتّہ میں اطلاق پانا ثابت کریں تو آپ کو پانچ روپے بطور تاوان ملیں گے تو آپ ایسے چُپ ہوئے کہ کوئی جواب آپ سے بن نہ پڑا۔ یہ غرور اور تکبّر کی سزا ہے کیا بے علمی اسی کا نام ہے یا کسی اور چیز کا کہ آپ نے الدجّال کے متعلق حدیث رسول اللہ کے اُلٹے معنے کئے اور محض افتراء ﴿۸۷۰﴾ کے طور پر کچھ کا کچھ گھڑ کے سُنا دیا یہی حدیث دانی ہے؟ پھر آپ نے دعویٰ کیا تھا کہ میں صحیحین کی حدیثوں کا تعارض دُور کرسکتا ہوں۔ اِسکے جواب میں آپ کو کہا گیا کہ اگر آپ قبول کریں تو چند منصف مقرر کر کے چند متعارض حدیثیں آپ کے سامنے بغرض تطبیق و توفیق پیش کی جائیں گی۔ اگر آپ اپنی علمی لیاقت سے تعارض دُور کر کے دکھلا دیویں گے تو پچیس روپے آپ کو انعام ملیں گے اور آپکی علمیت مسلّم ٹھہر جائیگی اور اگر چُپ رہیں تو آپ کی بے علمی ثابت ہوگی۔ لیکن آپ چپ رہے۔ سو میں مکرر کہتا ہوں کہ ہر چند جہل مرکب کی وجہ سے آپ کو دعویٰ علم دین بہت ہے مگر آپ خوب یاد رکھیں کہ جب تک ان تمام آزمائشوں میں آپ صادق نہ نکلیں تب تک یہ دعویٰ بے اصل و بے دلیل ہے۔ اور پھر یہ بھی یاد رکھیں کہ ان آزمائشوں میں ہرگز آپ عزت کے ساتھ اپنا انجام نہیں دیکھیں گے۔ یہ سزا اس کبر کی ہے کہ خدائے تعالیٰ ہر یک متکبّر کو دیتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ [1] اور آپ کا وہ جوش جس کی وجہ سے شرطی طور پر

[1] لقمان: ۱۹

آپ نے اپنی دونوں بیویوں کو طلاق دیدی۔ ہر یک دانا کی نظر میں قابل ہنسی ہے کیونکہ آپ کو
تلویح کی عبارت کا ایک حصہ سُنا دیا گیا تھا۔ جس کے حوالہ سے وہ حدیث بیان کی گئی تھی اور ﴿۸۷۱﴾
ظاہر ہے کہ صاحب تلویح نے بطور شاہد اپنے تئیں قرار دے کر بیان کیا ہے کہ وہ حدیث یعنی
عرض الحدیث علی القرآن کی حدیث بخاری میں موجود ہے۔ اب اس کے مقابل پر یہ عذر پیش
کرنا کہ نسخہ جات موجودہ بخاری جو ہند میں چھپ چکے ہیں ان میں یہ حدیث موجود نہیں۔
سراسر ناسمجھی کا خیال ہے۔ کیونکہ علم محدود کے عدم سے بکلّی عدم شے لازم نہیں آتا۔ جس
حالت میں ایک سرگروہ مسلمانوں کا اپنی شہادت رویت سے اس حدیث کا بخاری میں ہونا
بیان کرتا ہے اور آپ کو یہ دعویٰ نہیں اور نہ کر سکتے ہیں کہ تمام دنیا کے نسخہ جات بخاری کے قلمی
وغیر قلمی آپ دیکھ چکے ہیں۔ پھر کس قدر فضولی ہے کہ صرف چند نسخوں پر بھروسہ کر کے بے گناہ
عورتوں کو طلاق دی جائے۔ اگر ثانی الحال کوئی قلمی نسخہ نکل آوے جس میں یہ حدیث موجود ہو تو
پھر آپ کا کیا حال ہو۔ مومن کی شہادت عند الشرع قابل پذیرائی ہوتی ہے اور فقط ایک کی
شہادت رویت ماہ رمضان سے تمام دنیا کے مسلمانوں پر روزہ رکھنا فرض ہو جاتا ہے۔ اس
صورت میں علامہ تفتازانی صاحب تلویح کی شہادت بالکل ضائع اور نکمی نہیں ہو سکتی بخاری
کے مطبوعہ نسخوں میں بھی بعض الفاظ کا اختلاف موجود ہے۔ پھر سارے جہان کے قلمی نسخوں ﴿۸۷۲﴾
کا کون ٹھیکہ لے سکتا ہے۔ پس آپ کی بے دلیل نفی بے سود ہے۔ حضرت! مثبت کے بیان کو
قواعد تحقیق کی رُو سے ترجیح ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ زیادت علم ہے۔ اب اس شہادت
کے مقابل پر جو عند الشرع قابل قبول ہے جب تک آپ سارے زمانہ کے قلمی نسخے نہ
دکھا دیں اور صاحب تلویح کا کذب ثابت نہ کر لیں تب تک احتمالی طور پر طلاق واقعہ ہو گئی
ہے۔ علماء کو پوچھ کر دیکھ لیں۔ صاف ظاہر ہے کہ اگر صاحب تلویح اپنی رویت میں کاذب
ہوتا تو اُسی زمانہ میں علماء کی زبان سے اس کی تشنیع کی جاتی اور اس سے جواب پوچھا جاتا۔
اور جبکہ کوئی جواب پوچھا نہیں گیا تو یہ دوسری دلیل اِس بات پر ہے کہ درحقیقت اسکی

رویت صحیح تھی۔اور ان سب کا سکوت بطور شواہد مل کر اس امر کو اور بھی قوت دیتا ہے کہ درحقیقت
وہ حدیث صاحب تلویح نے بخاری میں دیکھی تھی۔اور جس حالت میں صاحب بخاری تین
لاکھ حدیثیں یاد رکھتے تھے اس صورت میں کیا قرین قیاس نہیں کہ بعض حدیثوں کے لکھنے میں
نسخوں میں کمی بیشی ہو۔اور اس طلاق کے مقابل پر میرا اشتہار لکھنا محض فضول تھا۔اس سے
﴿۸۷۳﴾ اگر کچھ ثابت ہوتو فقط یہ ثابت ہوگا کہ بے وجہ نکتہ چینیاں آپ کی عادت ہے۔حضرت! آپ
جانتے ہیں کہ یوں تو ہر ایک شخص کو اختیار ہے کہ اپنی بیوی کو نافرمان یا سرکش یا بدزبان یا بکلّی
ناہموار اور ناموافق پاکر اس کو طلاق دے دیوے۔ اس طرح تو پیغمبر بھی دیتے رہے
ہیں۔لیکن ایک شخص بحث اور جھگڑا تو لوگوں سے کرے اور ناحق اپنی بے خبر اور بے گناہ بیویوں کو
غصّہ میں آکر طلاق دیوے یہ امر وحشیانہ اور سراسر خلاف تہذیب ہے۔کیا مناسب ہے کہ گناہ
کسی کا ہو اور مارا جائے کوئی۔کیا سُنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کا کوئی نمونہ
پایا جاتا ہے۔آپ کا یہ بھی جھوٹ ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام ابوحنیفہ کی تحقیر
نہیں کی۔اگر آپ کو ایک بات میں نادان کہا جائے تو آپ کو کیسا غصہ آتا ہے۔مگر آپ نے تو امام
صاحب کو حدیث رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے قریب قریب محروم مطلق کے ظاہر کیا کیا یہ
تحقیر نہیں؟ ہمارے اور آپ کے حنفی علماء منصف رہے۔پھر آپ اپنے اشتہار میں میرے اس
قول کو اکاذیب میں داخل قرار دیتے ہیں کہ ابن صیّاد کے دجّال ہونے پر صحابہ کا اجماع تھا
﴿۸۷۴﴾ خدائے تعالیٰ آپ کے حال پر رحم کرے۔کیا خود ابن صیّاد کے بیان سے جو بعد مشرف باسلام
ہونے کے اس نے کیا تھا جو صحیح مسلم میں موجود ہے ثابت نہیں ہوتا کہ صحابہ اس کو دجّال معہود کہتے
تھے۔کیا اس حدیث میں کوئی صحابی باہر بھی رکھا ہے جو اس کو دجّال معہود نہیں سمجھتا تھا۔یا کیا اس
خبر کے مشہور ہونے کے بعد کسی صحابی کا انکار مروی ہے۔اس کا ذرہ نام تو لو۔کیا آپ کو خبر نہیں کہ
اصول فقہ کی رو سے اجماع کی قسموں میں سے ایک سکوتی اجماع بھی ہے۔کیا آپکو معلوم نہیں کہ
ابن صیّاد کے دجّال معہود ہونے پر حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں قسم کھائی

جس پر نہ خود آنجناب نے انکار کیا اور نہ صحابہ حاضرین میں سے کوئی منکر ہوا۔ کیا یہ حدیث مسلم میں نہیں ہے۔ اور آپ کا یہ عذر کہ الدّجال دجّال معہود کا خاص نام نہیں ہے، آپ کی غباوت اور کم علمی پر اوّل درجہ کی شہادت ہے۔ حضرت مولوی صاحب! اگر آپ صحیح بخاری یا مسلم یا کسی اور صحیح حدیث سے یہ مجھے ثابت کر کے دکھلاویں کہ الدّجال کا لفظ بجز دجّال معہود کے کسی اور پر بھی صحابہ کے مُنہ سے اطلاق پایا ہے تو میں بجائے پانچ روپے کے پچاس روپے آپ کی نذر کروں گا۔ آپ کیوں اپنی پردہ دری کراتے ہیں۔ چپکے رہیں حقیقت معلوم شد۔

پھر ایک اور جھوٹ اور افتراء میرے پر آپ نے اپنے اشتہار میں یہ کیا ہے کہ گویا میں سچ مچ اپنے ﴿۸۷۵﴾ علم یقینی اور قطعی سے بخاری اور مسلم کی بعض احادیث کو موضوع سمجھتا ہوں۔ حضرت میرا یہ قول نہیں۔ معلوم نہیں کہ آپ کیوں اور کس وجہ سے اس قدر افتراء میرے پر داب رہے ہیں۔ اور کب سے جعلسازی کی مشق آپ کو ہوگئی ہے۔ میں تو صرف اس قدر کہتا ہوں کہ اگر بخاری اور مسلم کی بعض اخباری حدیثوں کے اس طرز پر معنے نہ کئے جاویں جو قرآن کے اخبار سے مطابق وموافق ہوں تو پھر اس صورت میں وہ حدیثیں موضوع ٹھہریں گی۔ کیونکہ اصول فقہ کا یہ مسئلہ ہے کہ **انما یرد خبر الواحد من معارضة الکتٰب** میں نے کب اور کس وقت کہا تھا کہ درحقیقت قطعی اور یقینی طور پر فلاں فلاں حدیث بخاری یا مسلم کی میرے نزدیک موضوع ہے۔ مولوی صاحب حیا اور شرم شعبہ ایمان ہے **فاتقوا اللّٰہ وکونوا من المؤمنین**۔ پھر آپ اپنی ٹانگ خشک ہونے کی خواب سے نیم انکار کر کے لکھتے ہیں کہ یہ نقل کذب اور افتراء سے خالی نہیں۔ آپ کا یہ مقنّنانہ فقرہ صاف دلالت کر رہا ہے کہ کسی قدر اس بیان کی صداقت کا آپ کو اقرار ہے کیونکہ آپ کا چُھپا ہوا یہ منشاء ہے کہ اس خواب کو جیسا کہ نقل کیا گیا ہے وہ صورت نقل افتراء سے خالی نہیں۔ کیونکہ آپ نے یہ بیان نہیں کیا کہ یہ نقل سراسر افتراء ہے بلکہ یہ بیان کیا ہے کہ یہ نقل افتراء سے ﴿۸۷۶﴾

خالی نہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ دال میں کالا ہے۔ اور ضرور آپ نے اس قسم کی خواب دیکھی ہے گواس میں ٹانگ خشک ہو یا ہاتھ خشک ہو یا اور امور زائدہ ساتھ لگے ہوئے ہوں۔ حضرت آپ نے یہ خواب ضرور دیکھی ہے آپ کا یہ پہلودار فقرہ ہی دلالت کر رہا ہے کہ ضرور آپ نے ایسی خواب دیکھی ہے۔ بھلا ذرہ قسم تو کھاویں کہ ہم نے کچھ نہیں دیکھا اور میں پیشگوئی کرتا ہوں کہ آپ کبھی قسم نہ کھائیں گے کیونکہ یہ دعویٰ سراسر دروغ ہے۔ آپ اگر سچے ہیں تو لاہور میں ایک جلسہ مقرر کر کے حاضرین کے سامنے قسم کھالیں کہ میں نے کچھ نہیں دیکھا اور حاضرین میں وہ لوگ بھی ہوں گے جن کو ایسی روایت سے تعلق ہے۔ جس وقت آپ مجھے قسم کھانے کے لئے اطلاع دیں گے میں حاضر ہو جاؤنگا تا آپکی ایمانداری اور صداقت شعاری دیکھ لوں کہ کہاں تک آپ کو کذب اور افتراء سے پرہیز ہے۔ تب تسلّی رکھیں کہ ساری حقیقت کھل جائے گی اور آپ کی راستگوئی کا آپ کے شاگردوں پر بھی نمونہ ظاہر ہو جائے گا۔ اور جو آپ نے اس عاجز کی نسبت اپنی چند خوابیں تحریر کی ہیں اگر وہ صحیح بھی ہیں تب بھی اُن کی وہ تعبیر نہیں جو آپ نے سمجھی ہے۔ بلکہ بسا اوقات انسان دوسرے کو دیکھتا ہے اور اس سے مراد ﴿۸۷۷﴾
اپنا نفس ہی ہوتا ہے معبّرین نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص مثلاً کسی نبی کو خواب میں نابینا یا مجذوم یا کسی حیوان کی شکل میں دیکھے تو اس کی یہ تعبیر ہوگی کہ یہ دیکھنے والا خود اِن آفتوں میں مبتلا ہے۔ مثلاً اگر اُس نے کسی مقدس آدمی کو یک چشم دیکھا ہے تو اس کی یہ تعبیر ہوگی کہ دین میں وہ آپ ہی ناقص ہے۔ اور اگر مجذوم دیکھا ہے تو اس کی یہ تعبیر ہوگی کہ وہ آپ ہی فساد میں پڑا ہوا ہے۔ اور اگر اُس نے نبی کی مسخی صورت دیکھی ہے تو اس کی یہ تعبیر ہوگی کہ وہ آپ ہی اپنے دین میں مسخی صورت رکھتا ہے۔ کیونکہ مقدس لوگ آئینہ کی طرح ہوتے ہیں۔ انسان جو کچھ اُن کی شکل اور وضع میں اپنی رؤیا میں فرق دیکھتا ہے۔ درحقیت وہ عیب اُس کے اپنے وجود میں ہی ہوتا ہے۔ اور جس بدعملی میں اُس کو مشاہدہ کرتا ہے درحقیقت اس کا آپ ہی مرتکب ہوتا ہے۔ تعبیر رویت ابرار میں یہ اصول محکم ہے اس کو یاد رکھنا چاہیئے۔ ایک مدّت کی

بات ہے کہ ایک نے میرے پاس بیان کیا کہ میں نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ نعوذ باللہ نابینا تھے۔ میں نے کہا کہ تُو ابراہیم کی سُنّت کا منکر اور اس کے دیکھنے سے نابینا ہے۔ ایسا ہی ایک ہندو بڈھے نے بیان کیا کہ نعوذ باللہ حضرت مسیح کو میں نے مجذوم دیکھا ہے۔ میں نے اس کی تعبیر کی کہ تیری بد دینی ناقابل علاج ہے تو کسی عیسٰی دم سے اچھا نہیں ہوگا۔ ایک نے ﴿۸۷۸﴾ میرے پاس بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ نیلا تہ بند باندھا ہوا ہے اور باقی بدن سے ننگے ہیں اور دال روٹی کھا رہے ہیں میں نے اس کی یہ تعبیر کی کہ دیکھنے والے کو غم اور فقر و فاقہ آئے گا اور اُس کا کوئی دستگیر نہیں ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ایک مرتبہ میرے اُستاد مرحوم مولوی فضل احمد صاحب نے میرے پاس بیان کیا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی کوٹھڑی میں اسیروں کی طرح بیٹھے ہیں جس میں آگ اور بہت سا دھواں ہے اور مجھے یاد پڑتا ہے کہ گرداگرد اس کوٹھڑی کے پہرہ داروں کی طرح عیسائی کھڑے ہیں۔ اور مولوی صاحب بہت متوحش تھے کہ اس کی کیا تعبیر ہے۔ تب خدا تعالیٰ نے فی الفور میرے دل پر القاء کیا کہ یہ سب دیکھنے والے کا حال ہے جو اس پر ظاہر کیا گیا۔ وہ بے ایمان ہو کر مرے گا اور آخر جہنم اُس کا ٹھکانہ ہوگا۔ اور عیسائیوں میں مل جائے گا۔ مولوی صاحب اس تعبیر کو سنتے ہی باغ باغ ہو گئے اور مارے خوشی کے چہرہ روشن ہوگیا۔ اور فرمانے لگے کہ یہ خواب پوری ہوگئی اور تھوڑا عرصہ ہوا کہ وہ شخص اس خواب کے دیکھنے کے بعد عیسائی ہوگیا۔☆ غرض اس بات میں مَیں ﴿۸۷۹﴾ صاحب تجربہ ہوں۔ مولوی صاحب کو چاہیئے کہ ڈریں اور توبہ کریں کہ اُن کے آثار اچھے نظر نہیں آتے۔ یہ اُن کی ساری خوابیں اُن کی پہلی خواب کی مؤید ہیں۔ رہا یہ عاجز

حاشیہ

☆ نوٹ رسالہ کامل التعبیر کے صفحہ ۲۶ میں لکھا ہے کہ اگر کسے بیند کہ اندامے از اندامہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کم بود آں نقصان نقصان دین بینندہ باشد۔ ابن سیرین رحمہ اللہ گوید کہ اگر کسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم را ناقص بیند آں نقصان بہ بینندہ باز گردد۔ (دیکھو رسالہ کامل التعبیر ص ۲۶) منہ

تو میری صداقت یا عدم صداقت کا امتحان آسان ہے۔ صرف بے ہودہ خوابوں سے میرے پر کوئی الزام نہیں آ سکتا اگر فرض کے طور پر مولوی صاحب کی خوابیں میری طرف منسوب کی جائیں تب بھی ظاہر ہے کہ ہر یک دشمن اپنی دشمنی کے جوش میں اپنے مخالف کو خواب کی حالت میں کبھی سانپ کی شکل میں دیکھتا ہے اور کبھی کسی اور درندہ کی شکل میں۔ اور یہ قانون قدرت ہے جو اس پر طاری ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ ایک اُس کا دشمن اس کو سانپ کی شکل میں نظر آوے یا کسی درندہ وغیرہ کی شکل میں۔ کیونکہ عداوت کی حالت میں ایسی تمثیلات خود طبیعت عدوّانہ ﴿۸۸۰﴾ اپنے جوش سے پیدا کر لیتی ہے۔ یہ نہیں کہ اس مقدس کی اصل شکل یہی ہوتی ہے۔ بعض اوقات حیوانی شکل قابل اعتراض بھی نہیں ہوتے۔ حضرت مسیح بعض پہلے نبیوں کو برّہ کی شکل پر نظر آئے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو گائیوں کی شکل پر دیکھا اور یہ بات یعنی یہ جو میں نے ابھی بیان کیا ہے کہ میری صداقت یا عدم صداقت کا امتحان آسان ہے اس کی زیادہ تفصیل یہ ہے کہ میرا تو خدا تعالیٰ کے اعلام وافہام سے یہ دعویٰ ہے کہ اگر دنیا کے تمام لوگ ایک طرف ہوں اور ایک طرف یہ عاجز ہو اور آسمانی امور کے انکشاف کے لئے ایک دوسرے کے قرب اور وجاہت عنداللہ کا امتحان کریں تو مَیں حلفاً کہتا ہوں کہ مجھے پورا یقین ہے کہ میں ہی غالب آؤں گا۔ خداوند علیم وحکیم کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آج تک صدہا نشان آسمانی میرے پر ظاہر ہو چکے ہیں اور بہت سے لوگ ان نشانوں کے دیکھنے والے موجود ہیں۔ میں نے ۳۱ جولائی ۱۸۹۱ء کے خاتمہ مضمون میں عام طور پر سُنا دیا تھا کہ میرے نشانوں کے دیکھنے والے اسی مجلس میں موجود ہیں۔ اگر چاہو تو حلفاً اُن سے تصدیق کرا لو مگر آپ نے دم نہ مارا۔ پھر میں نے آواز ﴿۸۸۱﴾ بلند سے تین سو آدمی کی مجلس میں جن میں بعض عیسائی صاحبان اور ایڈیٹر صاحب پرچہ نور افشاں بھی موجود تھے یہ بھی سُنا دیا تھا کہ مولوی صاحب کو اگر اپنے اہل باطن ہونے کا گمان ہے تو چالیس دن تک میرے ساتھ مقابلہ کے طور پر خدائے تعالیٰ کی جناب میں توجہ کریں اگر میں آسمانی امور کے انکشاف اور نشانوں کے ظہور میں مولوی صاحب پر غالب نہ آیا تو جس ہتھیار

سے چاہیں مجھے ذبح کر دیں۔لیکن آپ نے اس کے جواب میں بھی دم نہ مارا۔اگر آپ کو بھی سچی خوابیں آتی ہیں اضغاثِ احلام نہیں اور اعتماد کے لائق ہیں تو میرے مقابل پر آپ کیوں چُپ رہے کیا آپ کے دروغ بے فروغ پر اس سے زیادہ کوئی اور دلیل ہوگی۔اور میں تو اب بھی حاضر ہوں۔میدان میں کھڑا ہوں۔یقیناً یاد رکھیں کہ وہ نور جو آسمان سے اُترا ہے آپ کی مُنہ کی پھونکوں سے بُجھ نہیں سکتا۔آپ اپنے مُنہ کی فکر کریں۔ایسا نہ ہو کہ پھونکیں مارتے مارتے ایک شعلہ اُٹھے اور آپ کے مُنہ کی مسخی صورت بنادے۔ **من عادیٰ** کی حدیث آپ کو یاد نہیں جس کو ارادت کی راہ سے میری طرف لکھا کرتے تھے۔اب آپ نے مجھے مفتری بنایا۔کاذب قرار دیا۔مکّار نام رکھا۔دجّال کے اسم سے موسوم کیا۔مگر اپنے ہی ریویو کی وہ عبارتیں آپ کو یاد نہ رہیں جو آپ براہین احمدیہ کے ریویو نمبر ۶ جلد ساتے میں لکھ چکے ہیں۔چنانچہ آپ بغرض تعریف وتوصیف کتاب موصوف کے صفحہ ۲۸۴ میں لکھتے ہیں۔ ﴿۸۸۲﴾

مؤلف براہین احمدیہ کے حالات وخیالات سے جس قدر ہم واقف ہیں ہمارے معاصرین ایسے واقف کم نکلیں گے۔مؤلف صاحب ہمارے ہموطن بلکہ اوائل عمر کے ہمارے ہم مکتب ہیں اس زمانہ سے آج تک خط وکتابت وملاقات ومراسلت برابر جاری ہے۔(ص ۲۸۴)

مؤلف براہین احمدیہ مخالف وموافق کے تجربہ اور مشاہدہ کی رو سے **واللّٰہ حسیبہ** شریعت محمدیہ پر قائم اور پرہیزگار وصداقت شعار ہیں (ص ۱۶۹) کتاب براہین احمدیہ (یعنی تالیف اس عاجز کی) ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آج تک اسلام میں تالیف نہیں ہوئی۔اور اس کا مؤلف اسلام کی مالی وجانی وقلمی ولسانی وحالی وقالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر پہلی کتابوں میں بہت ہی کم پائی گئی ہے۔اے خدا اپنے طالبوں کے رہنما اِن پر اِن کی ذات سے اِن کے ماباپ سے تمام جہان کے مشفقوں سے ﴿۸۸۳﴾ زیادہ رحم کر اور اس کتاب کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈالدے اور اس کی برکات سے مالا مال کردے اور اس خاکسار شرمسار گنہگار کو بھی اپنے فیوض وانعامات اور اس کتاب کی اخص برکات سے فیضیاب کر۔آمین **و للارض من کاس الکرام نصیب** صفحہ ۳۴۸۔

اب حضرت سمجھ کر اور سوچ کر جواب دیں کہ یہ عبارتیں میرے حق میں آپ ہی کی ہیں یا کسی اور کی۔ اور یقیناً سمجھیں کہ آپ کی دعا کے موافق سب سے زیادہ خدائے تعالیٰ کا میرے پر رحم ہے اور یاد رکھیں کہ وہ ہرگز مجھے ضائع نہ کرے گا۔ آپ کی قسمت میں لغزش تھی سو وہ وقوع میں آ گئی اور جو پیالہ ابتدا سے آپ کے لئے مقدر تھا آپ کو وہ پینا پڑا۔ کیا آپ کو میں نے اِن سب باتوں سے پہلے خبر نہیں دی تھی کہ آپ کے لئے مقدّر ہے کہ آپ مخالفت پر کھڑے ہو جائیں گے اور صدق اور راستی کو چھوڑ دیں گے۔ سخت بدقسمت وہ انسان ہے جو راستباز کو مکّار سمجھے۔ نہایت بدنصیب وہ شخص ہے کہ جو صدیق کو کذّاب خیال کرے۔

آپ اپنے اشتہار کے اخیر میں پھر اس بات پر زور دیتے ہیں کہ گویا میں بخاری اور مسلم سے منکر ہوں۔ اور دعویٰ کرتے ہیں کہ اشاعۃ السنۃ میں بخوبی ظاہر کیا جائے گا۔ سو میری طرف سے ﴿۸۸۴﴾
گذارش ہے کہ یوں تو مجھے اور ہر یک سمجھدار کو یہی امید ہے کہ آپ اسی طرح دفع وقت کے لئے زائد اور بے تعلق باتوں میں اپنے پرچہ اشاعۃ السنۃ کو سیاہ کرتے رہیں گے اور اصل بحث کی طرف ہرگز نہ آئیں گے۔ لیکن میرے پر یہ بہتان کھڑا کرنا کہ گویا میں صحیحین کا منکر ہوں آپ کے لئے کچھ بھی مفید نہیں ہوگا۔ آپ ذرہ غور کریں کہ کیا کوئی عقلمند ایسی کتابوں سے منکر ہو سکتا ہے جو اس کے دعویٰ کی اوّل درجہ پر مؤید اور حامی ہیں۔ ایسا تو کوئی نادان بھی نہیں کر سکتا۔ اگر میں بخاری اور مسلم کی صحت کا قائل نہ ہوتا تو میں اپنی تائید دعویٰ میں کیوں بار بار اُن کو پیش کرتا۔ چنانچہ اسی رسالہ **ازالہ اوہام** میں بہت سی حدیثیں صحیح مسلم کی اپنے تائید دعویٰ میں پیش کر چکا ہوں۔ ہاں بخاری میں سے میں نے کم لکھا ہے۔ سو اس جگہ آپ کی خاطر کچھ اور بھی لکھ دیتا ہوں تا آپ پر واضح ہو کہ بخاری بھی اس عاجز کی حامی اور ناصر ہے۔ اور اگر آپ ہزار جان کنی کریں۔ بخاری کو بھی مؤید مطلب ہرگز نہ پائیں گے۔ بلکہ قرآن کریم کی طرح وہ بھی اس عاجز کے مدعا اور اور دعویٰ پر کامل دلائل پیش کرتی ہے۔ حضرت یہی تو میرے گواہ ہیں جن سے میرا دعویٰ ثابت ہوتا ہے ان سے اگر انکار کروں تو کہاں جاؤں۔ ﴿۸۸۵﴾

اب لیجئے نمونہ کے طور پر کسی قدر بخاری کے دلائل پیش کرتا ہوں اگر کچھ منکرانہ جوش ہے تو ردّ کر کے دکھلاویں۔ اور اگر سعادت ہے تو قبول کر لیں۔ وَ طُوبٰی لِلسُّعَدَآءِ۔

اِفَادَاتُ الْبُخَارِیُ

یہ عاجز پہلے اس سے اسی رسالہ میں بیان کر چکا ہے کہ عموم محاورہ قرآن شریف کا توفّی کے لفظ کے استعمال میں یہی واقعہ ہوا ہے کہ وہ تمام مقامات میں اوّل سے آخر تک ہر ایک جگہ جو تَوَفِّی کا لفظ آیا ہے اس کو موت اور قبض روح کے معنے میں لاتا ہے اور جب عرب کے قدیم وجدید اشعار و قصائد و نظم و نثر کا جہاں تک ممکن تھا تتبّع کیا گیا اور عمیق تحقیقات سے دیکھا گیا تو یہ ثابت ہوا کہ جہاں جہاں تَوَفِّی کے لفظ کا ذوی الروح سے یعنی انسانوں سے علاقہ ہے اور فاعل اللہ جَلَّشَانُہٗ کو ٹھہرایا گیا ہے اِن تمام مقامات میں تَوَفِّی کے معنے موت و قبض روح ﴿۸۸۶﴾ کے کئے گئے ہیں۔ اور اشعار قدیمہ و جدیدہ عرب میں اور ایسا ہی اُن کی نثر میں بھی ایک بھی لفظ توفی کا ایسا نہیں ملے گا جو ذوی الروح میں مستعمل ہو اور جس کا فاعل لفظًا یا معنًا خدائے تعالیٰ ٹھہرایا گیا ہو۔ یعنی فعل عبد کا قرار نہ دیا گیا ہو اور محض خدائے تعالیٰ کا فعل سمجھا گیا ہو اور پھر اس کے معنے بجز قبض روح کے اور مراد رکھے گئے ہوں۔ لغات کی کتابوں قاموس۔ صحاح۔ صراح وغیرہ پر نظر ڈالنے والے بھی اس بات کو جانتے ہیں۔ کہ ضرب المثل کے طور پر بھی کوئی فقرہ عرب کے محاورات کا ایسا نہیں ملا جس میں توفی کے لفظ کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے اور ذوی الروح کے بارہ میں استعمال میں لا کر پھر اس کے اور بھی معنے کئے ہوں۔ بلکہ برابر ہر جگہ یہی معنے موت اور قبض روح کے کئے گئے ہیں اور کسی دوسرے احتمال کا ایک ذرہ راہ کُھلا نہیں رکھا۔ پھر بعد اس کے اِس عاجز نے حدیثوں کی طرف رجوع کیا تا معلوم ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ اور خود آنحضرت صلعم اس لفظ تَوَفِّی کو

ذوی الروح کی طرف منسوب کر کے کن کن معنوں میں استعمال کرتے تھے۔ آیا یہ لفظ اس
وقت اُن کے روزمرہ محاورات میں کئی معنوں پر استعمال ہوتا تھا یا صرف ایک ہی معنے قبض
روح اور موت کے لئے مستعمل تھا۔ سو اس تحقیقات کے لئے مجھے بڑی محنت کرنی پڑی اور اِن
تمام کتابوں صحیح بخاری۔ صحیح مسلم۔ ترمذی۔ ابن ماجہ۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ دارمی۔ موطا۔ ﴿۸۸۷﴾
شرح السنہ وغیرہ وغیرہ کا صفحہ صفحہ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ان تمام کتابوں میں جو داخل مشکوٰۃ
ہیں تین سو چھیالیس مرتبہ مختلف مقامات میں توفی کا لفظ آیا ہے اور ممکن ہے کہ میرے شمار
کرنے میں بعض توفی کے لفظ رہ بھی گئے ہوں لیکن پڑھنے اور زیر نظر آجانے سے ایک بھی لفظ
باہر نہیں رہا۔ اور جس قدر وہ الفاظ توفی کے ان کتابوں میں آئے ہیں۔ خواہ وہ ایسا لفظ ہے جو
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ سے نکلا ہے یا ایسا ہے جو کسی صحابی نے مُنہ سے نکالا ہے۔
تمام جگہ وہ الفاظ موت اور قبض روح کے معنے میں ہی آئے ہیں۔ اور چونکہ میں نے ان کتابوں
کو بڑی کوشش اور جانکاہی سے سطر سطر پر نظر ڈال کر دیکھ لیا ہے۔ اس لئے میں دعویٰ سے اور شرط
کے ساتھ کہتا ہوں کہ ہریک جگہ جو تَوَفِّی کا لفظ ان کتابوں کی احادیث میں آیا ہے اس کے بجز
موت اور قبض روح کے اور کوئی معنے نہیں۔ اور ان کتابوں سے بطور استقراء کے ثابت ہوتا ہے
کہ بعد بعثت اخیر عمر تک جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ رہے کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے تَوَفِّی کا لفظ بغیر معنی موت اور قبض روح کے کسی دوسرے معنٰی کے لئے ہرگز استعمال نہیں کیا ﴿۸۸۸﴾
اور نہ کبھی دوسرے معنی کا لفظ زبان مبارک پر جاری ہوا۔ اور کچھ شک نہیں کہ استقراء بھی
ادلّۂ یقینیہ میں سے ہے۔ بلکہ جس قدر حقائق کے ثابت کرنے کے لئے استقراء سے مدد ملی
ہے اور کسی طریق سے مدد نہیں ملی۔ مثلاً ہمارے ان یقینیات کی بناء جو عموماً تمام انسانوں کی
ایک زبان ہوتی ہے اور دو آنکھ اور عمر انسان کی عموماً اس حد سے تجاوز نہیں کر سکتی۔ اور اناج کی
قسموں میں سے چنا اس انداز کا ہوتا ہے اور گیہوں کا دانہ اس انداز کا۔ یہ سب یقینیات استقراء
سے معلوم ہوئے ہیں۔ پس جو شخص اس استقراء کا انکار کرے تو ایسا کوئی لفظ تَوَفِّی کا پیش کرنا

اس کے ذمہ ہوگا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ سے نکلا ہو۔ اور بجز موت اور قبض روح کے اس کے کوئی اور معنے ہوں۔ اور امام محمد اسماعیل بخاری نے اس جگہ اپنی صحیح میں ایک لطیف نکتہ کی طرف توجہ دلائی ہے جس سے معلوم ہوا کہ کم سے کم سات ہزار مرتبہ تَـوَفّـِی کا لفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ سے بعثت کے بعد اخیر عمر تک نکلا ہے۔ اور ہر یک لفظ تَوَفّـِی کے معنے قبض روح اور موت تھی۔ سو یہ نکتہ بخاری کا منجملہ اُن نکات کے ہے جن سے حق کے طالبوں کو امام بخاری کا مشکور و ممنون ہونا چاہیئے۔

اور منجملہ افادات امام بخاری کے جس کا ہمیں شکر کرنا چاہیئے ایک یہ ہے کہ انہوں نے مسیح ابن مریم کی وفات کے بارہ میں ایک قطعی فیصلہ ایسا دے دیا ہے جس سے بڑھ کر متصور نہیں۔ ﴿۸۸۹﴾ اور وہ یہ ہے کہ امام بخاری نے اپنی صحیح کے کئی حصوں میں سے جن کا نام اُس نے خاص خاص غرضوں کی طرف منسوب کر کے کتاب رکھا ہے۔ ایک حصہ کو کتاب التفسیر کے نام سے نامزد کیا ہے۔ کیونکہ اس حصہ کے لکھنے سے اصل غرض یہ ہے کہ جن آیات قرآن کریم کی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ تفسیر و تشریح کی ہے یا اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے اُن آیات کی بحوالہ قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تفسیر کر دی جائے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ اسی غرض سے آیہ کریمہ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ [1] کو کتاب التفسیر میں لایا ہے۔ اور اس ایراد سے اُس کا منشاء یہ ہے کہ تا لوگوں پر ظاہر کرے کہ تَـوفیتـنـی کے لفظ کی صحیح تفسیر وہی ہے۔ جس کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ فرماتے ہیں یعنی مار دیا اور وفات دے دی اور حدیث یہ ہے عن ابن عباسٍ انه يُجآء برجالٍ من امتی فيؤخذبهم ذات الشمال فاقول یا رب اصیحابی فيُقال ﴿۸۹۰﴾ انک لا تدری ما احدثوا بعدک فاقول کماقال العبد الصالح و کنت علیهم شهیدًا ما دمتُ فيهم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیهم ۔صفحہ ۶۶۵ بخاری ۶۹۳ بخاری۔ یعنی قیامت کے دن میں بعض لوگ میری اُمت میں سے آگ کی طرف

[1] المائدة: ۱۱۸

لائے جائیں گے تب میں کہوں گا کہ اے میرے رب یہ تو میرے اصحاب ہیں تب کہا جائے گا کہ تجھے اُن کاموں کی خبر نہیں جو تیرے پیچھے اِن لوگوں نے کئے۔ سو اُس وقت میں وہی بات کہوں گا جو ایک نیک بندہ نے کہی تھی یعنی مسیح ابن مریم نے۔ جب کہ اُسکو پوچھا گیا تھا کہ کیا یہ تو نے تعلیم دی تھی کہ مجھے اور میری ماں کو خدا کر کے ماننا۔ اور وہ بات (جو میں ابن مریم کی طرح کہوں گا) یہ ہے کہ میں جب تک اُن میں تھا اُن پر گواہ تھا پھر جب تُو نے مجھے وفات دیدی تو اُس وقت تُو ہی اُن کا نگہبان اور محافظ اور نگران تھا۔ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قصہ اور مسیح ابن مریم کے قصہ کو ایک ہی رنگ کا قصہ قرار دیکر وہی لفظ فلمّا توفّیتنی کا اپنے حق میں استعمال کیا ہے جس سے صاف سمجھا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فلمّا توفّیتنی سے وفات ہی مراد لی ہے۔ کیونکہ اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ آنحضرت صلعم فوت ہو گئے ہیں اور مدینہ منورہ میں آنحضرت کی مزار شریف موجود ہے۔ پس جبکہ فلمّا توفیتنی کی شرح اور تفسیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت وفات پانا ہے ثابت ہوا۔ اور وہی لفظ حضرت مسیح کے مُنہ سے نکلا تھا اور کھلے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا کہ جن الفاظ کو مسیح ابن مریم نے استعمال کیا تھا وہی الفاظ مَیں استعمال کرونگا پس اس سے بکلی منکشف ہو گیا کہ مسیح ابن مریم بھی وفات پا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی وفات پا گئے اور دونوں برابر طور پر اثر آیت فلمّا توفّیتنی سے متاثر ہیں۔ اِسی وجہ سے امام بخاری اس آیت فلمّا توفّیتنی کو قصدًا کتاب التفسیر میں لایا تا وہ مسیح ابن مریم کی نسبت اپنے مذہب کو ظاہر کرے کہ حقیقت میں وہ اس کے نزدیک فوت ہو گیا ہے۔ یہ مقام سوچنے اور غور کرنے کا ہے کہ امام بخاری آیت فلمّا توفّیتنی کو کتاب التفسیر میں کیوں لایا۔ پس ادنیٰ سوچ سے صاف ظاہر ہو گا کہ جیسا کہ امام بخاری کی عادت ہے اس کا منشاء یہ تھا کہ آیت فلمّا توفّیتنی کے حقیقی اور واقعی معنی وہی ہیں جن کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا ہے۔ سو اس کا مدعا اس بات کا

﴿۸۹۱﴾ ﴿۸۹۲﴾

ظاہر کرنا ہے کہ اس آیت کی یہی تفسیر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پر وارد کر کے آپ فرمائی ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ اس طرز کو امام بخاری نے اختیار کر کے صرف اپنا ہی مذہب ظاہر نہیں کیا بلکہ یہ بھی ظاہر کر دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت **فلمّا توفّیتنی** کے یہی معنی سمجھتے تھے تب ہی تو انہیں الفاظ **فلمّا توفّیتنی** کو بغیر کسی تبدیل وتغییر کے اپنی نسبت استعمال کرلیا۔ پھر امام صاحب نے اسی مقام میں ایک اور کمال کیا ہے کہ اس معنی کے زیادہ پختہ کرنے کے لئے اسی صفحہ ۶۶۵ میں آیت **یاعیسٰی انی متوفیک**☆ کے بحوالہ ابن عباس کے اسی کے مطابق تفسیر کی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں **وقال ابن عباس متوفّیک مُمیتک** (دیکھو وہی صفحہ ۶۶۵ بخاری) یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ یہ جو آیت قرآن کریم ہے کہ **یاعیسٰی انّی متوفّیک** اس کے یہ معنے ہیں کہ اے عیسےٰ میں تجھے وفات دُوں گا۔ سو امام بخاری صاحب ابن عباس کا قول بطور تائید کے لائے ہیں تا معلوم ہو کہ صحابہ کا بھی یہی مذہب تھا کہ مسیح ابن مریم فوت ہو گیا ہے۔ اور پھر امام بخاری نے ایک اور کمال کیا ہے کہ اپنی صحیح کے صفحہ ۵۳۱ میں مناقب ابن عباس میں لکھا ہے کہ خود ابن عباس سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اپنے سینہ☆ سے لگایا اور دعا کی کہ یا الٰہی اس کو حکمت بخش اس کو علم قرآن بخش چونکہ دُعا نبی کریم کی مستجاب ہے اس لئے ابن عباس کا یہ بیان کہ **توفّی عیسٰی** جو قرآن کریم میں آیا ہے **اماتت عیسٰی** اس سے مراد ہے یعنی عیسیٰ کی[1] وفات دینا۔ یہ معنی آیت کریمہ کے جو ابن عباس نے کئے ہیں اس وجہ سے بھی قابل قبول ہیں کہ ابن عباس کے حق میں علم قرآن کی دعا مستجاب ہو چکی ہے۔ ﴿۸۹۳﴾

پھر امام بخاری نے اسی آیت **فلمّا توفّیتنی** کو کتاب الانبیاء صفحہ ۴۷۳ اور پھر صفحہ ۶۹۰ میں انہیں معنوں کے ظاہر کرنیکی غرض سے ذکر کیا ہے اور ظاہر کیا ہے کہ اس قصّہ کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسیح ابن مریم سے ایک مشابہت ہے چنانچہ صفحہ ۴۸۹ میں یہ

☆فٹ نوٹ: اس آیت کا حاشیہ ایڈیشن اوّل کے صفحہ ۹۲۲ اور اس ایڈیشن کے صفحہ ۶۰۶ پر ملاحظہ فرماویں۔

[1] سہو کتابت ہے صحیح ’’کو‘‘ ہے۔ ناشر

حدیث بھی بروایت ابوہریرہ لکھ دی ہے انا اولی الناس بابن مریم والانبیاء اولاد علات اوراسی کی تائید میں امام بخاری نے کتاب المغازی میں بذیل کتاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۶۴۰ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک اور حدیث لکھی ہے۔

﴿۸۹۴﴾ اور منجملہ افادات امام بخاری کے جن کا ہمیں شکر کرنا چاہیئے یہ ہے کہ انہوں نے صرف اسی قدر ثابت نہیں کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں بلکہ احادیث نبویہ کی رو سے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ جو شخص فوت ہو جائے پھر دنیا میں آ نہیں سکتا۔ چنانچہ بخاری کے صفحہ ۶۴۰ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت کی گئی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے تو بعض آدمی یہ گمان کرتے تھے کہ آنحضرت فوت نہیں ہوئے اور بعض کہتے تھے کہ فوت ہو گئے۔ مگر پھر دنیا میں آئیں گے۔ اس حالت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ کے گھر گئے اور دیکھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں تب وہ چادر کا پردہ اُٹھا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کی طرف جھکے اور چوما اور کہا کہ میرے ماں باپ تیرے پر قربان مجھے خدا تعالیٰ کی قسم ہے کہ خدا تیرے پر دو موتیں جمع نہیں کرے گا۔ پھر لوگوں میں آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فوت ہو جانا ظاہر کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فوت ہونے اور پھر دنیا میں نہ آنے کی تائید میں یہ آیت پڑھی

﴿۸۹۵﴾ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ[1] یعنی محمد اس سے زیادہ نہیں کہ وہ رسول اللہ ہے اور اس سے پہلے تمام رسول اس دنیا سے ہمیشہ کے لئے گذر چکے ہیں۔ یاد رہے کہ من قبله الرسل کا الف لام استغراق کا ہے جو رسولوں کی جمع افراد گذشتہ پر محیط ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر دلیل ناقص رہ جاتی ہے کیونکہ اگر ایک فرد بھی باہر رہ جائے تو وہ پھر وہ استدلال جو مدعا قرآن کریم کا ہے اس آیت سے پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس آیت کے پیش کرنے سے حضرت ابوبکر صدیق نے اِس بات کا ثبوت دیا کہ کوئی نبی ایسا نہیں گذرا کہ جو فوت نہ ہوا ہو اور نیز اس بات کا ثبوت دیا کہ جو فوت ہو جائے پھر دنیا میں کبھی نہیں آتا۔ کیونکہ لغت عرب

[1] ال عمران: ۱۴۵

اور محاورہ اہل عرب میں خَـلَا یا خَلَتْ ایسے لوگوں کے گذرنے کو کہتے ہیں جو پھر آنیوالے نہ ہوں۔ پس تمام رسولوں کی نسبت جو آیت موصوفہ بالا میں خَلَتْ کا لفظ استعمال کیا گیا وہ اسی لحاظ سے استعمال کیا گیا تا اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ وہ لوگ ایسے گئے ہیں کہ پھر دنیا میں ہرگز نہیں آئیں گے۔ چونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال یافتہ ہونے کی حالت میں آپ کے چہرہ مبارک کو بوسہ دے کر کہا تھا کہ تُو حیات اور موت میں پاک ہے تیرے پر دو موتیں ہرگز وارد نہیں ہوں گی یعنی تو دوسری مرتبہ دنیا میں ہرگز نہیں آئے گا۔ اس لئے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے قول کی تائید میں آیت قرآن کریم کی پیش کی۔ جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ سب رسول جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تھے گذر چکے ہیں اور جو رسول اس دنیا سے گذر گئے ہیں پھر اس دنیا میں ہرگز نہیں آئیں گے۔ کیونکہ جیسا کہ قرآن شریف میں اَور فوت شدہ لوگوں کی نسبت خَلَوْا یا خَلَتْ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ایسا ہی یہی لفظ نبیوں کے حق میں بھی استعمال ہوا ہے۔ اور یہ لفظ موت کے لفظ سے اخص ہے کیونکہ اس کے مفہوم میں یہ شرط ہے کہ اس عالم سے گذر کر پھر اس عالم میں نہ آوے۔ غرض امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس جگہ فوت شدہ نبیوں کے دوبارہ نہ آنے کے بارے میں اوّل قول ابوبکر صدیق کا پیش کیا جس میں یہ بیان ہے کہ خدا تیرے پر دو موتیں جمع نہیں کرے گا۔ کیونکہ دوبارہ آنا دو موتوں کو مستلزم ہے۔ اور پھر اس بارے میں قرآن کریم کی آیت پیش کی اور یہ ثبوت دیا کہ خَلَا اس گذرنے کو کہتے ہیں کہ پھر اس کے بعد عود نہ ہو۔ اس تحقیق و تدقیق سے کمالاتِ امام بخاری ظاہر ہیں۔ **جزاہ اللّٰہ خیر الجزاء وادخلہ اللّٰہ فی الجنّات العلیا۔** ﴿۵۹۶﴾

اور منجملہ افادات امام بخاری کے ایک یہ ہے کہ انہوں نے اپنی صحیح میں پانچ حدیثیں ذکر کر کے متفرق طرق اور متفرق راویوں کے ذریعہ سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ مسیح ابن مریم اپنی موت کے بعد اموات میں جا ملا اور خدا تعالیٰ کے بزرگ نبی جو اس دنیا سے گذر چکے ہیں

﴿۸۹۷﴾ اُن میں داخل ہوگیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات میں فوت شدہ جماعت میں اُس کو پایا۔ دیکھو بخاری صفحہ ۵۰ اور صفحہ ۴۵۵ وصفحہ ۴۷۱ وصفحہ ۵۴۸ و ۱۱۲۰۔ اور اِن احادیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ وہ سب نبی اگرچہ دنیوی زندگی کی رو سے مر گئے اور اس جسم کثیف اور اس کے حیات کے لوازم کو چھوڑ گئے لیکن اس عالم میں ایک نئی زندگی جس کو روحانی کہنا چاہیئے رکھتے ہیں۔ اور کیا مسیح اور کیا غیر مسیح برابر اور مساوی طور پر اس نئی زندگی کے لوازم اپنے اندر جمع رکھتے ہیں۔ یہی منشاء انجیل میں پطرس کے پہلے خط کا ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ وہ یعنی مسیح جسم کے حق میں تو مارا گیا لیکن روح میں زندہ کیا گیا۔ یعنی موت کے بعد مسیح کو روحانی زندگی ملی ہے نہ جسمانی۔ دیکھو پطرس کا پہلا خط تین باب اُنیس آیت۔ اور عبرانیوں کے خط نو ۹ باب ستائیس آیت میں لکھا ہے کہ آدمیوں کے لئے ایک بار مرنا ہے ایسا ہی بائبل کے بہت سے مقامات میں موجود ہے کہ راستبازوں کے لئے ایک موت کے بعد پھر حیات ابدی ہے۔ اب اس بات کے ثابت ہونے کے بعد کہ مسیح مر گیا اور روح اس کی فوت شدہ روحوں میں داخل ہے۔ اگر فرض محال کے طور پر پھر اس کا زندہ ہو کر دنیا میں آنا قبول کرلیں تو آسمان سے اُترنا اس کا بہر حال غیر مسلّم ہوگا۔ کیونکہ ثابت ہو چکا کہ آسمان پر مرنے کے بعد صرف اسؔ کی روح گئی جو دوسری ﴿۸۹۸﴾ روحوں میں شامل ہوگئی۔ ہاں اس فرض کے بناء پر یہ کہنا پڑے گا کہ کسی وقت اس کی قبر پھٹ جائے گی اور اس میں سے باہر آجائے گا اور یہ کسی کا اعتقاد نہیں۔ ماسوا اس کے ایک موت کے بعد پھر دوسری موت ایک عظیم الشان نبی کے لئے تجویز کرنا خدا تعالیٰ کی تمام کتابوں کے برخلاف ہے۔ اور جو شخص ایک مرتبہ مسیح کو مار کر پھر قیامت کے قریب اسی دنیا میں لاتا ہے اُس کی یہ مرضی ہے کہ سب کے لئے ایک موت اور مسیح کے لئے دو موتیں ہوں جس نے دنیا میں کسی جسم اور صورت میں جنم لیا وہ موت سے بچ نہیں سکتا۔ دیکھو خط دوم پطرس ۳ باب ۱۰ آیت۔

اور منجملہ افادات امام بخاری کے ایک یہ ہے کہ انہوں نے قطعی طور پر اس بات کا فیصلہ دیکر

کہ مسیح ابن مریم فوت ہوگیا اور فوت شدہ بندوں میں جاملا۔ پھر اس پیشگوئی کی نسبت جو اُن کی صحیح میں درج ہے کہ ابن مریم نازل ہوگا۔ تین قوی قرینے قائم کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ آنے والا ابن مریم ہرگز وہ مسیح ابن مریم نہیں ہے جس پر انجیل نازل ہوئی تھی۔ چنانچہ اوّل قرینہ یہ لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ **لا نبی بعدی**۔ صفحہ ۶۳۳۔ دوم قرینہ یہ ہے کہ آنے والے مسیح کی نسبت **اِمامکم منکم** کا قول استعمال کیا گیا ہے جس سے صاف ﴿۸۹۹﴾
طور پر جتلا دیا ہے کہ وہ مسیح آنے والا اصل مسیح نہیں ہے بلکہ وہ تمہارا ایک امام ہوگا اور تم میں سے ہوگا۔ اور کسی اَور امام کا مسیح کے ساتھ ہونا ہرگز ذکر نہیں کیا۔ بلکہ امامت کی وجہ سے ہی مسیح موعود کا نام **حَکَم** رکھا **عدل** رکھا **مُقسط** رکھا۔ اگر وہ امام نہیں تو یہ صفات جو امامت سے ہی تعلق رکھتی ہیں کیوں کر اس کے حق میں بولی جاسکتی ہیں۔ اور اگر کہو کہ امامت سے مراد نماز خوانی کی امامت ہے جیسا کہ ہر یک مسجد میں ملّاں ہوا کرتے ہیں تو یہ عجیب عقل کی بات ہے۔ کیونکہ یہ تو ہرگز ممکن نہیں کہ بیس کروڑ مسلمانوں کے لئے جو مختلف بلاد میں جابجا سکونت رکھتے ہیں پنجوقت نماز ادا کرنے کے لئے ایک ہی امام کافی ہو۔ بلکہ بڑے بڑے لشکروں کے لئے بھی جو جابجا حسب مصالح جنگی متفرق ہوں ایک امام کافی نہیں ہوسکتا۔ سو نماز پڑھانے کی امامت جیسا کہ آج کل لاکھوں آدمی کر رہے ہیں یہی تعداد ہر یک زمانہ کے لئے لابدی اور لازمی ہے جو صرف ایک سے انجام پذیر نہیں ہوسکتی۔ بلکہ امام سے مراد رہنما اور پیشوا اور خلیفہ ہے جس کی صفات میں سے **حَکَم** اور **عدل** اور **مقسط** ہونا بیان کیا گیا ہے۔ اب آنکھ کھول کر دیکھنا چاہیئے کہ یہ صفات بخاری کے سیاق سباق دیکھنے سے مسیح موعود کے حق میں ﴿۹۰۰﴾
اطلاق پائے ہیں یا کسی اور کے حق میں۔ اے بندگانِ خدا کچھ تو ڈرو۔ دیکھو تمہارا دل ہی تمہیں ملزم کرے گا کہ تم حق پر پردہ ڈال رہے ہو۔ ڈرو۔ اے لوگو ڈرو اور خدا اور رسول کے فرمودہ سے عمدًا انحراف مت کرو اور الحاد اور تحریف سے باز آجاؤ۔ اللہ اور رسول کے کلمات کو

اُن کے مواضع سے کیوں پھیرتے ہو۔ **و قد حرّفتم و انتم تعلمون۔**

سوم قرینہ جو امام بخاری نے بیان کیا ہے یہ ہے کہ آنے والے مسیح اور اصل مسیح ابن مریم کے حُلیہ میں جا بجا التزام کامل کے ساتھ فرق ڈال دیا ہے۔ ہر ایک جگہ جو اصل مسیح ابن مریم کا حلیہ لکھا ہے۔ اس کے چہرہ کو احمر بیان کیا ہے اور ہر یک جگہ جو آنے والے مسیح کا حلیہ بقول آنحضرت صلعم بیان فرمایا ہے اس کے چہرہ کو گندم گوں ظاہر کیا ہے اور کسی جگہ اس التزام کو ہاتھ سے نہیں دیا۔ چنانچہ صفحہ ۴۸۹ میں دو حدیثیں امام بخاری لایا ہے۔ ایک ابو ہریرہ سے اور ایک ابن عمر سے۔ اور اُن دونوں میں یہ بیان ہے کہ معراج کی رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ کو جو اصل عیسیٰ ہے دیکھا اور اس کو سُرخ رنگ پایا۔ اور پھر اس کے آگے اَبی سَالم سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے مسیح کو خواب میں دیکھا اور اس کا گندم گُوں حُلیہ بیان کیا۔ پھر صفحہ ۱۰۵۵ میں ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنے ﴿۹۰۱﴾ والے مسیح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا اور معلوم ہوا کہ وہ گندم گوں ہے اور دجّال کو سرخ رنگ دیکھا (جو اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ وہ سرخ رنگ قوم سے پیدا ہوگا) اور صفحہ ۴۸۹ میں عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے ابن مریم کو گندم گوں دیکھا۔ اسی طرح امام بخاری نے اپنی کتاب میں یہ التزام کیا ہے کہ وہ اصل مسیح کے حُلیہ کو بروایت ثقات صحابہ سرخ بیان کرتے ہیں اور آنے والے مسیح کا حلیہ گندم گوں ظاہر کرتے ہیں جس سے انہوں نے ثابت کیا ہے کہ آنے والا مسیح اَور ہے۔ چنانچہ امام بخاری نے اپنی صحیح کی کتاب اللباس میں بھی آنے والے مسیح کا حلیہ گندم گوں لکھا ہے۔ دیکھو صفحہ ۸۷۶ کتاب اللباس۔

اور منجملہ افادات امام بخاری کے یہ ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو جو صحیح بخاری کے صفحہ ۶۵۲ اور ۶۴۶ میں ہے یعنی حدیث **ما من مولود یولد الا و الشیطٰن یمسّہٗ**

حین یولد الامریم وابنھا اورحدیث باصبعیہ ...غیر عیسٰی کومتعارض حدیثوں
کے ساتھ ذکر کر کے اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ ابن مریم سے مراد ہریک وہ شخص ہے ﴿۹۰۲﴾
جو اس کی صفت اور رنگ میں ہو۔ اور متعارض حدیثیں یہ ہیں دیکھو صفحہ ۴۶۴ اور حدیث
صفحہ ۶۷۷ جس کے آخیر ہے لم یضرہ شیطان۔ ماسوااس کے آیت اِنَّ عِبَادِیۡ لَیۡسَ لَکَ
عَلَیۡھِمۡ سُلۡطٰنٌ [۱] اور آیت سَلٰمٌ عَلَیۡہِ یَوۡمَ وُلِدَ [۲] صاف دلالت کررہی ہے کہ مس شیطان
سے محفوظ ہونا ابن مریم سے مخصوص نہیں۔ اور زمخشری کا یہ طعن کہ حدیث خصوصیت ابن
مریم دربارہ محفوظیت ازمس شیطان جو امام بخاری اپنی صحیح میں لایا ہے نقص سے خالی نہیں۔
اور اس کی صحت میں کلام ہے جیسا کہ خود اُس نے بیان کیا ہے فضول ہے۔ کیونکہ عمیق نظر سے
معلوم ہوتا ہے کہ امام بزرگ بخاری نے خود اشارہ کر دیا ہے کہ ابن مریم اور اس کی والدہ سے
مراد ہریک ایسا شخص ہے جو ان دونوں کی صفتیں اپنے اندر جمع رکھتا ہو۔ فلا تناقض
ولا تعارض۔ اور جبکہ یہ ثابت ہوا کہ کلام نبوی میں غیر عیسٰی پر عیسٰی یا ابن مریم کا بولا گیا ہے تو
یہ محاورہ اور بھی مؤیّد ہمارے مطلب کا ہوگا۔ احادیث نبویہ میں یہ بھی ایک محاورہ شائع
متعارف ہے کہ بعض کا بعض صفات کے لحاظ سے ایک ایسا نام رکھا جاتا ہے جو بظاہر وہ کسی ﴿۹۰۳﴾
دوسرے کا نام ہے جیسا کہ صفحہ ۵۲۱ میں یہ حدیث ہے لقد کان فیما کان قبلکم من
الامم ناس محدثون فان یک فی اُمّتی احد فانہ عمر دیکھو صفحہ ۵۲۱ بخاری۔
اب ظاہر ہے کہ محدثیت حضرت عمر میں محدود نہیں۔ سو حدیث کا یہ مطلب ہے کہ جو محدث
ہوگا وہ اپنی روحانی صفات کی رو سے عمر ہی ہوگا۔ ایسا ہی احادیث میں دابۃ الارض کو بھی ایک
خاص نام رکھ کر بیان کیا ہے لیکن احادیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی استعمال
کی رُو سے عام ہے اور دابۃ الارض کو صحیح مسلم میں ایسے پیرایہ سے ذکر کیا گیا ہے کہ ایک
طرف تو اس کو دجّال کی جساسہ ٹھہرادیا گیا ہے اور اُسی کی رفیق اور اسی جزیرہ میں رہنے
والی جہاں وہ ہے۔ اور ایک طرف حرم مکہ معظّمہ میں صفا کے نیچے اس کو جگہ دے رکھی ہے

[۱] الحجر: ۴۳ [۲] مریم: ۱۶

گویا وہ اُس ارض مقدس کے نیچے ہے نہ دجّال کے پاس۔ اور بیان کیا گیا ہے کہ اُسی میں سے اُس کا خروج ہوگا۔ اس استعارہ سے یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ دابۃ الارض درحقیقت اسم جسم[1] ایسے علماء کے لئے ہے جو ذوجہتین واقع ہیں۔ ایک تعلق اُن کا دین اور حق سے ہے اور ایک تعلق اُن کا دنیا اور دجالیت سے۔ اور آخری زمانہ میں ایسے مولویوں اور مُلّاؤں کا پیدا ہونا کئی جگہ بخاری میں لکھا ہے۔ چنانچہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ لوگ حدیث خیر البریّہ پڑھیں گے۔ اور قرآن کی بھی تلاوت کرتے ہوں گے لیکن قرآن اُن کے حلق کے نیچے نہیں اترے گا۔ سو یہ وہی زمانہ ہے انہیں لوگوں کی ملاقات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈرایا ہے اور فرمایا ہے **فاعتزل تلک الفرق کلها ولو ان تعض باصل شجرة حتّٰی یدرکک الموت وانت علٰی ذالک** صفحہ ۵۰۹ بخاری۔ یہی لوگ ہیں کہ باوجودیکہ اللّٰہ جلَّ شَانُہٗ اور اُس کا مقدّس رسول سراسر مسیح ابن مریم کی وفات ظاہر کر رہے ہیں۔ مگر پھر بھی ان کو فرمودۂ خدا اور رسول پر اعتماد نہیں۔ حالانکہ حکم یہ تھا فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيۡرٌ وَّاَحۡسَنُ تَاۡوِيۡلًا ۔[2]

ماکان من شرط لیس فی کتاب اللّٰہ فهو باطل قضاء اللّٰہ احق ۔ بخاری صفحہ ۳۷۷۔

ما عندنا شیٔ الّا کتٰب اللّٰہ ۔ بخاری صفحہ ۲۵۰۔ **حسبکم القراٰن** ۔ بخاری ۱۱۷۲۔

اب ہم بطور نمونہ امام بخاری کے افادات کے بیان کرنے سے فارغ ہوئے اور بیانات متذکرہ بالا سے ظاہر ہے کہ امام بخاری صاحب اوّل درجہ پر ہمارے دعاوی کے شاہد اور حامی ہیں اور ہمارے مخالفوں کے لئے ہرگز ممکن نہیں کہ ایک ذرّہ بھر بھی اپنے خیالات کی تائید میں کوئی حدیث صحیح بخاری کی پیش کرسکیں۔ سو درحقیقت صحیح بخاری سے وہ منکر ہیں نہ ہم۔

بالآخر میں یہ بھی لکھنا چاہتا ہوں کہ میں نے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی سے یہ درخواست کی تھی کہ اگر آپ مجھے مکّار اور غیر مسلم خیال کرتے ہیں تو آؤ اس طریق سے بھی مقابلہ کرو کہ ہم دونوں نشان قبولیت کے ظاہر ہونے کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کریں

(Margin: ﴾۹۰۴﴿ beside line 4; ﴾۹۰۵﴿ beside line 15)

[1] ’’اسم جنس‘‘ پڑھا جائے۔ دیکھئے حاشیہ: ۳۶۹ [2] النساء: ۶۰

تا جس کے شامل حال نصرت الٰہی ہو جاوے اور قبولیت کے آسمانی نشان اس کے لئے خدا کی طرف سے ظاہر ہوں وہ اس علامت سے لوگوں کی نظر میں اپنی قبولیت کے ساتھ شناخت کیا جاوے۔ اور جھوٹے کی ہر روزہ کشمکش سے لوگوں کو فراغت اور راحت حاصل ہو۔ اِس کے جواب میں مولوی صاحب موصوف اپنے اشتہار یکم اگست ۱۸۹۱ء میں لکھتے ہیں کہ یہ درخواست اُس وقت مسموع ہوگی کہ جب تم اوّل اپنے عقائد کا عقائد اسلام ہونا ثابت کرو گے غیر مسلم (یعنی جو مسلمان نہیں) خواہ کتنا ہی آسمانی نشان دکھاوے اہل اسلام اس کی طرف التفات نہیں کرتے۔ اب ناظرین انصافاً فرماویں کہ جس حالت میں اسی ثبوت کے لئے درخواست کی گئی تھی کہ تا ظاہر ہو جاوے کہ فریقین میں سے حقیقی اور واقعی طور پر مسلمان کون ہے پھر قبل از ثبوت ایک مسلمان کو جو لا الٰہ الّا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کا قائل اور معتقد ہو غیر مسلم کہنا اور لَسۡتَ مُسۡلِمًا کر کے پکارنا کس قسم کی مسلمانی اور ایمانداری ہے۔ ماسوا اس کے اگر یہ عاجز بزعم مولوی محمد حسین صاحب کافر ہے۔ تو خیر وہ یہ خیال کر لیں کہ میری طرف سے جو ظاہر ہوگا وہ استدراج ہے۔ پس اس صورت میں بمقابل اس استدراج کے اُن کی طرف سے کوئی کرامت ظاہر ہونی چاہیئے اور ظاہر ہے کہ کرامت ہمیشہ استدراج پر غالب آتی ہے۔ آخر مقبولوں کو ہی آسمانی مدد ملتی ہے۔ اگر میں بقول اُن کے مردود ہوں اور وہ مقبول ہیں تو پھر ایک مردود کے مقابل پر اتنا کیوں ڈرتے ہیں..... اگر میں بقول ان کے کافر ہونے کی حالت میں کچھ دکھاؤں گا تو وہ بوجہ اولیٰ دکھلا سکتے ہیں مقبول جو ہوئے۔ کہ مقبول را رد نباشد سخن و من عادیٰ لی ولیًّا فقد اٰذنته للحرب ۔ ابن صیّاد نے اگر کچھ دکھایا تھا تو کیا اس کے مقابل پر معجزات نبوی ظاہر نہیں ہوئے تھے اور کیا دجّال کے ساحرانہ کاموں کے مقابل پر عیسیٰ کے نشان مروی نہیں۔ ففرّوا این تفرّون! ﴿۹۰۶﴾

﴿۹۰۷﴾ # سیّد احمد خان صاحب کے۔سی۔ایس۔آئی کا الہام کی نسبت خیال اور ہماری طرف سے جیسا کہ واقعی امر ہے اُس کا بیان

فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوۡلِ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ ذٰلِکَ خَیۡرٌ وَّاَحۡسَنُ تَاۡوِیۡلًا [1] الجزو ۵۔ آیت موصوفہ بالا کا ترجمہ یہ ہے کہ اے مسلمانو! اگر کسی بات میں تم میں باہم نزاع واقعہ ہو تو اس امر کو فیصلہ کے لئے اللہ اور رسول کے حوالہ کرو اگر تم اللہ اور آخری دن پر ایمان لاتے ہو تو یہی کرو کہ یہی بہتر اور احسن تاویل ہے۔

اب جاننا چاہیئے کہ سیّد صاحب نے الہام کے بارہ میں اپنے پرچہ علی گڑھ گزٹ میں قرآن اور حدیث کے برخلاف رائے ظاہر کی ہے چنانچہ ان کی تحریر کا خلاصہ ذیل میں لکھا جاتا ہے اور وہ یہ ہے۔ جو بات یکایک دل میں آ جاوے گو کسی امر سے متعلق ہو وہ الہام ہے۔ بشرطیکہ کوئی تعلیم یا تعریف یا بیان اس طرف کو لے جانے والا نہ ہو۔ اس قسم کے ﴿۹۰۸﴾ الہامات کوئی عجیب شے نہیں ہیں بلکہ اکثروں کو ہوتے ہیں۔ منطقی کو منطق میں۔ فلسفی کو فلسفہ میں۔ طبیب کو علم طب اور تشخیص امراض میں۔ اہل حرفہ کو اپنے حرفہ میں وغیرہ ذالک۔ یہاں تک کہ وہ اسلام اور غیر اسلام پر بھی منحصر نہیں۔ بلکہ اس قسم کے الہامات ایک امر طبیعی انسان کا ہے جس میں اسلام کی ضرورت نہیں۔ ہاں ایسی خلقت کی ضرورت ہے کہ الہام ہونے کی قابلیت رکھتی ہو۔ الہام سے شاید بعض حالتوں میں اس شخص کو جس کو الہام ہوا ہو کوئی طمانیت قلبی حاصل ہوتی ہو مگر اس سے کوئی ایسا نتیجہ جو دوسروں کو فائدہ پہنچانے والا یقین دلانے والا تسکین بخشنے والا یا اُس واقعہ کی واقعیت اور اصلیت کو ثابت کرنے والا ہو پیدا نہیں ہو سکتا۔ سلسلہ الہامات کا زیادہ تر عرفانیات سے علاقہ رکھتا ہے جو محض تخیلات ہیں

[1] النساء: ۶۰

اور کوئی ثبوت اُن کے محقّقہ اور واقعیہ ہونے کا نہیں۔صوفیاء کرام کے تمام الہامات بجُز تخیلات نفسی کے زیادہ رتبہ نہیں رکھتے اور محض ہیچ پوچ اور بیکار ہیں۔نہ اُن سے خلق اللہ کو کچھ نفع ہے اور نہ ضرر۔دین اسلام تو بموجب **الیوم اکملت لکم دینکم** کامل ہو چکا اب الہام اس میں کوئی نئی بات پیدا نہیں کرسکتا۔جو لوگ کسی ملہم کو خدا رسیدہ سمجھتے ہیں وہ اِس بات کا بھی تصفیہ ﴿۹۰۹﴾
نہیں کر سکتے کہ درحقیقت اس کا دعویٰ الہام صحیح ہے یا دماغ میں خدانخواستہ کچھ خلل ہے۔اور ملہم جو اپنے تئیں بوجہ الہام مطمئن سمجھتا ہے یہ اطمینان اُس کے بھی اعتماد کے لائق نہیں کیا معلوم کہ وہ درحقیقت مطمئن ہے یا یونہی خیال باطل میں مبتلا ہے۔اس سے زیادہ ملہموں اور اُن لوگوں میں جو صوفی اور اہل اللہ کہلاتے ہیں اور کچھ نہیں کہ وہ اپنے ہی امور خیالیہ پر جو بے اصل محض ہیں جم جاتے ہیں اور اُن کو صحیح خیال کرنے لگتے ہیں اور ان کی ترقیات سلوک صرف اوہام کی ترقی ہے۔الہام اور ملہم کی طرف نہ دین کے لئے اور نہ معاد کے لئے اور نہ تقرب الی اللہ کے لئے اور نہ تمیز حق اور باطل کے لئے ہمیں کچھ حاجت ہے گو لوگ کسی ملہم کے گرد ایسے جمع ہو جائیں جیسے بُت پرست کسی بُت کے گرد۔خلاصہ مطلب یہ کہ الہام بالکل بے سُود ہے اور اس کی صحت پر کوئی حجت نہیں۔ **فافھم ھذا ما الھمنی ربی۔ تم کلامہ۔**

یہ عاجز سیّد صاحب کے وساوس کے دور کرنے کے لئے سب سے اوّل اس بات کو ظاہر کرنا مناسب سمجھتا ہے کہ جو کچھ سید صاحب نے الہام کے بارے میں سمجھا ہے یعنی یہ کہ وہ صرف امور خیالیہ ہیں کہ فقط ملہمین کا دل ہی انکا مُوجد ہوتا ہے۔یہ سید صاحب کی ﴿۹۱۰﴾
رائے اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ اب تک اس تعلیم سے بے خبر ہیں کہ جو الہام یعنی وحی کے بارے میں اللہ جلَّ شَانُہٗ اور اس کے رسول نے فرمائی ہے۔سو واضح ہو کہ قرآن کریم میں اس کیفیت کے بیان کرنے کے لئے جو مکالمہ الٰہی سے تعبیر کی جاتی ہے الہام کا لفظ اختیار نہیں کیا گیا محض لغوی طور پر ایک جگہ الہام کا لفظ آیا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا[1]۔سو اس کو **مانحن فیه** سے کچھ تعلق نہیں۔اس کے

[1] الشمس: ۹

تو صرف اسی قدر معنے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے بوجہ علت العلل ہونے کے بدوں کو اُن کے مناسب حال اور نیکوں کو اُن کے مناسب حال اُن کے جذبات نفسانی یا متقیانہ جوشوں کے موافق اپنے قانون قدرت کے حکم سے خیالات و تدابیر وحیل مطلوبہ کے ساتھ تائید دیتا ہے یعنی نئے نئے خیالات وحیل مطلوبہ اُن کو سوجھا دیتا ہے یا یہ کہ اُن کے جوشوں اور جذبوں کو بڑھاتا ہے اور یا یہ کہ اُن کے تخم مخفی کو ظہور میں لاتا ہے۔ مثلاً ایک چور اس خیال میں لگا رہتا ہے کہ کوئی عمدہ طریقہ نقب زنی کا اس کو معلوم ہو جائے تو اُس کو سوجھایا جاتا ہے۔ یا ایک متقی چاہتا ہے کہ وجہ حلال کی قوت کے لئے کوئی سبیل مجھے حاصل ہو تو اس بارہ میں اس کو بھی کوئی طریق بتلایا جاتا ہے۔ سو عام طور پر اس کا نام الہام ہے جو کسی نیک بخت یا بدبخت سے خاص نہیں ﴿۹۱۱﴾ بلکہ تمام نوع انسان اور جمیع افراد بشر اس علۃ العلل سے مناسب حال اپنے اس الہام سے مستفیض ہو رہے ہیں۔

لیکن اس سے بہت اوپر چڑھ کر ایک اور الہام بھی ہے جس کو خدائے تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں وحی کے لفظ سے یاد کیا ہے نہ الہام سے۔ اور اس کی تعریف یہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی ایک تجلی خاص کا نام ہے جو بکثرت انہیں پر ہوتی ہے جو خاص اور مقرب ہوں۔ اور اس کی علّت غائی یہ ہے کہ شبہات اور شکوک سے نکالنے کے لئے یا ایک نئی یا مخفی بات کے بتانے کے لئے یا خدا تعالیٰ کی مرضی اور عدم مرضی اور اس کے ارادہ پر مطلع کرنے کے لئے یا کسی محل خوف سے مامون اور مطمئن کرنے کے لئے یا کسی بشارت کے دینے کے لئے منجانب اللہ پیرایہ مکالمہ و مخاطبہ اور ایک کلام لذیذ کے رنگ میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔ اور حقیقت اس کی یہ ہے کہ وہ ایک غیبی القاء لفظوں کے ساتھ ہے جس کا ادراک غالباً غیبتِ حس کی حالت میں سماع کے طور پر یا جریان علی اللسان کے طور پر یا رویت کے طور پر ہوتا ہے اور اپنے نفس اور امور خیالیہ کو اس میں کچھ دخل نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ محض الٰہی تحریک اور ربّانی نفخ سے ایک قدرتی آواز ہے جس کو مورد وحی کی قوت حاسّہ دریافت کر لیتی ہے۔ ﴿۹۱۲﴾

جب انسان کی روح نفسانی آلائشوں سے پاک ہوکر اور اسلام کی واقعی حقیقت سے کامل رنگ پکڑ کر خدائے تعالیٰ کی بے نیاز جناب میں رضا اور تسلیم کے ساتھ پوری پوری وفاداری کو لے کر اپنا سر رکھ دیتی ہے اور ایک سچی قربانی کے بعد جو فدائے نفس و مال و عزّت و دیگر لوازم محبوبۂ نفس سے مراد ہے محبت اور عشق مولیٰ کے لئے کھڑی ہو جاتی ہے اور تمام حُجبِ نفسانی جو اُس میں اور اُس کے رب میں دُوری ڈال رہے تھے معدوم اور زائل ہو جاتے ہیں اور ایک انقلاب عظیم اور سخت تبدیلی اس انسان کی صفات اور اس کی اخلاقی حالت اور اس کی زندگی کے تمام جذبات میں پیدا ہو کر ایک نئی پیدائش اور نئی زندگی ظہور میں آجاتی ہے اور اس کی نظر شہود میں وجود غیر بکلّی معدوم ہو جاتا ہے۔ تب ایسا انسان اس لائق ہو جاتا ہے کہ مکالمہ الٰہی سے بکثرت مشرف ہو۔ اور مکالمہ الٰہی کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ محدود اور مشتبہ معرفت سے انسان ترقی کر کے اس درجہ شہود پر پہنچتا ہے کہ گویا خدا تعالیٰ کو اس نے دیکھ لیا ہے۔ سو یہ وہ مقام ہے جس پر تمام مقامات معرفت و خداشناسی کے ختم ہو جاتے ہیں اور یہی وہ آخری نقطہ کمالات بشریہ کا ہے جس سے بڑھ کر عرفان کے پیاسوں کے لئے اس دنیا میں ہرگز میسّر نہیں آسکتا ﴿۹۱۳﴾ اور نبیوں اور محدثوں کے لئے اس کے حصول کا اکثر طور پر قدرتی طریق یہ ہے کہ جب خدائے تعالیٰ چاہتا ہے کہ کسی پر اُن میں سے اپنا کلام نازل کرے تو روحانی طور پر بغیر توسط جسمانی اسباب کے اس پر ربودگی اور بیہوشی طاری کی جاتی ہے۔ تب وہ شخص اپنے وجود سے بکلّی گم ہو کر بلا اختیار جناب الٰہی کی ایک خاص کشش سے گہرے غوطہ میں چلا جاتا ہے اور ہوش آنے کے وقت ساتھ اپنے ایک کلام لذیذ لے آتا ہے وہی وحی الٰہی ہے۔

یہ کلام جو خدا تعالیٰ کے پیاروں اور مقدسوں پر نازل ہوتا ہے یہ کوئی وہمی اور خیالی بات نہیں ہوتی۔ جس کو انسان کا نفس آپ ہی پیدا کر سکے بلکہ یہ واقعی اور حقیقی طور پر اس ذات لایدرک کا کلام ہوتا ہے جس کی ہستی کا انتہائی اور اعلیٰ درجہ کا ثبوت عارفوں کی

نِگاہ میں یہی کلام ہے اور اس بات کے ثبوت کے لئے کہ خدا تعالیٰ کی یہ عادت ہے کہ اپنا کلام اپنے بندوں پر نازل کرے۔ ایک مسلمان کے لئے قرآن کریم اور احادیث نبویہ کافی ہیں خدائے تعالیٰ کا اپنے نبیوں سے ہمکلام ہونا اور اولیاء میں سے حضرت موسیٰ کی والدہ پر اپنا کلام نازل کرنا۔ حضرت خضر کو اپنے کلام سے مشرف کرنا۔ مریم صدیقہ سے اپنے فرشتہ کی معرفت ہمکلام ہونا وغیرہ وغیرہ۔ اس قدر قرآن کریم میں اس کا ثبوت ملتا ہے کہ حاجتِ بیان ﴿۹۱۴﴾ نہیں۔ اور صحیح بخاری میں صفحہ ۵۲۱ میں مناقب حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں یہ حدیث لکھی ہے **قد کان فی من قبلکم من بنی اِسرَائیل رجالٌ یکلّمون من غیر ان یکونوا انبیاء فان یک فی اُمَّتِی مِنهُمْ احدٌ فعمر** ۔ یعنی تم سے پہلے بنی اسرائیل میں ایسے لوگ گذرے ہیں کہ خدائے تعالیٰ اُن سے ہمکلام ہوتا تھا بغیر اس کے کہ وہ نبی ہوں سو اگر ایسے لوگ اس اُمّت میں ہیں تو وہ عمر ہے۔

ایسا ہی جمیع مشاہیر اولیاء کرام اپنے ذاتی تجارب سے اس بات کی گواہی دیتے آئے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کو اپنے اولیاء سے مکالمات و مخاطبات واقع ہوتے ہیں اور کلام لذیذ رب عزیز کی بوقتِ دعا اور دوسرے اوقات میں بھی اکثر وہ سنتے ہیں۔ دیکھنا چاہیئے کہ فتوح الغیب میں سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کس قدر جابجا اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ کلام الٰہی اس کے مقرب اولیاء پر ضرور نازل ہوتا ہے اور وہ کلام ہوتا ہے نہ فقط الہام اور حضرت مُجدّد الف ثانی صاحب اپنے مکتوبات کی جلد ثانی صفحہ ۹۹ میں ایک مکتوب بنام محمدؐ صدیق لکھتے ہیں۔ ﴿۹۱۵﴾ جس کی عبارت یہ ہے۔

اعلم ایّها الصِّدیق انّ کلامه سُبحانه' مع البشر قد یکون شفاها وذالک الافراد من الانبیاء وقد یکون ذالک لبعض الکمل من متابعیهم واذا کثر هذا القسم من الکلام مع واحدٍ منهم سُمی مُحدثا وهذا غیر الالهام وغیر الالقاء فی الروع وغیر الکلام الذی مع الملک

انّما یُخاطب بھذا الکلام الانسان الکامل واللّٰہ یختص برحمته من یشآء

یعنی اے دوست تمہیں معلوم ہو کہ اللہ جلَّ شَانُہٗ کا بشر کے ساتھ کلام کرنا کبھی روبرو اور ہمکلامی کے رنگ میں ہوتا ہے اور ایسے افراد جو خدائے تعالیٰ کے ہمکلام ہوتے ہیں وہ خواص انبیاء میں سے ہیں۔ اور کبھی یہ ہمکلامی کا مرتبہ بعض ایسے مکمل لوگوں کو ملتا ہے کہ نبی تو نہیں مگر نبیوں کے متبع ہیں اور جو شخص کثرت سے شرف ہمکلامی کا پاتا ہے اس کو محدّث بولتے ہیں۔ اور یہ مکالمہ الٰہی از قسم الہام نہیں بلکہ غیر الہام ہے اور یہ القاء فی الروع بھی نہیں ہے اور نہ اس قسم کا کلام ہے جو فرشتہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کلام سے وہ شخص مخاطب کیا جاتا ہے جو انسان کامل ہو اور خدا تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے۔

اٰن عبارات سے معلوم ہوا کہ درحقیقت الہام اور چیز ہے اور مکالمہ الٰہی اور چیز ہے۔ اور سیّد صاحب اپنی کتاب تبیین الکلام کے صفحہ ۷ میں اس بیان مذکورہ بالا کا صاف اقرار کرتے ہیں۔ ناظرین کو چاہیئے کہ صفحہ ۷ تبیین الکلام کا ضرور پڑھیں تا معلوم ہو کہ سیّد صاحب آپ ہی پہلے ان تمام باتوں کا اقرار کر چکے ہیں اور اب بعد اقرار کسی مصلحت سے انکاری ہو بیٹھے ہیں۔ ﴿۹۱۶﴾

اور سیّد صاحب کا یہ فرمانا کہ الہام بے سُود ہے خود بے سود ہے۔ کیونکہ اگر وہ الہام بے سُود ہے جس کی سیّد صاحب نے تعریف اپنے مضمون میں کی ہے تو ہوا کرے۔ لیکن کلام الٰہی تو بے سُود نہیں اور نعوذ باللہ کیوں کر بے سُود ہو۔ وہی تو ایک ذریعہ کامل معرفت کا ہے جس کی وجہ سے انسان اس پُرغبار دنیا میں صرف خود تراشیدہ خیالات سے خدائے تعالیٰ کی ہستی کا قائل نہیں ہوتا بلکہ اُس حیّ و قیوم کے مُنہ سے انا الموجود کی آواز بھی سُن لیتا ہے اور صدہا فوق العادت پیشگوئیوں اور اسرار عالیہ کی وجہ سے جو اس کلام کے ذریعہ منکشف ہوتے ہیں۔ متکلّم پر ایمان لانے کے لئے حق الیقین کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے

اور ایسے شخص کا جلیس بھی ان روحانی منافع وفوائد سے محروم نہیں رہتا بلکہ رفتہ رفتہ یہاں تک
اس کو قوت یقین مل جاتی ہے کہ گویا خدائے عزّ وجلّ کو دیکھ لیتا ہے۔ اگر سید صاحب اس ﴿۹۱۷﴾
بات کا کسی اخبار میں اعلان دیں کہ ہمیں اس بات پر ایمان نہیں کہ یہ مرتبہ خدا تعالیٰ کی ہمکلامی
کا انسان کو مل سکتا ہے اور ان تمام شہادتوں سے انکار ظاہر کریں کہ جو روحانی تجربہ کاروں
رسولوں اور نبیوں اور ولیوں نے پیش کی ہیں تو اس عاجز پر فرض ہوگا کہ اسی فوق العادت طریق
سے جس کی بنیاد خدائے تعالیٰ کے پاک نبیوں نے ڈالی ہے۔ آزمائش کے لئے سیّد صاحب کو
بذریعہ کسی اخبار کے کھلے کھلے طور پر دعوت کرے۔ اور اگر سیّد صاحب طالبِ حق ہوں گے تو
اس رُوحانی دعوت کو بسر و چشم قبول کر لیں گے۔ **والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔**

تَوَفّی کے لفظ کی نسبت اور نیز الدجّال کے بارے میں ہزار روپیہ کا اشتہار

تمام مسلمانوں پر واضح ہو کہ کمال صفائی سے قرآن کریم اور حدیث رسول اللہ صلعم سے
ثابت ہو گیا ہے کہ درحقیقت حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام برطبق آیت فِيْهَا تَحْيَوْنَ
وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ[1] زمین پر ہی اپنی جسمانی زندگی کے دن بسر کر کے فوت ہو چکے ہیں ﴿۹۱۸﴾
اور قرآن کریم کی سولہ[۱۶] آیتوں اور بہت سی حدیثوں بخاری اور مسلم اور دیگر صحاح سے ثابت
ہے کہ فوت شدہ لوگ پھر آباد ہونے اور بسنے کے لئے دنیا میں بھیجے نہیں جاتے اور نہ حقیقی
اور واقعی طور پر دو موتیں کسی پر واقع ہوتی ہیں اور نہ قرآن کریم میں واپس آنے والوں کے
لئے کوئی قانون وراثت موجود ہے۔ باایں ہمہ بعض علماء وقت کو اس بات پر سخت غلو ہے کہ
مسیح ابن مریم فوت نہیں ہوا بلکہ زندہ ہی آسمان کی طرف اٹھایا گیا اور حیات جسمانی دنیوی
کے ساتھ آسمان پر موجود ہے اور نہایت بے باکی اور شوخی کی راہ سے کہتے ہیں کہ تَوَفّی
کا لفظ جو قرآن کریم میں حضرت مسیح کی نسبت آیا ہے اس کے معنے وفات دینا نہیں ہے بلکہ

[1] الاعراف: ۲۶

پورا لینا ہے یعنی یہ کہ روح کے ساتھ جسم کو بھی لے لینا۔ مگر ایسے معنے کرنا اُن کا سراسر افتراء ہے قرآن کریم کا عموماً التزام کے ساتھ اس لفظ کے بارہ میں یہ محاورہ ہے کہ وہ لفظ قبض روح اور وفات دینے کے معنوں پر ہر یک جگہ اس کو استعمال کرتا ہے۔ یہی محاورہ تمام حدیثوں اور جمیع اقوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پایا جاتا ہے۔ جب سے دنیا میں عرب کا جزیرہ آباد ہوا ہے اور زبان عربی جاری ہوئی ہے کسی قول قدیم یا جدید سے ثابت نہیں ہوتا کہ **تَوَفِّی** کا لفظ کبھی قبض جسم کی نسبت استعمال کیا گیا ہو بلکہ جہاں کہیں **تَوَفّی** کے لفظ کو خدائے تعالیٰ کا فعل ٹھہرا کر انسان کی نسبت استعمال کیا گیا ہے وہ صرف وفات دینے اور قبض روح کے معنی پر آیا ہے نہ قبض جسم کے معنوں میں۔ کوئی کتاب لغت کی اس کے مخالف نہیں۔ کوئی مثل اور قول اہل زبان کا اس کے مغائر نہیں غرض ایک ذرہ احتمال مخالف کے گنجائش نہیں۔ اگر کوئی شخص ﴿۹۱۹﴾ قرآن کریم سے یا کسی حدیث رسول اللہ صلعم سے یا اشعار وقصائد ونظم ونثر قدیم وجدید عرب سے یہ ثبوت پیش کرے کہ کسی جگہ **تَوَفِّی** کا لفظ خدا تعالیٰ کا فعل ہونے کی حالت میں جو ذوی الروح کی نسبت استعمال کیا گیا ہو وہ بجز قبض روح اور وفات دینے کے کسی اور معنی پر بھی اطلاق پا گیا ہے یعنی قبض جسم کے معنوں میں بھی مستعمل ہوا ہے تو میں اللہ **جلّ شانُہٗ** کی قسم کھا کر اقرار صحیح شرعی کرتا ہوں کہ ایسے شخص کو اپنا کوئی حصہ ملکیت کا فروخت کر کے مبلغ ہزار روپیہ نقد دوں گا اور آئندہ اس کی کمالات حدیث دانی اور قرآن دانی کا اقرار کرلوں گا۔ ایسا ہی اگر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی یا کوئی ان کا ہم خیال یہ ثابت کر دیوے کہ **اَلدّجّال** کا لفظ جو بخاری اور مسلم میں آیا ہے بجز دجّال معہود کے کسی اور دجّال کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے تو مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں ایسے شخص کو بھی جس طرح ممکن ہو ہزار روپیہ نقد بطور تاوان کے دوں گا۔ چاہیں تو مجھ سے رجسٹری کرالیں یا تمسک لکھالیں۔ اس **اشتہار** کے مخاطب خاص طور پر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ہیں

جنہوں نے غروراور تکبر کی راہ سے یہ دعویٰ کیا ہے کہ تَوَفِّی کا لفظ جو قرآن کریم میں حضرت مسیح کی نسبت آیا ہے اس کے معنی پورا لینے کے ہیں یعنی جسم اور روح کو بہ ہیئت کذائی زندہ ہی اٹھا لینا اور وجود مرکب جسم اور روح میں سے کوئی حصہ متروک نہ چھوڑنا۔ بلکہ سب کو بحیثیت کذائی اپنے قبضہ میں زندہ اور صحیح سلامت لے لینا۔ سو اسی معنی سے انکار کر کے یہ شرطی اشتہار ہے۔ ﴿۹۲۰﴾
ایسا ہی محض نفسانیت اور عدم واقفیت کی راہ سے مولوی محمد حسین صاحب نے اَلدّجال کے لفظ کی نسبت جو بخاری اور مسلم میں جا بجا دجّال معہود کا ایک نام ٹھہرایا گیا ہے یہ دعویٰ کر دیا ہے کہ اَلدّجال دجّال معہود کا خاص طور پر نام نہیں بلکہ ان کتابوں میں یہ لفظ دوسرے دجّالوں کے لئے بھی مستعمل ہے اور اس دعوی کے وقت اپنی حدیث دانی کا بھی ایک لمبا چوڑا دعویٰ کیا ہے۔ سو اس وسیع معنی اَلدّجال سے انکار کر کے اور یہ دعویٰ کر کے کہ یہ لفظ اَلدّجال کا صرف دجّال معہود کے لئے آیا ہے اور بطور علم کے اس کے لئے مقرر ہو گیا ہے۔ یہ شرطی اشتہار جاری کیا گیا ہے۔ مولوی محمد حسین صاحب اور اُن کے ہم خیال علماء نے لفظ تَوَفِّی اور اَلدّجال کی نسبت اپنے دعویٰ متذکرہ بالا کو بپایہ ثبوت پہنچا دیا تو وہ ہزار روپیہ لینے کے مستحق ٹھہریں گے اور نیز عام طور پر یہ عاجز یہ اقرار بھی چند اخباروں میں شائع کر دے گا کہ درحقیقت مولوی محمد حسین صاحب اور اُن کے ہم خیال فاضل اور واقعی طور پر محدّث اور مفسر اور رموز اور دقائق قرآن کریم اور احادیث نبویہ کے سمجھنے والے ہیں۔ اگر ثابت نہ کر سکے تو پھر یہ ثابت ہو جائے گا کہ یہ لوگ دقائق وحقائق بلکہ سطحی معنوں قرآن اور حدیث کے سمجھنے سے بھی قاصر اور سراسر غبی اور پلید ہیں اور در پردہ اللہ اور رسول کے دشمن ہیں کہ محض الحادکی راہ سے واقعی اور حقیقی معنوں کو ترک کر کے اپنے گھر کے ایک نئے معنے گھڑتے ہیں۔ ایسا ہی اگر کوئی یہ ثابت کر دکھاوے کہ قرآن کریم کی وہ آیتیں اور احادیث جو یہ ظاہر کرتی ہیں کہ کوئی مردہ دنیا میں واپس نہیں آئے گا قطعیۃ الدلالت نہیں اور نیز بجائے

لفظ موت اور اماتت کے جو متعدد المعنی ہے اور نیند اور بے ہوشی اور کفر اور ضلالت اور قریب الموت ہونے کے معنوں میں بھی آیا ہے۔ تَوَفِّی کا لفظ کہیں دکھاوے مثلاً یہ کہ توفاہ اللّٰہ مائة عام ثم بعثه .تو ایسے شخص کو بھی بلا توقف ہزار روپیہ نقد دیا جاوے گا۔ ☆ ﴿۹۲۱﴾

المشتہر خاکسار غلام احمد از لودھیانہ محلّہ اقبال گنج

نوٹ۔ فوت کے بعد زندہ کرنے کے متعلق جس قدر قرآن کریم میں آیتیں ہیں کوئی اُن میں سے حقیقی موت پر محمول نہیں ہے۔ اور حقیقی موت کے ماننے سے نہ صرف اس جگہ یہ لازم آتا ہے کہ وہ آیتیں قرآن کریم کی اُن سولہ[۱۶] آیتوں اور اُن تمام حدیثوں سے مخالف ٹھہرتی ہیں جن میں یہ لکھا ہے کہ کوئی شخص مرنے کے بعد پھر دنیا میں نہیں بھیجا جاتا۔ بلکہ علاوہ اس کے یہ فساد بھی لازم آتا ہے کہ جان کندن اور حساب قبر اور رفع الی السماء جو صرف ایک دفعہ ہونا چاہیئے تھا دو دفعہ ماننا پڑتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ کہ اب شخص فوت شدہ حساب قبر کے بعد قیامت میں اٹھے گا کذب صریح ٹھہرتا ہے۔ اور اگر ان آیتوں میں حقیقی موت مراد نہ لیں تو کوئی نقص لازم نہیں آتا کیونکہ خدا تعالیٰ کی قدرت سے یہ بعید نہیں کہ موت کے مشابہ ایک مدت تک کسی پر کوئی حالت بے ہوشی وارد کر کے پھر اس کو زندہ کر دیوے مگر وہ حقیقی موت نہ ہو۔ اور سچ تو یہ ہے کہ جب تک خدا تعالیٰ کسی جاندار پر حقیقی موت وارد نہ کرے وہ مر نہیں سکتا۔ اگرچہ وہ ٹکڑے ٹکڑے کیا جاوے۔ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ[۱] وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۔[۲] منہ

[۱] البقرة:۱۰۷ [۲] اٰل عمران: ۱۴۶

حاشیہ متعلقہ صفحہ ۸۹۲[1] ﴿۹۲۲﴾

یہ آیت پوری یہ ہے یٰعِیۡسٰۤی اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡکَ وَ رَافِعُکَ اِلَیَّ وَ مُطَہِّرُکَ مِنَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ جَاعِلُ الَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡکَ فَوۡقَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ [2] اس آیت میں خدائے تعالیٰ نے ترتیب وار اپنے تئیں فاعل ٹھہرا کر چار فعل اپنے یکے بعد دیگرے بیان کئے ہیں۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے کہ اے عیسیٰ میں تجھے وفات دینے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور کفار کے الزاموں سے پاک کرنے والا ہوں اور تیرے متبعین کو قیامت تک تیرے منکروں پر غلبہ دینے والا ہوں اور ظاہر ہے کہ یہ ہر چہار فقرے ترتیب طبعی سے بیان کئے گئے ہیں۔ کیونکہ اس میں شک نہیں کہ جو شخص خدائے تعالیٰ کی طرف بلایا جاوے اور ارجعی الٰی ربک کی خبر اس کو پہنچ جائے پہلے اس کا وفات پانا ضروری ہے۔ پھر بموجب آیت کریمہ اِرۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ [3] اور حدیث صحیح کے اس کا خدائے تعالیٰ کی طرف رفع ہوتا ہے۔ اور وفات کے بعد مومن کی روح کا خدا تعالیٰ کی طرف رفع لازمی ہے جس پر قرآن کریم اور احادیث صحیحہ ناطق ہیں پھر بعد اس کے جو خدائے تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو فرمایا جو میں تجھے کفار کے ﴿۹۲۳﴾ الزاموں سے پاک کرنے والا ہوں۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہود چاہتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کر کے اس الزام کے نیچے داخل کریں جو توریت باب استثناء میں لکھا ہے جو مصلوب لعنتی اور خدائے تعالیٰ کی رحمت سے بے نصیب ہے۔ جو عزت کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف اٹھایا نہیں جاتا۔ سو خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو اس آیت میں بشارت دی کہ تو اپنی موت طبعی سے فوت ہوگا اور پھر عزت کے ساتھ میری طرف اُٹھایا جائے گا اور جو تیرے مصلوب کرنے کے لئے تیرے دشمن کوشش کر رہے ہیں ان کوششوں میں وہ ناکام رہیں گے اور جن الزاموں کے قائم کرنے کے لئے وہ فکر میں ہیں اُن تمام الزاموں سے میں تجھے

[1] دیکھئے ایڈیشن ہذا کا صفحہ ۵۸۷ [2] اٰل عمران: ۵۶ [3] الفجر: ۲۹

بقیہ حاشیہ پاک اور منزّہ رکھوں گا یعنی مصلوبیت اور اس کے بدنتائج سے جو لعنتی ہونا اور نبوت سے محروم ہونا اور رفع سے بے نصیب ہونا ہے۔ اور اس جگہ تَوَفّی کے لفظ میں بھی مصلوبیت سے بچانے کے لئے ایک باریک اشارہ ہے۔ کیونکہ تَـوَفّـی کے معنے پر غالب یہی بات ہے کہ موت طبعی سے وفات دی جائے۔ یعنی ایسی موت سے جو محض بیماری کی وجہ سے ہو نہ کسی ضربہ سقطہ سے۔ اسی وجہ سے مفسرین صاحب کشاف وغیرہ انی متوفیک کی یہ تفسیر لکھتے ہیں کہ انی ممیتک حتف انفک ۔ ہاں یہ اشارہ آیت کے تیسرے فقرہ میں کہ مطھرک من الذین کفروا ہے اور بھی زیادہ ہے۔ غرض ﴿۹۲۴﴾ فقرہ مطھرک من الذین کفروا جیسا کہ تیسرے مرتبہ پر بیان کیا گیا ہے ایسا ہی ترتیب طبعی کے لحاظ سے بھی تیسری مرتبہ پر ہے۔ کیونکہ جبکہ حضرت عیسیٰ کا موت طبعی کے بعد نبیوں اور مقدسوں کے طور پر خدا تعالیٰ کی طرف رفع ہو گیا۔ تو بلاشبہ وہ کفار کے منصوبوں اور الزاموں سے بچائے گئے اور چوتھا فقرہ وجاعل الذین اتبعوک جیسا کہ ترتیبًا چوتھی جگہ قرآن کریم میں واقع ہے ایسا ہی طبعًا بھی چوتھی جگہ ہے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ کے متبعین کا غلبہ ان سب امور کے بعد ہوا ہے۔ سو یہ چار فقرے آیت موصوفہ بالا میں ترتیب طبعی سے واقعہ ہیں اور یہی قرآن کریم کی شان بلاغت سے مناسب حال ہے۔ کیونکہ امور قابل بیان کا ترتیب طبعی سے بیان کرنا کمال بلاغت میں داخل اور عین حکمت ہے۔ اسی وجہ سے ترتیب طبعی کا التزام تمام قرآن کریم میں پایا جاتا ہے۔ سورۂ فاتحہ میں ہی دیکھو کہ کیوں کر پہلے رب العالمین کا ذکر کیا۔ پھر رحمٰن پھر رحیم پھر مالک یوم الـــدیـــن اور کیوں کر فیض کے سلسلہ کو ترتیب وار عام فیض سے لے کر اخص فیض تک پہنچایا۔ غرض موافق عام طریق کامل البلاغت قرآن کریم کی آیت موصوفہ بالا میں ہر چہار فقرے ترتیب طبعی سے بیان کئے گئے ہیں لیکن حال کے متعصّب ملّا جن کو یہودیوں کی طرز پر یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ [1] کی عادت ہے اور جو مسیح ابن مریم کی حیات ثابت کرنے کے لئے

[1] النساء: ۴۷

بقیہ حاشیہ بے طرح ہاتھ پیر مار رہے ہیں اور کلام الٰہی کی تحریف وتبدیل پر کمر باندھ لی ہے وہ نہایت
تکلف سے خدائے تعالیٰ کی ان چار ترتیب وار فقروں میں سے دو فقروں کی ترتیب طبعی سے منکر ہو بیٹھے ﴿۹۲۵﴾
ہیں یعنی کہتے ہیں کہ اگرچہ فقرہ مطھرک من الذین کفروا اور فقرہ وجاعل الذین اتبعوک
بترتیب طبعی واقع ہیں۔ لیکن فقرہ انّی متوفیک اور فقرہ ورافعک الیّ ترتیب طبعی پر واقع
نہیں ہیں بلکہ دراصل فقرہ انّی متوفیک مؤخر اور فقرہ رافعک الیّ مقدّم ہے۔ افسوس کہ ان
لوگوں نے باوجود اس کے کہ کلام بلاغت نظام حضرت ذات احسن المتکلّمین جلَّ شَانُہٗ کو اپنی
اصل وضع اور صورت اور ترتیب سے بدلا کر مسخ کر دیا۔ اور چار فقروں میں سے دو فقروں کی ترتیب
طبعی کو مسلّم رکھا اور دو فقروں کو دائرہ بلاغت وفصاحت سے خارج سمجھ کر اپنی طرف سے اُن کی
اصلاح کی یعنی مقدم کو مؤخر کیا اور مؤخر کو مقدم کیا۔ مگر باوجود اس قدر یہودیانہ تحریف کے پھر بھی
کامیاب نہ ہو سکے۔ کیونکہ اگر فرض کیا جائے کہ فقرہ انی رافعک الیّ فقرہ انی متوفّیک پر
مقدم سمجھنا چاہیئے تو پھر بھی اس سے محرفین کا مطلب نہیں نکلتا۔ کیونکہ اس صورت میں اس کے
یہ معنی ہوں گے کہ اے عیسیٰ میں تجھے اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور وفات دینے والا ہوں
اور یہ معنے سراسر غلط ہیں کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی آسمان پر ہی وفات ہو
وجہ یہ کہ جب رفع کے بعد وفات دینے کا ذکر ہے اور نزول کا درمیان کہیں ذکر نہیں۔ اس
سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ آسمان پر ہی حضرت عیسیٰ وفات پائیں گے۔ ہاں اگر ایک تیسرا ﴿۹۲۶﴾
فقرہ اپنی طرف سے گھڑا جائے اور ان دونوں فقروں کے بیچ میں رکھا جائے اور یوں کہا
جائے یاعیسٰی اِنّی رافِعُک ومُنزّلک ومُتوفّیک تو پھر معنے درست ہو جائیں گے۔ مگر
ان تمام تحریفات کے بعد فقرات مذکورہ بالا خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں رہیں گے۔ بلکہ بباعث
دخل انسان اور صریح تغییر وتبدیل وتحریف کے اسی محرف کا کلام متصوّر رہوں گے۔ جس نے
بے حیائی اور شوخی کی راہ سے ایسی تحریف کی ہے۔ اور کچھ شبہ نہیں کہ ایسی کارروائی سراسر

بقیہ حاشیہ الحاد اور صریح بے ایمانی میں داخل ہوگی۔

اگر یہ کہا جائے کہ ہم یہ تحریفات وتبدیلات بلاضرورت نہیں کرتے بلکہ آیات قرآنی کو بعض احادیث سے مطابق وموافق کرنے کے لئے بوجہ اشدضرورت اس حرکت بے جا کے مرتکب ہوتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو آیت اور حدیث میں باہم تعارض واقع ہونے کی حالت میں اصول مفسرین ومحدثین یہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو حدیث کے معنوں میں تاویل کر کے اس کو قرآن کریم کے مطابق کیا جائے۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی کتاب الجنائز صفحہ ۱۷۲ میں صاف لکھا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حدیث **ان المیت یعذب ببعض بکاء اھلہ** کو قرآن کریم کی اس ﴿۹۲۷﴾ آیت سے کہ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی [1] معارض ومخالف پا کر حدیث کی یہ تاویل کر دی کہ یہ مومنوں کے متعلق نہیں۔ بلکہ کفار کے متعلق ہے جو متعلقین کے جزع فزع پر راضی تھے بلکہ وصیت کر جاتے تھے پھر بخاری کے صفحہ ۱۸۳ میں یہ حدیث جو لکھی ہے **قال ھل وجدتم ماوعد کم ربکم حقًّا**. اس حدیث کو حضرت عائشہ صدیقہ نے اس کے سیدھے اور حقیقی معنی کے رو سے قبول نہیں کیا اس عذر سے کہ یہ قرآن کے معارض ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی [2] اور ابن عمر کی حدیث کو صرف اسی وجہ سے رد کر دیا ہے کہ ایسے معنے معارض قرآن ہیں۔ دیکھو بخاری صفحہ ۱۸۳۔ ایسا ہی محققوں نے بخاری کی اس حدیث کو جو صفحہ ۶۵۲ میں لکھی ہے یعنی یہ کہ **مامن مولود یولد الا والشیطٰن یمسّہ حین یولد الا مریم وابنھا**۔ قرآن کریم کی ان آیات سے مخالف پا کر کہ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ [3] اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ [4]۔ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ [5] اس حدیث کی یہ تاویل کردی۔ کہ ابن مریم اور مریم سے تمام ایسے اشخاص مراد ہیں جو ان دونوں کی صفت پر ہوں جیسا کہ شارح بخاری نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے۔

قد طعن الزمخشری فی معنی ھذا الحدیث و توقف فی صحتہ و قال ان صح

[1] الانعام: ۱۶۵ [2] النمل: ۸۱ [3] الحجر: ۴۱ [4] الحجر: ۴۳ [5] مریم: ۱۶

بقیہ حاشیہ فمعناه کل من کان فی صفتها لقوله تعالٰی الا عبادک منهم المخلصین
یعنی علّامہ زمخشری نے بخاری کی اس حدیث میں طعن کیا ہے اور اس کی صحت میں اس کو شک ہے اور ﴿۹۲۸﴾
کہا ہے کہ یہ حدیث معارض قرآن ہے اور فقط اس صورت میں صحیح متصور ہو سکتی ہے کہ اس کے یہ
معنے کئے جاویں کہ مریم اور ابن مریم سے مراد تمام ایسے لوگ ہیں جو اُن کی صفت پر ہوں۔ ماسوا اس
کے حسب آیت فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَہٗ یُؤۡمِنُوۡنَ [1] اور بحسب آیت کریمہ فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَ اللّٰہِ
وَاٰیٰتِہٖ یُؤۡمِنُوۡنَ [2] ہر یک حدیث جو صریح آیت کے معارض پڑے رد کرنے کے لائق ہے۔
اور آخری نصیحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تھی کہ تم نے تمسک بکتاب اللہ کرنا۔ جیسا کہ بخاری
کے صفحہ ۷۵۱ میں یہ حدیث درج ہے کہ اوصٰی بکتاب اللّٰہ۔ اسی وصیت پر آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم انتقال کر گئے۔ پھر اسی بخاری کے صفحہ ۱۰۸۰ میں یہ حدیث ہے و ھذا الکتٰب الذی
ھدی اللّٰہ بہٖ رسولکم فخذوا بہٖ تھتدوا یعنی اسی قرآن سے تمہارے رسول نے ہدایت پائی
ہے سو تم بھی اسی کو اپنا رہنما پکڑو تا تم ہدایت پاؤ۔ پھر بخاری کے صفحہ ۲۵۰ میں یہ حدیث ہے ما
عندنا شیء الا کتاب اللّٰہ یعنی کتاب اللہ کے سوا ہمارے پاس اور کوئی چیز نہیں جس سے
بالاستقلال تمسک پکڑیں۔ پھر بخاری کے صفحہ ۱۸۳ میں یہ حدیث ہے حسبکم القراٰن یعنی تمہیں
قرآن کافی ہے۔ پھر بخاری میں یہ بھی حدیث ہے حسبنا کتٰب اللّٰہ ما کان من شرط لیس ﴿۹۲۹﴾
فی کتٰب اللّٰہ فھو باطل قضاء اللّٰہ احق دیکھو صفحہ ۲۹۰، ۳۷۷، ۳۴۸۔ اور یہی اصول محکم
ائمہ کبار کا ہے۔ چنانچہ تلویح میں لکھا ہے انما یرد خبر الواحد من معارضۃ الکتٰب. پس
جس صورت میں خبر واحد جس میں احادیث بخاری و مسلم بھی داخل ہیں بحالت معارضہ کتاب اللہ رد
کرنے کے لائق ہے۔ تو پھر کیا یہ ایمانداری ہے کہ اگر کسی آیت کا کسی حدیث سے تعارض معلوم ہو تو
آیت کے زیر و زبر کرنے کی فکر میں ہو جائیں اور حدیث کی تاویل کی طرف رُخ بھی نہ کریں۔

[1] الاعراف:۱۸۶ [2] الجاثیۃ: ۷

بقیہ حاشیہ ابھی میں بیان کر چکا ہوں کہ صحابہ کرام اور سلف صالح کی یہی عادت تھی کہ جب کہیں آیت اور حدیث میں تعارض وتخالف پاتے تو حدیث کی تاویل کی طرف مشغول ہوتے۔ مگر اب یہ ایسا زمانہ آیا ہے کہ قرآن کریم سے حدیثیں زیادہ پیاری ہوگئی ہیں اور حدیثوں کے الفاظ قرآن کریم کے الفاظ کی نسبت زیادہ محفوظ سمجھے گئے ہیں۔ ادنیٰ ادنیٰ بات میں جب کسی حدیث کا قرآن کریم سے تعارض دیکھتے ہیں تو حدیث کی طرف ذرہ شک نہیں گذرتا یہودیوں کی طرح قرآن کریم کا بدلانا شروع کر دیتے ہیں اور کلمات اللہ کو اُن کے اصل مواضع سے پھیر کر کہیں کا کہیں لگا دیتے ہیں اور بعض فقرے اپنی طرف سے بھی ملا دیتے ہیں اور اپنے تئیں یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ[1] کا مصداق بنا کر اس لعنت اللہ سے حصہ لے لیتے ہیں جو پہلے اس سے یہودیوں پر انہیں کاموں کی وجہ سے وارد ونازل ہوئی تھی۔ ﴿۹۳۰﴾
بعض تحریف کی یہ صورت اختیار کرتے ہیں کہ فقرہ **متوفیک** کو مقدّم ہی رکھتے ہیں مگر بعد اس کے **انی محییک** کا فقرہ اپنی طرف سے ملا لیتے ہیں۔ ذرہ خیال نہیں کرتے کہ خدا تعالیٰ نے تحریف کرنے والوں پر لعنت بھیجی ہے اور بخاری نے اپنی صحیح کے آخر میں لکھا ہے کہ اہل کتاب کی تحریف یہی تھی کہ وہ پڑھنے میں کتاب اللہ کے کلمات کو اُن کے مواضع سے پھیرتے تھے (اور حق بات یہ ہے کہ وہ دونوں قسم کی تحریف تحریری وتقریری کرتے تھے) مسلمانوں نے ایک قسم میں جو تقریری تحریف ہے اُن سے مشابہت پیدا کر لی۔ اور اگر وعدہ صادقہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ[2] تصرّف تحریری سے مانع نہ ہوتا تو کیا تعجب کہ یہ لوگ رفتہ رفتہ تحریر میں بھی ایسی تحریفیں شروع کر دیتے کہ فقرہ **رافعک** کو مقدّم اور **انی متوفیک** کو مؤخر لکھ دیتے۔ اور اگر ان سے پوچھا جائے کہ تم پر ایسی مصیبت کیا آ پڑی ہے کہ تم کتاب اللہ کے زیر وزبر اور محرف کرنے کی فکر میں لگ گئے تو اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ تا کسی طرح قرآن کریم ان حدیثوں کے مطابق ہو جائے جن سے بظاہر معارض ومخالف معلوم ہوتا ہے۔ ان بے چاروں کو اس بات کی طرف خیال نہیں آتا

[1] النساء: ۴۷ [2] الحجر: ۱۰

بقیہ حاشیہ کہ اگر درحقیقت کوئی حدیث قرآن کریم سے معارض ومخالف ہے تو حدیث قابل تاویل
ہے نہ کہ قرآن۔ کیونکہ قرآن کریم کے الفاظ جواہرات مرصّع کی طرح اپنے اپنے محل پر چسپاں ہیں ﴿۹۳۱﴾
اور نیز قرآن کریم کا ہریک لفظ اور ہریک نقطہ تصرّف اور دخل انسان سے محفوظ ہے برخلاف حدیثوں
کے کہ وہ محفوظ الالفاظ بکلّی نہیں اور ان کے الفاظ کی یادداشت اور محل پر رکھنے میں وہ اہتمام نہیں ہوا جو
قرآن کریم میں ہوا۔ اسی وجہ سے ان میں تعارض بھی موجود ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مقامات
متعارضہ میں راویوں کے حافظہ نے وفا نہیں کی۔ اس جگہ ہم چند مقامات متعارضہ صحیح بخاری کے جو بعد
کتاب اللہ اصح الکتب خیال کی گئی ہے اور درحقیقت اصح ہے لکھتے ہیں۔ ازانجملہ وہی حدیث صفحہ ۶۵۲
بخاری ہے جس میں یہ لکھا ہے کہ مس شیطان سے محفوظ صرف ابن مریم اور اس کی والدہ ہے لیکن
حدیث صفحہ ۷۷۶ بخاری میں اس کے برخلاف درج ہے جس میں لکھا ہے کہ جو شخص صحبت کے وقت
بِسْمِ اللہ اللّٰھم الخ پڑھے اس کی اولاد مس شیطان سے محفوظ رہتی ہے۔ ایسا ہی بخاری کے صفحہ ۴۶۴
اور صفحہ ۲۶ کی حدیثیں بھی اس کے معارض پڑی ہیں۔ اور ایسا ہی بخاری کی وہ حدیث بھی جو صفحہ ۴۷۷
میں درج ہے جس میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کے
ایام بناء میں کس قدر فاصلہ ہے تو آپ نے فرمایا کہ چالیسؔ برس کا۔ حالانکہ روایت صحیح سے ثابت ہے کہ ﴿۹۳۲﴾
بانیٔ کعبہ ابراہیم علیہ السلام اور بانیٔ بیت المقدس حضرت سلیمان ہے اور ان دونوں کے زمانہ میں ہزار
برس سے بھی زیادہ فاصلہ ہے۔ اسی وجہ سے ابن جوزی نے بھی اس حدیث پر لکھا کہ **فیہ اشکال لان
ابراھیم بنی الکعبۃ وسلیمان بنی بیت المقدس وبینھما اکثر من الف سنۃ** ۔ دیکھو
صفحہ ۴۷۷ بخاری ایسا ہی معراج کی حدیثوں میں سخت تعارض واقعہ ہے۔ کتاب الصلوٰۃ صفحہ ۵۰
میں جو حدیث ہے اس میں یہ الفاظ ہیں کہ میں مکہ میں تھا کہ چھت کو کھول کر حضرت جبرئیل
میرے پاس آئے اور میرے سینہ کو کھولا اور آب زمزم سے اس کو دھویا۔ پھر ایک سونے کا طشت

بقیہ حاشیہ لایا گیا جس میں حکمت اور ایمان بھرا ہوا تھا سو وہ میرے سینہ میں ڈالا گیا پھر جبرائیل میرا ہاتھ پکڑ کر آسمان کی طرف لے گیا۔ مگر اس میں یہ نہیں لکھا کہ وہ طشت طلائی جو عین بیداری میں ملا تھا کیا ہوا اور کس کے حوالہ کیا گیا۔ بہر حال آسمان پر پہنچے اور ابراہیم کو چھٹے آسمان پر دیکھا اور سب سے اوّل آدم کو دیکھا۔ پھر ادریس کو دیکھا۔ پھر موسیٰ کو اور پھر ان سب کے بعد عیسیٰ کو دیکھا۔ بعد اس کے ابراہیم کو دیکھا اور سب کے بعد بہشت کا مشاہدہ کیا اور پھر واپس آئے۔ اور **کتاب بدء الخلق** صفحہ ۴۵۵ بخاری میں یہ حدیث ہے کہ میں بیت اللہ کے پاس خواب اور بیداری کے درمیان تھا کہ تین فرشتے آدمیوں کی صورت پر آئے اور ایک جانور بھی حاضر کیا گیا جس کا قد خچر سے کچھ کم مگر گدھے سے کچھ زیادہ تھا۔ پھر میں آسمان پر گیا اور دوسرے آسمان پر یحیٰی اور عیسیٰ کو دیکھا۔ پھر تیسرے میں یوسف کو دیکھا اور چوتھے میں ادریس کو دیکھا اور پانچویں آسمان میں ہارون کی ملاقات ہوئی اور چھٹے آسمان میں موسیٰ کو ملا۔ اور جب میں موسیٰ کے مقام سے آگے نکل گیا تو وہ رویا۔ پھر جب میں ساتویں آسمان میں گیا تو ابراہیم کو وہاں دیکھا۔ ﴿۹۳۳﴾

اور پھر اسی کتاب کے صفحہ ۴۷۱ بخاری میں یہ حدیث ہے کہ معراج کی رات ابراہیم کو میں نے چھٹے آسمان میں دیکھا اور اس حدیث میں براق کا کوئی ذکر نہیں۔ صرف اتنا لکھا ہے کہ جبرائیل نے میرا ہاتھ پکڑا اور آسمان پر لے گیا اور اس حدیث میں یہ بھی لکھا ہے کہ پہلے آدم کو دیکھا اور پھر ادریس کو پھر موسیٰ کو پھر عیسیٰ کو پھر ابراہیم کو۔

پھر بخاری کی کتاب **المناقب** صفحہ ۵۴۸ میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مَیں حطیم میں تھا یا حجرہ میں لیٹا ہوا تھا کہ ایک آنے والا آیا اور اس نے میرا دل نکالا۔ اسی اثناء میں ایک سونے کا طشت لایا گیا جس میں ایمان بھرا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ میرا دل دھویا گیا اور پھر میں براق پر سوار ہو کر آسمان پر گیا اور دوسرے آسمان پر یحیٰی اور عیسیٰ کو دیکھا اور تیسرے آسمان پر یوسف کو پایا اور چوتھے آسمان پر ادریس کو دیکھا اور پانچویں آسمان پر ہارون کو اور چھٹے پر

﴿۹۳۴﴾ بقیہ حاشیہ موسیٰ کو اور ساتویں پر ابرہیم کو دیکھا۔
پھر بخاری کی کتاب التوحید والرد علی الجهمیه میں صفحہ ۱۱۲۰ میں لکھا ہے کہ مسجد کعبہ میں تین شخص پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ہنوز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منصب نبوت پر مامور نہیں ہوئے تھے یعنی وحی نازل ہونے اور مبعوث ہونے سے پہلے کا زمانہ تھا اور آنحضرت صلعم مسجد حرام میں سوئے ہوئے تھے جو معراج ہوا۔ لیکن اسی حدیث میں لکھا ہے کہ آنحضرت مبعوث ہو چکے تھے جب یہ معراج ہوا۔ پھر بغیر براق کے آسمان پر گئے اور ادریس کو دوسرے آسمان میں دیکھا اور ہارون کو چوتھے میں اور ابراہیم کو چھٹے آسمان میں۔ اور موسیٰ کو ساتویں میں۔ اور جب موسیٰ سے آگے ہو گذرے اور ساتویں آسمان سے عبور کرنے لگے تو موسیٰ نے کہا اے میرے رب مجھے یہ گمان نہیں تھا کہ مجھ سے بھی زیادہ کسی کا رفع ہوگا۔ عربی عبارت یہ ہے فقال موسٰی ربّ لم اظن ان یرفع عَلَیَّ اَحد (یہ وہی رفع ہے جس کی طرف آیت ورافعک الیّ میں اشارہ ہے) پھر اس حدیث کے آخر میں لکھا ہے کہ اس قدر واقعہ دیکھ کر پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھل گئی اور جاگ اُٹھے۔ اور ان پانچوں حدیثوں میں بالالتزام لکھا ہے کہ معراج کے وقت پہلے پچاس نمازیں مقرر ہوئیں اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس سے تخفیف کرا کر پانچ منظور کرائیں۔

﴿۹۳۵﴾ اب دیکھنا چاہئے کہ ان پانچ حدیثوں میں کس قدر اختلاف ہے۔ کسی حدیث میں براق کا ذکر ہے اور کسی میں یہ ہے کہ جبرائیل ہاتھ پکڑ کر لے گیا اور کسی میں بیداری اور کسی میں خواب لکھی ہے اور کسی میں لکھا ہے کہ میں حجرہ میں لیٹا ہوا تھا اور کسی میں لکھا ہے کہ میں مسجد کعبہ میں تھا۔ اور کسی میں لکھا ہے کہ صرف جبرائیل آیا تھا اور کسی میں لکھا ہے کہ تین آدمی آئے تھے۔ اور کسی میں لکھا ہے کہ آدم کے بعد عیسیٰ اور یحییٰ کو دیکھا اور کسی میں لکھا ہے کہ آدم کے بعد ادریس کو دیکھا اور کسی میں لکھا ہے کہ عیسیٰ کو دوسرے آسمان میں دیکھا اور موسیٰ کو چھٹے آسمان میں۔ اور کسی میں لکھا ہے کہ پہلے موسیٰ کو دیکھا پھر عیسیٰ کو۔ اور کسی میں یہ لکھا ہے کہ ابراہیم کو

بقیہ حاشیہ ساتویں آسمان میں دیکھا۔ اور کسی میں لکھا ہے کہ موسیٰ کو ساتویں آسمان میں دیکھا اور ابراہیم کو چھٹے میں۔ غرض اس قدر اختلاف ہیں کہ جن کے مفصل لکھنے کے لئے بہت سے اوراق چاہئیں۔ اب کیوں کر ممکن ہے کہ اگر ہر ایک راوی ان تمام الفاظ کو بہ صحت تمام یاد رکھتا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ سے نکلے تھے تو اس قدر اختلاف اور تعارض اُن کے بیانات میں پایا جاتا۔ بلاشبہ بعض راوی بوجہ کمزوری حافظہ بعض الفاظ کو بھول گئے یا محل بے محل کا فرق یاد نہ رہا۔ اسی وجہ سے یہ صریح اختلافات پیدا ہو گئے۔ پس جبکہ احادیث کے ضبط الفاظ کا یہ نمونہ ہے جو اس کتاب سے ملتا ہے جو بعد کتاب اللہ اصح الکتب ہے تو اس صورت میں اگر کوئی حدیث صریح کتاب اللہ کے معارض ہو یا ایسی باتوں کو بیان کرے جو اشارات النص کے مخالف ہوں تو کیوں کر ایسی حدیث کے وہ معنی مسلم رکھے جائیں جو قرآن کریم سے صریح تعارض رکھتے ہیں۔ جب کسی تعارض کے وقت حدیث کا بیان بمقابلہ بیان قرآن کریم کے چھوڑنا نفس پر شاق معلوم ہو تو حدیثوں کے باہمی تعارض پر نظر ڈال کر خود انصاف کر لینا چاہیئے کہ علاوہ اس کمال خاص قرآن کے کہ وہ وحی متلو ہے محفوظیت کی رو سے بھی حدیثوں کو قرآن کریم سے کیا نسبت ہے۔ قرآن کریم کی جیسا کہ اس کی بلاغت وفصاحت وحقاق ومعارف کی رو سے کوئی چیز مثل نہیں ٹھہر سکتی۔ ایسا ہی اس کی صحت کاملہ اور محفوظیت اور لاریب فیہ ہونے میں کوئی چیز اس کی مثیل نہیں۔ کیونکہ اس کے الفاظ وترتیب الفاظ اور محفوظیت تامہ کا اہتمام خدائے تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ اور ماسوا اس کے حدیث ہو یا قول کسی صحابی کا ہو ان سب کا اہتمام انسانوں نے کیا ہے جو سہو اور نسیان سے بری نہیں رہ سکتے۔ اور ہرگز وہ لوگ محفوظیت تامہ اور صحت کاملہ میں احادیث اور اقوال کو مثل قرآن نہیں بنا سکتے تھے۔ اور یہ عجز اُن کا اس آیت کریمہ کے اعجازات پیش کردہ میں داخل ہے۔ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا[1] جب ہر ایک بات ﴿۹۳۶﴾

[1] بنی اسرائیل: ۸۹

﴿۹۳۷﴾ بقیہ حاشیہ میں مثل قرآن ممتنع ہے تو کیوں کر وہ لوگ احادیث کو صحت اور محفوظیت میں مثل قرآن بنا سکتے ہیں۔

بعض نے احادیث معراج کا جو صحیح بخاری میں ہیں تعارض دُور کرنے کے لئے یہ جواب دیا ہے کہ حقیقت میں وہ صرف ایک ہی معراج نہیں بلکہ پانچ معراج ہوئے تھے۔ کوئی بیداری میں اور کوئی خواب میں اور کوئی بعد از زمانہ وحی اور کوئی قبل از زمانہ وحی۔ اور کوئی بیت اللہ میں اور کوئی اپنے گھر کے حجرہ میں۔ اسی وجہ سے انبیاء کی رویت میں بھی اختلاف پڑا۔ کبھی کسی کو کسی آسمان میں دیکھا اور کبھی کسی آسمان میں۔

لیکن واضح ہو کہ تعارض دور کرنے کیلئے یہ جواب صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اگر پانچ معراج ہی تسلیم کئے جائیں تو پھر بھی وہ اختلاف جو انبیاء کی رویت کی نسبت پایا جاتا ہے کسی طرح دور نہیں ہو سکتا کیونکہ خود انہیں احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء کیلئے خاص خاص مقامات آسمانوں میں مقرر ہو گئے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ حدیث معراج جو امام بخاری نے اپنی صحیح کی کتاب التوحید میں لکھی ہے جو بخاری مطبوعہ کے صفحہ ۱۱۲۰ میں موجود ہے باآواز بلند پکار رہی ہے کہ ہر یک نبی آسمانوں پر اپنے ﴿۹۳۸﴾ اپنے مقام پر قرار یاب ہے جس سے بڑھ نہیں سکتا کیونکہ اس حدیث میں یہ فقرہ بھی درج ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ کو ساتویں آسمان میں دیکھا اور جب ساتویں آسمان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آگے جانے لگے تو موسیٰ نے کہا اے میرے رب مجھے یہ گمان نہ تھا کہ مجھ سے بھی زیادہ کسی کا رفع ہوگا۔ اب ظاہر ہے کہ اگر موسیٰ کے اختیار میں تھا کہ کبھی پانچویں آسمان پر آجائے اور کبھی چھٹے پر اور کبھی ساتویں پر تو یہ گریہ و بکا کیسا تھا جیسے پانچویں سے یا چھٹے سے ساتویں پر چلے گئے ایسا ہی آگے بھی جا سکتے تھے اور قرآن کریم سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی شخص عروج میں اپنے نفسی نقطہ سے آگے گذر نہیں سکتا۔ ماسوا اس کے پانچ معراجوں کے ماننے سے ایک اور مصیبت یہ پیش آتی ہے کہ قرآن کریم اور خدائے تعالیٰ کے احکام میں محض بے جا اور لغو طور پر منسوخیت ماننی پڑتی ہے اور اوامر نا قابل تبدیل اور مستمرہ کو فضول طور پر منسوخ ماننا پڑتا ہے اور حکیم مطلق کو ایک لغو اور بے ضرورت تنسیخ کا مرتکب قرار دے کر پھر پشیمانی کے طور پر

بقیہ حاشیہ پہلے ہی حکم کی طرف عود کرنے والا اعتقاد کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ اگر قصہ معراج پانچ مرتبہ واقع ہوا ہے تو پھر اس صورت میں یہ اعتقاد ہونا چاہیئے کہ پانچ ہی دفعہ اول نمازیں پچاس مقرّر کی گئیں اور پھر پانچ منظور کی گئیں۔ مثلاً پہلی دفعہ کے معراج کے وقت میں پچاس نمازیں فرض کی گئیں اور ان پچاس میں ﴿۹۳۹﴾
تخفیف کرانے کے لئے جیسا کہ بخاری کی یہ پنج حدیثیں ہی ظاہر کر رہی ہیں کئی مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ اور اپنے رب میں آمد و رفت کی یہاں تک کہ پچاس نماز سے تخفیف کرا کر پانچ نمازیں منظور کرائیں اور خدائے تعالیٰ نے کہہ دیا کہ اب ہمیشہ کے لئے غیر مبدّل یہ حکم ہے کہ نمازیں پانچ مقرر ہوئیں اور قرآن بھی پانچ کے لئے نازل ہو گیا۔ اور حسب آیات محکمہ قرآن کریم کے پانچ نمازوں پر عملدرآمد شروع ہو گیا۔ اور سب قصہ لوگوں کو بھی سُنا دیا گیا کہ اب ہمیشہ کے لئے پانچ نمازیں مقرر ہو گئیں۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد جو دوسرا معراج ہوا تو تمام پہلا ساختہ پرداختہ اس میں کالعدم کیا گیا اور وہی پُرانا جھگڑا از سرِ نو پیش آ گیا کہ خدائے تعالیٰ نے پھر نمازیں پچاس مقرر کر دیں اور قرآن میں جو حکم وارد ہو چکا تھا اس کا بھی کچھ لحاظ نہ رکھا اور منسوخ کر دیا۔ مگر پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی دفعہ کی طرح تخفیف کرانے کی غرض سے کئی دفعہ اپنے رب میں اور موسیٰ میں آمد و رفت کر کے نمازیں پانچ مقرر کرائیں اور جناب الٰہی سے ہمیشہ کے لئے یہ منظوری ہو گئی کہ نمازیں پانچ پڑھا کریں۔ اور قرآن میں یہ حکم غیر مبدل قرار پا گیا۔ لیکن پھر تیسری دفعہ کے معراج میں وہی مصیبت پیش آ گئی اور نمازیں پچاس مقرر کی گئیں اور قرآن کریم کی غیر متبدل آیتیں منسوخ ﴿۹۴۰﴾
کی گئیں۔ پھر بمشکل تمام بدستور مذکورہ بالا پچاس سے پانچ کرائیں۔ مگر چوتھی دفعہ کے معراج میں پھر پچاس مقرر کی گئیں۔ پھر جیسا کہ بار بار لکھا گیا ہے نہایت التجا اور کئی دفعہ کی آمد و رفت سے پانچ مقرر کرائیں اور خدائے تعالیٰ نے پختہ عہد کر لیا کہ اب پانچ رہیں گی۔ لیکن پھر پانچویں دفعہ کے معراج میں پھر پچاس مقرر کی گئیں۔ پھر بہت سی آمد و رفت کے بعد پانچ نمازیں

بقیہ حاشیہ منظور کرائیں۔ مگر منسوخ شدہ آیتوں کے بعد پھر کوئی نئی آیت نازل نہ ہوئی۔ اب کیا یہ سمجھ میں آ سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے احکام اس قدر کچے اور بے ثبات اور تعارض سے بھرے ہوئے ہیں کہ اول پچاس نمازیں مقرر ہو کر پھر پختہ طور پر ہمیشہ کے لئے پانچ نمازیں مقرر کی جائیں۔ پھر تخلف وعدہ کر کے پانچ کی پچاس بنائی جائیں۔ پھر کچھ رحم فرما کر ہمیشہ کے لئے پانچ کر دی جائیں۔ پھر بار بار وعدہ توڑ دیا جائے اور بار بار قرآن کریم کی آیتیں منسوخ کی جائیں اور حسب منشاء آیت کریمہ نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا[1] اور کوئی آیت ناسخہ نازل نہ ہو۔ درحقیقت ایسا خیال کرنا وحی الٰہی کے ساتھ ایک بازی ہے جن لوگوں نے ایسا خیال کیا تھا ان کا یہ مدعا تھا کہ کسی طرح تعارض دور ہو۔ لیکن ایسی تاویلوں سے ہرگز تعارض دُور نہیں ہو سکتا بلکہ اَور بھی اعتراضات کا ذخیرہ بڑھتا ہے۔ اور کتاب التوحید کی حدیث جو بخاری کے صفحہ ۱۱۲۰ میں ﴿۹۴۱﴾
ہے جس میں قبل ان یوحی الیہ لکھا ہے یہ خود اپنے اندر تعارض رکھتی ہے۔ کیونکہ ایک طرف تو یہ لکھدیا کہ بعثت کے پہلے یہ معراج ہوا تھا اور پھر اُسی حدیث میں یہ بھی لکھا ہے کہ نمازیں پانچ مقرر کر کے پھر آخر کار ہمیشہ کیلئے پانچ مقرّر رہوئیں۔ اب ظاہر ہے کہ جس حالت میں یہ معراج نبوت سے پہلے تھا تو اس کو نمازوں کی فرضیت سے کیا تعلق تھا اور قبل از وحی جبرائیل کیوں کر نازل ہو گیا اور جو احکام رسالت سے متعلق تھے وہ قبل از رسالت کیوں کر صادر کئے گئے۔ غرض ان احادیث میں بہت سے تعارض ہیں۔ اگرچہ یہ نہیں کہا جاتا کہ یہ حدیثیں موضوع ہیں بلکہ قدر مشترک ان کا بشرطیکہ قرآن سے معارض نہ ہو قابل تسلیم اور واجب العمل ہے۔ ہاں یہ بھی ضروری ہے کہ نصوص بیّنہ قطعیہ قرآن کریم کو اُن پر مقدّم رکھا جائے۔ اور اگر ایک محدّث جس کو خدا تعالیٰ سے بذریعہ متواتر تعلیمات ایک علم قطعی یقینی ملا ہے۔ قرآن سے اپنی وحی تحدیث کو موافق و مطابق پا کر ان احادیث کو جو اخبار و قصص سے متعلق ہیں اور تعامل کے سلسلہ سے باہر ہیں مقدّم سمجھے اور ان ظنی امور کو اس یقین کے تابع کرے جو اس کو ایسے

[1] البقرة: ۱۰۷

بقیہ حاشیہ چشمۂ فیض سے حاصل ہوا ہے جس سے وحی نبوت ہے تو یہ اس کو حق پہنچتا ہے ﴿۹۴۲﴾
کیونکہ ظن کو یقین کے تابع کرنا عین معرفت اور سراسر سیرتِ ایمان ہے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ بعض جگہ قرآن میں بھی تعارض پایا جاتا ہے جیسا کہ قرآن کریم کی سولہ آیتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص فوت ہو جائے پھر دنیا میں کبھی نہیں آ سکتا اور دو موتیں کبھی کسی پر وارد نہیں ہو سکتیں۔ لیکن بعض جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ بنی اسرائیل کی فلاں قوم کو ہم نے مارا اور پھر زندہ کیا۔ اور ایک نبی عزیز یا کسی اَور کو سو برس تک مارا اور پھر زندہ کیا۔ اور ابراہیم کی معرفت چار جانور زندہ کئے گئے وغیرہ وغیرہ۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم میں ہرگز تعارض نہیں پایا جاتا۔ بلکہ یہ شبہ صرف قلّتِ فہم اور جہالت سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ قرآن کریم کی سولہ آیتوں سے کھلے کھلے طور پر یہی ظاہر ہوتا ہے کہ جو شخص فوت ہو☆ جائے

﴿الف﴾ ☆ وہ آیات جن میں لکھا ہے کہ فوت شدہ لوگ پھر دنیا میں نہیں آتے ازانجملہ یہ آیت ہے وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَۃٍ اَھْلَکْنٰھَآ اَنَّھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ[1] الجزو نمبر ۱۷ سورۃ الانبیاء۔ حضرت ابن عباسؓ سے حدیث صحیح میں ہے کہ اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ جن لوگوں پر واقعی طور پر موت وارد ہو جاتی ہے اور درحقیقت فوت ہو جاتے ہیں پھر وہ زندہ کر کے دنیا میں بھیجے نہیں جاتے۔ یہی روایت تفسیر معالم میں بھی زیر تفسیر آیت موصوفہ بالا حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ پھر دوسری آیت جو صریح منطوق قرآن کریم ظاہر کر رہا ہے یہ ہے حَتّٰٓی اِذَا جَآءَ اَحَدَھُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّیْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَکْتُ کَلَّا اِنَّھَا کَلِمَۃٌ ھُوَ قَآئِلُھَا وَمِنْ وَّرَآئِھِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ[2]۔ الجزو نمبر ۱۸ سورۃ المؤمنون۔ یعنی جب کافروں میں سے ایک کو موت آتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ اے میرے رب مجھ کو پھر دنیا میں بھیج تا ہو کہ میں نیک عمل کروں اور تدارک مافات مجھ سے ہو سکے۔ تو اس کو کہا جاتا ہے کہ یہ ہرگز نہیں ہوگا۔ یہ صرف اس کا قول ہے۔ یعنی خدا تعالےٰ کی طرف سے ابتداء سے کوئی بھی وعدہ نہیں کہ مردہ کو پھر دنیا میں بھیجے اور

[1] الانبیآء: ۹۶ [2] المومنون: ۱۰۰-۱۰۱

بقیہ حاشیہ پھر ہرگز دنیا میں نہیں آتا اور ایسا ہی حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے لیکن یہ ہرگز سچ نہیں ہے کہ ان تمام مقامات میں جہاں مردہ زندہ ہونا لکھا ہے واقعی اور حقیقی موت کے بعد زندہ ہونا لکھا گیا ہے بلکہ لغت کی رو سے موت کے معنے نیند اور ہر قسم کی بے ہوشی بھی ہے۔ پس کیوں آیات کو خواہ نخواہ کسی تعارض میں ڈالا جائے اور اگر فرض کے طور پر چار جانور مرنے کے بعد زندہ ہو گئے ہوں تو وہ ﴿۹۴۳﴾ اعادہ روح میں داخل نہیں ہوگا کیونکہ بجز انسان کے اور کسی حیوان اور کیڑے مکوڑے کی روح کو بقاء نہیں ہے۔ اگر زندہ ہو جائے تو وہ ایک نئی مخلوق ہوگی۔ چنانچہ بعض رسائل عجائب المخلوقات میں لکھا ہے کہ اگر بہت سے بچھو کوٹ کر ایک ترکیب خاص سے کسی برتن میں بند کئے جائیں تو اس خمیر سے جس قدر جانور پیدا ہوں گے وہ سب بچھو ہی ہوں گے۔ تو اب کیا کوئی دانا

پھر آگے فرمایا کہ جو لوگ مر چکے ہیں ان میں اور دنیا میں ایک پردہ ہے جس کی وجہ سے وہ قیامت تک دنیا کی طرف رجوع نہیں کر سکتے۔ پھر تیسری آیت جو اسی امر کو بوضاحت بیان کر رہی ہے یہ ہے فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ[1]۔ یعنی جس پر موت وارد ہوگئی خدا تعالےٰ دنیا میں آنے سے اسے روک دیتا ہے۔ پھر چوتھی آیت اسی مضمون کی یہ ہے وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ[2]۔ یعنی دوزخی لوگ درخواست کریں گے جو ایک دفعہ ہم دنیا میں جائیں۔ (ب) تا ہم اپنے باطل معبودوں سے ایسے ہی بیزار ہو جائیں جیسے وہ ہم سے بیزار ہیں لیکن وہ دوزخ سے نہیں نکلیں گے۔ پھر پانچویں آیت اس مضمون کی یہ ہے ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ[3]۔ پھر چھٹی آیت یہ ہے لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا[4] پھر ساتویں آیت یہ ہے وَمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ[5]۔ پھر آٹھویں آیت یہ ہے يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ[6]۔ پھر نویں آیت

[1] الزمر:۴۳ [2] البقرۃ:۱۶۸ [3] المومنون:۱۷ [4] الکھف:۱۰۹
[5] الحجر:۴۹ [6] المآئدۃ:۳۸

بقیہ حاشیہ خیال کر سکتا ہے کہ وہی بچھو دوبارہ زندہ ہو کر آ گئے جو مر گئے تھے بلکہ مذہب صحیح جو قرآن کریم سے ثابت ہوتا ہے یہی ہے کہ مخلوقات ارضی میں سے بجز جنّ اور انس کے اور کسی چیز کو ابدی روح نہیں دیا گیا۔ پھر اگر خلق اللہ کے طور پر کسی مادہ سے خدا تعالیٰ کوئی پرندہ پیدا کر دے تو کیا بعید ہے مگر ایسی روح کا اعادہ جو حقیقی موت کے طور پر قالب سے نکل گیا تھا وعدہ الٰہیہ کے برخلاف ہے تمام مقامات قرآن کریم میں جو احیاء موتی کے متعلق ہیں جن میں یہ مذکور ہے کہ فلاں قوم یا شخص کو مارنے کے بعد زندہ کیا گیا ان میں صرف **اماتت** کا لفظ ہے **توفّی** کا لفظ نہیں۔ اس میں یہی بھید ہے کہ **توفی** کے حقیقی معنے وفات دینے اور روح قبض کرنے کے ہیں۔ لیکن **اماتت** کے حقیقی معنے صرف مارنا اور موت دینا نہیں بلکہ سُلانا اور بیہوش کرنا بھی اس میں داخل ہے۔ ہاں یہ بھی بالکل ممکن اور جائز ہے کہ خدا تعالےٰ

یہ ہے فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ [1] پھر دسویں آیت یہ ہے اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ [2]۔ ایسا ہی وہ تمام آیتیں جن کے بعد خالدون یا خالدین آتا ہے اسی امر کو ظاہر کر رہی ہیں کہ کوئی انسان راحت یا رنج عالم معاد کے چکھ کر پھر دنیا میں ہرگز نہیں آتا۔ اگرچہ ہم نے ابتداء میں ایسی آیتیں سولہ قرآن کریم میں سے نکالی تھیں مگر دراصل ایسی آیتوں سے قرآن کریم بھرا پڑا ہے۔ نہ صرف قرآن کریم بلکہ بہت سی حدیثیں بھی یہی شہادت دے رہی ہیں۔ چنانچہ ہم بطور نمونہ مشکوٰۃ شریف سے حدیث جابر بن عبداللہ کی اس جگہ نقل کرتے ہیں اور وہ یہ ہے۔ **و عن جابر قال لقینی رسول الله صلعم فقال یا جابر مالی اراک منکسرًا قلت استشهد ابی و ترک عیالًا و دَینا قال افلا ابشرک لما لقی الله بهٖ اباک قلت بلٰی یا رسول اللّٰه قال ما کلم اللّٰه احدًا قطّ الا من وراء حجاب و احیی اباک فکلمه کفاحًا قال یا عبدی تمن علیّ اعطک قال تحیینی فاقتل فیک ثانیة قال الرب تبارک و تعالٰی**

[1] یٰسٓ: ۵۱ [2] البقرۃ: ۸۳

بقیہ حاشیہ کسی حیوان یا انسان یا پرندہ کو ایسی حالت میں بھی کہ وہ ٹکڑے ٹکڑے کیا جائے حقیقی موت سے بچاوے اور اس کی روح کا اس کے پاش پاش شدہ جسم سے وہی تعلق قائم رکھے جو نیند کی حالت میں ہوتا ہے اور پھر اس کے جسم کو درست کر دیوے اور اس کو نیند کی حالت سے جگا دیوے۔ کیونکہ وہ ہر یک بات پر قادر ہے۔ اپنی صفات قدیمہ اور اپنے عہد اور وعدہ کے برخلاف کوئی بات نہیں کرتا اور سب کچھ کرتا ہے۔ **فتدبر فی ھٰذا المقام و لا تکن من الغافلین۔ منه**

انه قد سبق منّی انهم لا یرجعون رواه الترمذی یعنی جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم مجھ کو ملے اور فرمایا کہ اے جابر کیا سبب ہے کہ میں تجھ کو غمناک دیکھتا ہوں۔ میں نے کہا کہ یا رسول اللہ صلعم میرا باپ شہید ہو گیا اور میرے سر پر عیال اور قرض کا بوجھ چھوڑ گیا۔ آپ نے فرمایا کہ کیا میں تجھے اس بات کی خوشخبری دوں جس طور سے **اللہ جلّشانہ'** تیرے باپ کو ملا۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ تو آپ نے فرمایا کہ **اللہ جلشانہ'** کسی کے ساتھ بغیر حجاب کے کلام نہیں کرتا مگر تیرے باپ کو اُس نے زندہ کیا اور بالمواجہ کلام کی اور کوئی درمیان حجاب نہ تھا۔ اور پھر اس نے تیرے باپ کو کہا کہ اے میرے بندے کچھ مجھ سے مانگ کہ مَیں تجھے دوں گا۔ تب تیرے باپ نے عرض کی کہ اے میرے رب مجھ کو زندہ کر کے پھر دنیا میں بھیج تا تیری راہ میں دوبارہ شہید کیا جاؤں۔ تب اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہوگا کیونکہ میں (قرآن کریم میں) عہد کر چکا ہوں کہ جو لوگ فوت ہو جائیں پھر وہ دنیا میں بھیجے نہیں جائیں گے (اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ [1] قرآن کریم کی آیت ہے) یہ وہ حدیث ہے جو ترمذی میں لکھی ہے اور اسی کے ہم مضمون ایک صحیح بخاری میں حدیث ہے مگر خوف طول سے چھوڑ دی گئی۔ اب ان تمام آیات اور احادیث سے ظاہر ہے کہ جس پر حقیقی موت وارد ہو جائے وہ ہرگز دوبارہ دنیا میں بھیجا نہیں جاتا۔ اگرچہ خدائے تعالیٰ ہر یک چیز پر قادر ہے مگر ایسا ہونا خدائے تعالیٰ کے وعدہ کے برخلاف ہے۔ اسی جگہ سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ تمام مقامات قرآن کریم جن میں مُردوں کے زندہ کرنے کا ذکر ہے ان سے حقیقی موت مراد نہیں ہے۔ یہ بات بالکل ممکن اور صحیح ہے کہ ایک حالت انسان پر بالکل موت کی طرح وارد ہو جائے مگر وہ حقیقی موت نہ ہو اور اگر ذرہ غور کر کے دیکھیں تو صاف ظاہر ہوگا کہ مسیح ابن مریم کی نسبت یہ عذر ج

[1] الانبیآء: ۹۶

عالیؔ ہمّت دوستوں کی خدمت میں گذارش ﴿۶۴۴﴾

چونکہ طبع کتاب ازالہ اوہام میں معمول سے زیادہ مصارف ہوگئے ہیں اور مالک مطبع اور کاتب کا حساب بے باق کرنے کے لئے روپیہ کی ضرورت ہے لہٰذا بخدمت جمیع مخلص دوستوں کے التماس ہے کہ حتی الوسع اس کتاب کی خریداری سے بہت جلد مدد دیں۔ جو صاحب چند نسخے خرید سکتے ہیں وہ بجائے ایک کے اس قدر نسخے خرید لیں جس قدر انکو خریدنے کی خداداد مقدرت حاصل ہے اور اس جگہ اخویم مکرم مولوی **حکیم نورالدین صاحب** معالج ریاست جموں کی نئی امداد جوانہوں نے کئی نوٹ اس وقت بھیجے قابل اظہار ہے خدا تعالیٰ ان کو جزائے خیر بخشے ایسا ہی اخویم مکرم **حکیم فضل دین صاحب بھیروی** نے علاوہ اس تین سو روپے کے جو پہلے بھیجا تھا اب ایک سَو روپیہ اَور بھیج دیا نہایت ﴿۶۴۵﴾ خوشی کی بات ہے کہ حکیم فضل دین صاحب اپنے مخدوم مولوی حکیم نورالدین صاحب کے رنگ میں ایسے رنگین ہوگئے ہیں کہ نہایت اولوالعزمی سے ایثار کے طور پر اُن سے اعلیٰ درجہ کے اعمال صالحہ صادر ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ سو رُوپیہ بعض زیورات کے فروخت سے محض **ابتغاءً لمرضات اللّٰہ** بھیجا ہے۔ **جزاھم اللّٰہ خیرا لجزاء۔**

بقیہ حاشیہ در حاشیہ

پیش کرنا کہ اگر وہ فوت ہوگیا ہے تب بھی خدائے تعالےٰ قادر ہے کہ اس کو زندہ کر کے بھیج دیوے یہ عذر نہ فقط اس وجہ سے باطل ہے کہ فوت شدہ لوگ دنیا میں دوبارہ آیا نہیں کرتے بلکہ اس وجہ سے بھی باطل ہے کہ جس طور سے مسیح ابن مریم کا دنیا میں دوبارہ آنا دلوں میں بسا ہوا ہے ایسے عذر کو اس طور سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ وجہ یہ کہ مسیح کے دوبارہ آنے کی نسبت تو یہ ﴿د﴾ خیال دلوں میں جما ہوا ہے کہ وہ آسمان سے بجسدہ العنصری اترے گا۔ لیکن وہ فوت شدہ ہونے کی حالت میں آسمان سے تو کسی طرح بجسدہ العنصری اُتر نہیں سکتا بلکہ قبر سے نکلنا چاہیئے۔ کیونکہ فوت شدہ لوگوں کی لاشیں قبروں میں رکھی جاتی ہیں نہ کہ آسمانوں پر اٹھائی جاتی ہیں۔ اور ہم

اس جگہ اخویم مولوی **مردان علی صاحب** صدر محاسب دفتر سرکار نظام حیدر آباد دکن بھی ذکر کے لائق ہیں۔ مولوی صاحب موصوف نے درخواست کی ہے کہ میرا نام سلسلہ بیعت کنندوں میں داخل کیا جاوے۔ چنانچہ داخل کیا گیا۔ اُن کی تحریرات سے نہایت محبت و اخلاص پایا جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ میں نے سچے دل سے پانچ برس اپنی عمر میں سے آپ کے نام لگا دئے ہیں۔ خدا تعالیٰ میری عمر میں سے کاٹ کر آپ کی عمر میں شامل کر دے سو خدا تعالیٰ اس ایثار کی جزا ان کو یہ بخشے کہ اُن کی عمر دراز کرے۔ انہوں نے اور اخویم مولوی ظہور علی صاحب اور مولوی غضنفر علی صاحب نے نہایت اخلاص سے دس دس روپیہ ماہواری چندہ دینا قبول کیا ہے اور بہتّر ۷۲ روپیہ امداد کے لئے بھیجے ہیں۔
جزاھم اللّٰہ خیر الجزا۔ والصلٰوۃ والسلام علیٰ نبیّنا ومولانا محمد واٰلہ واصحابہ وجمیع عباد اللّٰہ الصالحین۔

راقم

خاکسار **غلام احمد** از لودہیانہ محلّہ اقبال گنج

یہ ثابت کر چکے ہیں کہ توفی کا لفظ عموماً محاورہ کی رُو سے یہی معنے رکھتا ہے کہ روح کا قبض کرنا لیکن جسم کا قبض کرنا قرآن کریم کے کسی لفظ سے ثابت نہیں ہوتا۔ پس جب کہ توفی کا لفظ صرف روح کی قبض کرنے میں محدود ہوا تو مسیح ابن مریم کا جسم آسمان کی طرف اُٹھایا جانا قرآن کریم کے کسی لفظ سے ثابت نہ ہوسکا۔ ظاہر ہے کہ جس چیز کو اللہ تعالےٰ قبض کرتا ہے اٹھاتا بھی اُسی کو ہے اور یہ وعدہ بھی قرآن کریم میں ہو چکا ہے کہ لاشیں قبروں میں سے بروز حشر اٹھیں گی۔ اس صورت میں اگر فرض محال کے طور پر مسیح ابن مریم قبر میں سے اٹھے تو پھر نزول غلط ٹھہرے گا۔
بعض کہتے ہیں کیا یہ ممکن نہیں کہ مسیح سونے کی حالت میں اٹھایا گیا ہو اور پھر آخری زمانہ میں آسمان پر جاگ اٹھے اور زمین پر نازل ہو مگر یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ جسم کا اٹھایا جانا قرآن کریم سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ توفی صرف روح کے قبض کرنے کو کہتے ہیں خواہ بحالت نوم قبض ہو یا بحالت موت پس جو چیز قبض کی جائے وہی اٹھائی جائے گی۔ اور یہ ہم ثابت کر آئے ہیں کہ مسیح کی تـوفّی

یعنی مسیح کی روح کا قبض کرنا بطور موت کے تھا نہ بطور خواب کے۔ اور صحیح بخاری میں جو بعد کتاب اللہ اصح الکتب ہے تفسیر کے محل میں انّی متوفّیک کے معنے انّی ممیتک لکھے ہیں۔

بقیہ حاشیہ در حاشیہ

پس جبکہ قرآن شریف اور احادیث صحیحہ سے صرف حضرت مسیح کی روح کا اٹھایا جانا ثابت ہوتا ہے تو حال کے اکثر علماء کی حالت پر رونا آتا ہے کہ وہ کیوں اللہ اور رسول کے فرمودہ سے تجاوز کر کے اپنی طرف سے بلا دلیل مسیح کے جسم کا آسمان کی طرف اٹھایا جانا تجویز کرتے ہیں۔ کیا قرآن اور حدیث کا بالاتفاق مسیح ابن مریم کی موت پر گواہی دینا تسلی بخش نہیں ہے۔ افسوس کہ یہ لوگ ذرہ خیال نہیں کرتے کہ وہ حدیثیں جو نزول مسیح کے بارہ میں آئی ہیں اگر اُن کے یہی معنے کئے جائیں کہ مسیح ابن مریم زندہ ہے اور درحقیقت وہی آسمان سے اتر آئے گا۔ تو اس صورت میں ان حدیثوں کا قرآن کریم اور ان دوسری حدیثوں سے تعارض واقع ہوگا جن کی رو سے مسیح ابن مریم کا فوت ہو جانا یقینی طور پر ثابت ہو چکا ہے۔ آخر کتاب اللہ کی مخالفت کی وجہ سے وہ حدیثیں ردّ کے لائق ٹھہریں گی۔ پھر کیوں نزول کے ایسے معنے نہیں کرتے جو کتاب اللہ کے مخالف و مغائر نہ ہوں اور نہ دوسری صحیح حدیثوں سے مغائرت رکھیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے آیت فلمّا توفّیتنی میں صاف صاف اپنا اظہار دے دیا ہے کہ میں ہمیشہ کے لئے دنیا سے اٹھایا گیا۔ کیونکہ ان کا یہ کہنا کہ جب مجھے وفات دی گئی تو پھر اے میرے رب میرے بعد تُو میری اُمت کا نگہبان تھا۔ صاف شہادت دے رہا ہے کہ وہ دنیا سے ہمیشہ کے لئے وفات پا گئے۔ کیونکہ اگر ان کا دنیا میں پھر آنا مقدر ہوتا تو وہ ضرور اِن دونوں واقعات کا ذکر کرتے اور نزول کے بعد کی تبلیغ کا بھی بیان فرماتے نہ یہ کہ صرف اپنی وفات کا ذکر کر کے پھر بعد اپنے خدا تعالیٰ کو قیامت تک نگہبان ٹھہراتے۔ فتدبر۔

﴿۹۴۶﴾

اشتہار

نورالابصار صداقت آثار عیسائی صاحبوں کی ہدایت کے لئے

یاایھا المتنصرون ما کان عیسٰی الّا عبد من عباد اللّٰہ قد مات و دخل فی الموتٰی فلا تحسبوہ حیًّا بل ھو میّت و لا تعبدوا میّتًا و انتم تعلمون۔ اے حضرات عیسائی صاحبان؛ آپ لوگ اگر غور سے اس کتاب ازالہ اوہام کو پڑھیں گے تو آپ پر نہایت واضح دلائل کے ساتھ کھل جائے گا کہ درحقیقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام اب زندہ موجود نہیں ہیں بلکہ وہ فوت ہو چکے اور اپنے فوت شدہ بزرگوں میں جا ملے۔ ہاں وہ روحانی زندگی جو ابراہیم کو ملی، اسحاق کو ملی۔ یعقوب کو ملی۔ اسمٰعیل کو ملی اور بلحاظ رفع سب سے بڑھ کر ہمارے سیّد و مولیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی۔ وہی زندگی بلا تفاوت حضرت عیسیٰ کو بھی ملی۔ اس بات پر بائبل سے کوئی دلیل نہیں ملتی کہ مسیح ابن مریم کو کوئی انوکھی زندگی ملی۔ بلکہ اس زندگی کے لوازم میں تمام انبیاء شریک مساوی ہیں۔ ﴿۹۴۷﴾

ہاں باعتبار رفع کے اقرب الی اللہ مقام ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ سوائے حضرات عیسائی صاحبان! آپ لوگ اب ناحق کی ضد نہ کریں۔ مسیح ایک عاجز بندہ تھا جو فوت ہوگیا اور فوت شدہ لوگوں میں جا ملا۔ آپ لوگوں کے لئے یہی بہتر ہے کہ خدا تعالیٰ سے ڈریں اور ایک عاجز مخلوق کو خدا کہہ کر اپنی عاقبت خراب نہ کریں آپ لوگ ذرہ سوچیں کہ مسیح اس دوسرے عالم میں اَوروں سے کس بات میں زیادہ ہے۔ کیا انجیل اس بات کی گواہی نہیں دیتی کہ ابراہیم زندہ ہے؟ بلکہ لعاذر بھی؟ پھر مسیح لعاذر سے اپنی زندگی میں کس بات میں زیادہ ہے۔ اگر آپ لوگ تحقیق سے نوشتوں کو دیکھیں تو آپکو اقرار کرنا پڑیگا کہ کسی بات میں زیادہ نہیں۔ اگر آپ لوگ اس بارہ میں میرے ساتھ بحث کرنا چاہیں تو مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں اس بحث میں مغلوب ہونے کی حالت میں حتی الوسع اپنے ہر یک تاوان کو جو آپ لوگ تجویز کریں دینے کو طیار ہوں بلکہ اپنی جان بھی اس راہ میں فدا کرنے کو حاضر ہوں۔ خداوند کریم نے میرے پر کھول دیا ہے کہ درحقیقت عیسیٰ ابن مریم فوت ہوگیا اور اب فوت شدہ نبیوں کی جماعت میں داخل ہے۔ سو آؤ دین **اسلام** اختیار کرو۔ وہ دین اختیار کرو جس میں **حیّ لا یموت** کی پرستش ہو رہی ہے نہ کسی مردہ کی۔ جس پر کامل طور پر چلنے سے ہر یک محبّ صادق خود مسیح ابن مریم بن سکتا ہے۔ و السلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔ المشتہر **غلام احمد قادیانی** ۳؍ستمبر ۱۸۹۱ء ﴿۹۴۸﴾

الحمد و المنة کہ رسالہ ازالہ اوہام از تصنیفات مجدد دوراں مرسل یزداں مسیح الزمان جناب حضرت مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان سلمہ المنّان در مطبع ریاض ہند امرتسر باہتمام شیخ نور احمد صاحب زیور طبع پوشید بقلم ذلیل ترین کافۂ انام غلام محمد امرتسری

غفر اللّٰہ ذنوبہ و ستر عیوبہ

حبّی فی اللہ اخویم مولوی حکیم نور الدّین صاحب کا خط ایک سائل کے جواب میں

﴿۱﴾

عزیز من حفظک اللّٰہ وسلّم۔ ثم السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہٗ۔ مرزا جی کے دعاوی پر آپ نے مجھے ایک بہت بڑا لمبا خط لکھا ہے۔ بجواب اس کے گذارش ہے کہ فلا تستعجلون (جلد باز نہ بنو) ایک الٰہی ارشاد ہے جو حضرت خاتم الانبیاء اصفی الاصفیاء سیّدنا مولانا احمد مجتبیٰ محمد مصطفٰے (فداہٗ امی وابی) صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفوں کے نام جاری ہوا تھا۔ ہم اسی ارشاد کو ظلّی طور حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ظل اور نائب اور اس کے دین کے خادم حضرت مجدد الوقت مرزا جی کے مخالفوں کو سُناتے ہیں۔ مخالفت والو! صبر سے انتظار کرو جلد باز نہ بنو۔

﴿۲﴾ مرزا جی نے اپنے بعض احباب کو اس خاکسار کے سامنے فرمایا ہے کہ اگر لوگ تم سے بمباحثہ پیش آویں تو یہ الٰہی حکم اُن کو سُنا دو۔ اِنْ یَّکُ کَاذِبًا فَعَلَیْهِ کَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ یَّکُ صَادِقًا یُّصِبْکُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُکُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ کَذَّابٌ [1]۔

عزیز من سنو اور اس پر غور کرو۔ دنیا میں ایک جماعت گذری اور اب بھی ہے جنہوں نے اَنَا اللّٰہ کہا۔ اور کہتے ہیں۔ ایسے قائلین کی تکفیر و تفسیق سے بھی محتاط کف لسان پسند کرتے ہیں اور اس جماعت کو صلحاء و اولیاء کی جماعت کہتے ہیں۔ پس عزیز من! انا المسیح انا عیسٰی ابن مریم کہنے والے پر یہ شور و غل کیوں؟ انصاف! انصاف!! انصاف!!!

میرے پیارے ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے الدر الثمین میں فرمایا ہے بلغنی عن سیدی العم انه قال رایت النّبی صلی اللہ علیه وسلم فی النوم فلم یزل یدنینی منه حتی صرت نفسه۔ ایسا ہی ابن حزم ظاہری کی نسبت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ نے ارقام فرمایا ہے یہ نظارہ انا محمد کہنے کا ہے۔ آہ پھر انا المسیح وانا ابن مریم الموعود پر یہ طیش و غضب کیوں!!!

[1] المؤمن: ۲۹

﴿۳﴾ عزیزمن ! ایمانی امور میں کسی قدر اخفا کا ہونا ایک ضروری اور لازمی امر ہے۔ اگر کوئی معاملہ بالکل عیاں ہو جاوے تو پھر اخفا کہاں۔ عیاں وخفا میں مقابلہ ہے۔ اِسی واسطے شرعیہ احکام وامور میں جسمانی شمس وقمر کا ماننا ایمانی امور میں داخل نہیں۔ اور اسی واسطے قیامت کے روز شرعیہ تکالیف علی العموم اُٹھ جائیں گی۔ پس تم پیشگوئیوں میں ایمان سے کام لو۔ ان کے فہم میں عرفان کے مدعی نہ بنو۔ ہمارے سیّد ومولیٰ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کا وہ ایک واقعہ قابل غور ہے جو قرآن کریم کے پندرہ سیپارہ کے آخر اور سولہ سیپارہ کے ابتداء میں مندرج ہے۔ اس واقعہ کے بیان میں ایک طرف سیدنا موسیٰ علیہ السلام ہیں جن کا اولوالعزم صاحب شریعت رسول ہونا یہود عیسائیوں اور محمدیوں میں مسلّم ہے۔ اس مقدس نبی نے جیسے امام المحدثین امام بخاری رحمۃ اللہ وغیرہ نے ارقام فرمایا ہے کہیں انا اعلم کہہ دیا تب الٰہیہ غیرت نے اپنے پیارے بندے سیدنا خضر علیہ السلام کا انہیں پتہ دیا۔ جب جناب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس عارف سے ملے تو اس کے سچے علوم واسرار کی تہ تک نہ پہنچے۔ جناب خضر علیہ السلام نے انہیں فرما دیا تھا
﴿۴﴾ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا اور فرما دیا تھا وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا [1]۔ پس منجملہ آداب الٰہیہ کے یہ ادب ضروری تھا کہ ایسے بندوں کے معاملات میں کم سے کم خاموشی اختیار کی جاتی۔ اس وقت تک کہ لوگ مرزا جی کے معاملہ میں صریح کفر کو دیکھ لیتے۔ سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بے صبری کو خبردار حجت نہ پکڑنا ! اور ہرگز حجت نہ پکڑنا۔ کیونکہ سیّد ولد آدم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **لیت موسٰی سکت حتی یقص اللّٰہ علینا**۔ میری اس بات پر کسی بدظنّی سے کام نہ لینا۔ میں محمدی ہوں اور محمدیوں کو بحمد اللہ کچھ ایسے انعامات عطا ہوئے ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی سرور میں آکر اللہ کی پاک جناب میں انت عبدی وانا ربک کہہ دے تو انشاء اللہ تعالیٰ جہنمی نہ ہو اگرچہ سچ یہی ہے

[1] الکہف: ۶۸، ۶۹

کہ الٰھی انت ربی و انا عبدک۔

مجھے اس وقت ایک قصہ یاد آ گیا جس کو قلائد الجواھر میں محمد بن یحییٰ تادفی نے ارقام فرمایا ہے اس پر غور کرو۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں جاء نی ابو العباس الخضر علیه السلام۔ یمتحننی بما امتحن به الاولیاء من قبلی فکشف لی عن سریرته ففتح علیّ بما خاطبته به ثم قلت له و هو مطرق ان یا خضر۔ ان کنت قلت لموسٰی انک لن تستطیع معی صبرًا ۔ فانک لن تستطیع معی صبرًا یا خضر! ان کنت اسرائیلیا فانک اسرائیلی و انا محمدی ۔ فھا انا و انت و ھذہ الکرۃ و ھذا المیدان ھذا محمد و ھذا الرحمٰن ۔ و ھذا فرسی مسرج ملجم وقوسی موتر و سیفی شاھر رضی اللّٰہ عنه ۔ سبحان اللہ کیا خوب ڈوئل ہے سنو! حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ و السلام کی دوبارہ تشریف آوری کا ذکر قرآن مجید میں تو بالکل نہیں اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کا بجسدہ العنصری زندہ رہ کر آسمان کی طرف عروج کرنا قرآن شریف سے ثابت نہیں۔ پھر اگر یہ پوچھو کہ یہ مسئلہ کہاں ہے شاید جواب یہ ہو کہ احادیث میں۔ مگر وہاں تو نہیں۔ پھر کیا اناجیل میں۔ مگر وہاں نہیں۔ پھر کہاں۔ تو جواب یہی ہوگا۔ کہ عیسائیوں کے بھولے بھالے خیالات میں۔ کیونکہ متی اور یوحنا تو ساکت ہیں اور لوک اور مرک تابعی نہ صحابی بے دیکھے اٹکلیں دوڑاتے ہیں۔ پھر کیا اسلامیوں کی اسرائیلی مرویات وحکایات وغیرہ میں جن کی تائید قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے نہیں ہوسکتی؟ کیونکہ قرآن کریم تو اسرائیلی مسیح عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی وفات کو مختلف جگہوں میں ذکر فرما چکا ہے اور احادیث صحیحہ میں نزول مسیح عیسیٰ ابن مریم میں اسرائیلی نبی کا ذکر نہیں۔ اگر ہو بھی تو تثلیث[۱] میں مسیح عیسیٰ ابن مریم نبی اللہ اسرائیلی کا جو شخص مثیل ہوگا اس پر مجازاً مسیح ابن مریم اسرائیلی کہنا بھی جائز ہوگا۔ ہاں ینزل ابن مریم فیکم و امامکم منکم بخاری کی حدیث ہے۔ اس حدیث کا ترجمہ اور اس کی حقیقت

(۵) (۶)

[۱] ''تشبیہ'' پڑھا جائے۔ شمس

مرزا جی نے اپنے رسائل میں بیان فرمائی ہے۔ اس ترجمہ اور حقیقت پر اگر کسی کو طالب علمانہ بحث ہو تو اُسے یاد رہے کہ واؤ کا حرف تفسیر کے واسطے بھی ہوا کرتا ہے۔ دیکھو کلمات طیبات قرآنی جو ذیل میں درج ہیں۔ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَ قُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ [1]۔ سورۃ حجر۔ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ سورہ رعد [2]

عزیز من! بیرونی تحریکات کے سوا اندرونی تحریکوں کا ہونا ایک نادر امر ہے یہ معاملہ جس پر یہ ضعیف اور خاکسار خط لکھ رہا ہے اب پبلک میں آ گیا ہے شخصی خطوط میں اس کا تذکرہ اب چنداں ضروری نہیں۔ جناب مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ اب مرزا جی ﴿۷﴾
کے معاملہ میں مجھ سے خط و کتابت نہ فرماویں گے مگر جب خلاف وعدہ مولوی جی نے خاکسار کو لکھا تو خاکسار نے اُن کو یہی جواب دیا کہ اب یہ معاملہ شخصی اور پرائیویٹ خطوط کے قابل نہیں رہا۔ سو تم بھی عام فیصلہ کا انتظار کرو۔ تم کو معلوم ہے کہ اس وقت تین آدمیوں کو پنجاب میں مرزا جی کی مخالفت پر بڑا جوش ہے۔ اِدھر قرآن مجید راستبازوں کی فتحمندی پر تاکید سے خبر دے رہا ہے۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ [3] پس صبر و متانت و سلامت روی سے چند روز کام لو۔

عزیز من! یاد رکھو مجھ ہیچ میرز کو آگاہ کیا گیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا قصہ بدوں کسی قسم کی تاویل اور کسی قسم کے استعارہ و مجاز کے کسی قوم نے تسلیم نہیں فرمایا۔ یہ میری بات سرسری نہ سمجھو۔ نمونہ کے طور پر دیکھ لو۔ ہمارے اکثر مفسّرین حضرت مسیح کے قصہ میں اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ [4] میں کیا کچھ اُلٹ پھیر نہیں کرتے۔ میاں عبدالحق صاحب غزنوی اپنے دوسرے اشتہار میں پہلے ہی صفحہ کے آخری سطر میں لکھتے ہیں۔ اللہ اکبر "خربت خیبر" اب غور کا مقام ہے کہ میاں عبدالحق کا خیبر حقیقی خیبر تو ہرگز نہیں ہو سکتا اب قادیان کو دمشق ماننے میں وہ کیوں ﴿۸﴾
گھبراتے اور اس پر شور و غل مچاتے ہیں!!!

مولوی عبد الرحمٰن لکھو کے والے عزیز القدر عبد الواحد حفظہ اللہ کو ارقام فرماتے ہیں

۱. الحجر: ۲ ۲. الرعد: ۲ ۳. الاعراف: ۱۲۹ ۴. ال عمران: ۵۶

کہ ’’ درتفسیر قرآن عظیم خلاف راہ صحابہ رضی اللہ عنہم اختیار نمودن الحاد وضلالت است ورضامندی رب العالمین در اتباع ایشان است‘‘ اور اسی خط میں ’’وقولہٗ تعالیٰ۔ مَا سَمِعۡنَا بِهٰذَا فِی الۡمِلَّةِ الۡاٰخِرَةِ (ای الملة المحمدیة) اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا اخۡتِلَاقٌ[۱] میں الملّة الآخرة کی تفسیر خلاف صحابہ وتابعین وجمیع مفسرین الملّة المحمدیة سے فرماتے ہیں! احادیث میں مسیح علیہ السلام کا حلیہ کہیں احمر رجل الشعر اور کہیں اسمر سبط الشعر آیا ہے۔ اس کی تطبیق میں تاویل کی جاتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اور امور میں بھی الٰہی کلام میں تمثیلات و استعارات وکنایات کا ہونا اسلامیوں میں مسلّم ہے مگر ہر جگہ تاویلات وتمثیلات سے استعارات وکنایات سے اگر کام لیا جاوے تو ہر یک مُلحد منافق بدعتی اپنی آراء ناقصہ اور خیالات باطلہ کے موافق الٰہی کلمات طیّبات کو لاسکتا ہے اس لئے ظاہر معانی کے علاوہ اَور معانی لینے کے واسطے اسباب قویہ اور موجبات حقہ کا ہونا ضرور ہے۔ ﴿۹﴾

الٰہی کلمات طیبات میں استعارات بکثرت ہوتے ہیں مگر اس امر کے باعث کیا ہم ہر جگہ استعارہ ومجاز لینے پر دلیر ہوسکتے ہیں ہرگز نہیں۔ کیا عبادات میں معاملات میں تمدّن ومعاشرت کے مسائل میں اخلاق وسیاست کے احکام میں بھی ہم استعارات سے کام لیں گے؟ ہرگز نہیں! ان باتوں کو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے عملی طور پر کر کے ہمیں دکھا دیا۔ اُمّت کے تعامل ورواج نے وہ تصویر ہم تک پہنچادی۔ جزاھم اللّٰہ احسن الجزاء۔

مگر جو کچھ پیشین گوئیوں میں مذکور ہے اور جو کچھ انبیاء علیہم السلام کے مکاشفات اور رویا صالحہ میں نظر آتا ہے کچھ شک نہیں کہ وہ عالم مثال میں ہوا کرتا ہے۔ ایسا ہی اُن کے بعض اخبار ماضیہ اور حقائق کونیہ اور عالم مثال کے اشکال والوان عالم جسمانی کے الوان واشکال سے بالکل نرالے ہوا کرتے ہیں۔ پس ایسے موقعہ پر علوم ضروریہ یقینیہ

[۱] صٓ: ۸

﴿۱۰﴾ الہامات صادقہ مشاہدات وحقائق نفس الامریہ قواعد شرعیہ ان نصوص کو لامحالہ ظاہر سے اور معنے کی طرف لے جائیں گے۔ چنانچہ سیدنا یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سورج اور چاند اور سیّاروں کو اپنے لئے سجدہ کرتے دیکھا۔ مگر جسمانی عالم میں وہ سورج وچاند وسیارے اُن کے ماں باپ اور بھائی تھے۔ قرآن کریم میں ایک بادشاہ کا قصہ لکھا ہے جس نے فربہ گائیں اور سبز بالیاں دیکھیں۔ جسمانی عالم میں وہ قحط اور ارزانی تھی۔

ہمارے سیّد ومولیٰ نے رویاء صالحہ میں دیکھا کہ آپ کے کف دست مبارک میں سونے کے کنگن ہیں اور آپ نے اُن کو پھونک سے اُڑا دیا۔ وہ جسمانی عالم میں **مسیلمہ** اور **اسود عنسی** اور ان کی تباہی تھی۔ حضور علیہ السلام نے اپنی بیبیوں سے فرمایا **اسرعُکن لحوقًا بی اطولکن یدًا.** لگی بیبیاں ہاتھوں کو ناپنے۔ مگر واقعات نفس الامریہ نے بتا دیا اور مشاہدات نے دکھا دیا کہ صحابیات کا فہم پیشین گوئی کے سمجھنے میں اس پہلو پر غلط تھا جس پر انہوں نے سمجھا تھا۔ پس دجّال اور مسیح علیہ السلام کی پیشین گوئی میں کیوں ایمانی حد سے بڑھ کر لوگ عرفان کے مدعی ہو گئے ہیں اور عارف کے خلاف پر اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ ہمیں بڑا تعجب آتا ہے جب یہ کہتے سنتے ہیں کہ ﴿۱۱﴾
مرزا اجماع کے خلاف کرتا ہے۔

حالانکہ وہی لوگ جن کو مرزا جی سے بہت بڑا انقار ہے **امام احمد بن حنبل** کے اس قول کو ہمیشہ سناتے رہے کہ اجماع کا دعویٰ کذب ہے۔ اور عقل ودنیا کا نظارہ اور علماء کی حالت بھی کہ وہ شرق وغرب وجبال وبحار میں پھیلے ہوئے ہیں گواہی دیتی ہے کہ اجماع کا دعویٰ ایک خیال سے بڑھ کر وقعت نہیں رکھتا۔

عزیز من! جیسے مرزا جی نے اپنے آپ کو ابن مریم کہا ہے ایک جگہ **مریم** بھی فرمایا ہے اور اپنے بیٹے **مثیل مسیح** کا نام **عموانوئیل** بتایا ہے۔ خود خاکسار نے جب مرزا جی کے حضور میں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا ایک پیغام پہنچایا تو آپ نے

فرمایا میں نے تو مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ ممکن ہے کہ مثیل مسیح بہت آویں اور کوئی ظاہری طور پر بھی مصداق ان پیشین گوئیوں اور نشانات کا ہو جن کو میں نے روحانی طور پر الہاماً اپنے پر چسپاں کیا ہے۔

الٰہی فیضان کی کوئی حد نہیں اور نہ وہاں کوئی کمی ہے تب میں نے عرض کیا کہ ایسی صورت میں احادیث کے باعث لوگ کیوں اشکال میں پھنسے ہوئے ہیں؟ تعجب ہے۔ مگر عزیز من! ﴿۱۲﴾
اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ [1] پر دھیان کرو۔

سنو اور غور سے سنو! پیشین گویوں کے پورا ہونے کے واسطے اوقات مقدرہ ہوا کرتے ہیں۔ جیسے میں نے تین سوالوں کے جواب میں مفصل لکھا ہے اور وہ جواب انجمن حمایت اسلام لاہور نے طبع کرایا ہے۔ مثلاً حضور علیہ السلام کو مکّہ کے کفار کہتے ہیں لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ یَنْبُوْعًا [2] آپ کے منکرین نے یہ طلب کیوں کی تھی صرف اسی بناء پر کہ حضور سیدنا ومولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشن گوئی کے سمجھنے میں بالکل ظاہری الفاظ کے معنوں پر موٹی نظر کی تھی۔ وہ پیشین گوئی یسعیاہ نبی کے ۴۳ باب ۱۹ کی ہے۔ یسعیاہ نبی نے حضرت خاتم الانبیاء کے زمانہ کی نسبت فرمایا تھا کہ صحرا میں ندیاں بناؤں گا۔ ظاہر ہے کہ سیّد ومولےٰ کے وقت زبیدہ والی ندی مکہ میں اور نہر بنی زرقا مدینہ میں جاری نہیں ہوئی تھی۔ جس پر بعض نے ناعاقبت اندیشی سے ٹھوکر کھائی۔

عزیز من! ترہیب اور ترغیب میں دلوں کے بڑھانے۔ ہمت وتوجہ کی ترقی دینے کو ایسے الہامات بھی ہوتے ہیں جن کا بیان آیت ذیل میں ہے اِذْ یُرِیْکَھُمُ اللّٰہُ فِیْ مَنَامِکَ قَلِیْلًا [3] (حالانکہ بدر کی جنگ میں مکہ کے کفار مسلمانوں سے بہت زیادہ تھے) مگر ایسا الہام کیوں ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس کی وجہ فرماتا ہے وَلٰکِنَّ اللّٰہَ سَلَّمَ [4]۔ سوچو اور غور کرو! ﴿۱۳﴾

[1] العنکبوت: ۳ [2] بنی اسرائیل: ۹۱ [3]،[4] الانفال: ۴۴

عزیز من! مولوی محمد حسین صاحب پر اللہ تعالیٰ رحم فرماوے ان کو اپنے علم و فضل پر بڑا گھمنڈ ہے اور اللہ کریم کو گھمنڈ پسند نہیں۔ الہامی جماعت کی مخالفت بھی تمہیں ٹھوکر کا باعث نہ ہو۔ **ازالہ اوھام** میں اس کا عجیب و غریب جواب موجود ہے اور نصحا میں کہتا ہوں كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ[1] اور تمنّی پر آیت اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِىْٓ اُمْنِيَّتِهٖ[2]۔ آپ فکر کرتے رہیں۔

بھائی صاحب! مرزا جی اس صدی کے مُجدّد ہیں اور مجدد اپنے زمانہ کا **مھدی** اور اپنے زمانہ کے شدّت مرض میں مبتلا مریضوں کا **مسیح** ہوا کرتا ہے اور یہ امر بالکل تمثیلی ہے جیسے مرزا جی اپنی الہامی رباعی میں ارقام فرما چکے ہیں۔

رُباعی

کیا شک ہے ماننے میں تمہیں اس مسیح کے ۔۔۔ جس کی مماثلت کو خدا نے بتادیا ﴿۱۴﴾
حاذق طبیب پاتے ہیں تم سے یہی خطاب ۔۔۔ خوبوں کو بھی تو تم نے **مسیحا** بنا دیا

میں اب اس خط کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ مولوی محمد حسین صاحب کی **اشاعت** پر اللہ تعالیٰ جو فیضان کرے گا اس کا اظہار پھر ہو رہے گا۔ یار باقی صحبت باقی۔

آخر میں یہ شعر تمہیں سُنا کر اور ایک تحریک کر کے بس کرتا ہوں۔

ابن مریم ہوا کرے کوئی ۔۔۔ میرے دُکھ کی دوا کرے کوئی

ہمارے مخالف الرائے مولوی صاحبوں کا حوصلہ

خدائے تعالیٰ نے پورے طور پر جلوہ قدرت دکھلانے کے لئے ایک ایسے نامی مولوی صاحب سے ہمیں ٹکرا دیا جنکی لیاقت علمی جنکی طاقت فہمی جنکی طلاقت لسانی جنکی فصاحت بیانی شہرۂ پنجاب و ہندوستان ہے اور خدائے حکیم و علیم کی مصلحت نے اس ناکارہ کے مقابل پر ایسا انہیں جوش بخشا اور اس درجہ کی بدظنی میں انہیں ڈال دیا کہ کوئی دقیقہ بدگمانی اور مخالفانہ حملہ کا انہوں نے اُٹھا نہیں رکھا۔ تا اس کا

[1] بنی اسرائیل: ۲۱ [2] الحج: ۵۳

وہ امر خارق عادت ظاہر ہو جو اس نے ارادہ کیا ہے۔ مولوی صاحب نور اللہ کے بجھانے کے لئے بہت زور سے پھونکیں مار رہے ہیں۔ دیکھئے اب سچ مچ وہ نور بجھ جاتا ہے یا کچھ اور کرشمہ قدرت ظہور میں آتا ہے۔ ۹/اپریل ۱۸۹۱ء کے خط میں جو انہوں نے میرے ایک دوست مولوی ﴿۱۵﴾
سیّد محمد احسن صاحب کے نام بھوپال میں بھیجا تھا عجیب طور کے فقرات تحقیر کے استعمال کئے ہیں۔ آپ سیّد صاحب موصوف کو لکھتے ہیں کہ آپ اس شخص پر جلدی سے کیوں ایمان لے آئے اس کو ایک دفعہ دیکھ تو لیا ہوتا۔ مولوی صاحب نے اس فقرہ اور نیز ایک عربی کے فقرہ سے یہ ظاہر کرنا چاہا ہے کہ یہ شخص محض نالائق اور علمی اور عملی لیاقتوں سے بکلّی بے بہرہ ہے اور کچھ بھی چیز نہیں۔ اگر تم دیکھو تو اس سے نفرت کرو۔ مگر بخدا یہ سچ اور بالکل سچ ہے اور قسم ہے مجھے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ درحقیقت مجھ میں کوئی علمی اور عملی خوبی یا ذہانت اور دانشمندی کی لیاقت نہیں اور میں کچھ بھی نہیں۔ ایک غیب میں ہاتھ ہے جو مجھے تھام رہا ہے اور ایک پوشیدہ روشنی ہے جو مجھے منور کر رہی ہے اور ایک آسمانی روح ہے جو مجھے طاقت دے رہی ہے۔ پس جس نے نفرت کرنا ہے کرے۔ تا مولوی صاحب خوش ہو جائیں بخدا میری نظر ایک ہی پر ہے جو میرے ساتھ ہے۔ اور غیر اللہ ایک مرے ہوئے کیڑے کے برابر بھی میری نظر میں نہیں۔ کیا میرے لئے وہ کافی نہیں جس نے مجھے بھیجا ہے۔ میں یقیناً جانتا ہوں کہ وہ اِس تبلیغ کو ضائع نہیں کرے گا جس کو لے کر میں آیا ہوں۔ مولوی صاحب جہاں تک ممکن ہے لوگوں کو نفرت دلانے کے لئے زور لگالیں اور کوئی دقیقہ کوشش کا اُٹھا نہ رکھیں اور جیسا کہ وہ اپنے خطوط میں اور اپنے رسالہ میں اور اپنی تقریروں میں باربار ظاہر کر چکے ہیں کہ یہ شخص نادان ہے جاہل ہے گمراہ ہے مفتری ہے دوکاندار ہے بے دین ہے کافر ہے ایسا ہی کرتے رہیں اور مجھے ذرہ مہلت نہ دیں مجھے بھی اس ذات کی عجیب قدرتوں کے دیکھنے کا شوق ہے جس نے مجھے بھیجا ہے۔ لیکن اگر کچھ تعجب ہے تو اس بات پر ہے کہ باوجود اس کے کہ یہ عاجز مولوی صاحب کی نظر میں جاہل ہے بلکہ خط مذکورہ بالا میں یقینی طور پر مولوی صاحب نے لکھ دیا ہے کہ یہ شخص ملہم نہیں یعنی مفتری ہے اور یہ دعویٰ جو اس عاجز نے کیا ہے مولوی صاحب کی نظر میں بدیہی البطلان ہے ﴿۱۶﴾

جس کا قرآن وحدیث میں کوئی اثر ونشان نہیں پایا جاتا۔ پھر مولوی صاحب پر ڈر اس قدر غالب ہے کہ آپ ہی بحث کے لئے بلاتے اور آپ ہی کنارہ کر جاتے ہیں۔ ناظرین کو معلوم ہوگا کہ مولوی صاحب نے ایک بڑے کرّ وفر سے ۱۶ /اپریل ۱۸۹۱ء کو تار بھیج کر اس عاجز کو بحث کے لئے بلایا کہ جلد آؤ اور آ کر بحث کر و ورنہ شکست یافتہ سمجھے جاؤ گے۔ اُس وقت بڑی خوشی ہوئی کہ مولوی صاحب نے اس طرف رُخ تو کیا۔ اور شوق ہوا کہ اب دیکھیں کہ مولوی صاحب حضرت مسیح ابن مریم کے زندہ مع الجسد اُٹھائے جانے کا کونسا ثبوت پیش کرتے ہیں یا بعد موت کے پھر زندہ ہو جانے کا کوئی ثبوت قرآن کریم یا حدیث صحیح سے نکالتے ہیں چنانچہ لدھیانہ میں ایک عام چرچا ہو گیا کہ مولوی صاحب نے بحث کے لئے بلایا ہے اور سیالکوٹ میں بھی مولوی صاحب نے اپنے ہاتھ سے خط بھیجے کہ ہم نے تار کے ذریعہ سے بلایا ہے۔ لیکن جب اس عاجز کی طرف سے بحث کے لئے تیاری ہوئی اور مولوی صاحب کو پیغام بھیجا گیا تو آپ نے بحث کرنے سے کنارہ کیا اور یہ عذر پیش کر دیا کہ جب تک ازالہ اوہام چھپ نہ جائے ہم بحث نہیں کریں گے۔ آپ کو اُس وقت یہ خیال نہ آیا کہ ہم نے تو بلانے کے لئے تار بھیجی تھی۔ اور یہ بھی ایک خط میں لکھا تھا کہ ہمیں ازالہ اوہام کے دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ اور یہ بھی بار بار ظاہر کر دیا تھا کہ یہ شخص باطل پر ہے۔ اب ازالہ اوہام کی ضرورت کیوں پڑ گئی۔ تار کے ذریعہ سے یہ پیغام پہنچانا کہ آؤ ورنہ شکست یافتہ سمجھے جاؤ گے اور حبّی فی اللہ اخویم حکیم نور دین صاحب پر ناحق یہ الزام لگانا کہ وہ ہمارے مقابلہ سے بھاگ گئے اور پھر درخواست بحث پر ازالہ اوہام یاد آ جانا عجیب انصاف ہے۔ مولوی صاحب دعوی اس عاجز کا سُن چکے تھے۔ فتح اسلام اور توضیح مرام کو دیکھ چکے تھے اب صرف قرآن اور حدیث کے ذریعہ سے بحث تھی جس کو مولوی صاحب نے وعدہ کر کے پھر ٹال دیا۔

تمّت

اطلاع

بعض دوستوں کے خط پہنچے کہ جیسے مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی بعد مباحثہ شہر لودیانہ سے حکماً نکالے گئے ہیں یہی حکم اس عاجز کی نسبت ہوا ہے سو واضح رہے کہ یہ افواہ سراسر غلط ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اپنی وحشیانہ طرز بحث کی شامت سے لودہانہ سے شہر بدر کئے گئے لیکن اس عاجز کی نسبت کوئی حکم اخراج صادر نہیں ہوا چنانچہ ذیل میں نقل مراسلہ صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر لودھیانہ لکھی جاتی ہے۔

از پیشگاہ مسٹر ڈبلیو **چئوس صاحب** بہادر ڈپٹی کمشنر لودہیانہ۔

میرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان سلامت چٹھی آپ کی مورخہ دیروزہ موصول ملاحظہ وسماعت ہوکر بجوابش تحریر ہے کہ آپ کو بمتابعت وملحوظیت قانون سرکاری لودہیانہ میں ٹھہرنے کے لیے وہی حقوق حاصل ہیں جیسے کہ دیگر رعایا تابع قانون سرکار انگریزی کو حاصل ہیں۔ المرقوم ۶ ؍اگست ۱۸۹۱ء

دستخط

صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر